السياسة الشرعية

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

حکمران بیوروکریسی اور عوام



دائرہ نور القرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکمران بیوروکریسی اور عوام

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

دارالنور القرآن

شاپ نمبر 8 وقاص سینٹر 0321-2031277 محمد بن قاسم روڈ نزد اردو بازار کراچی

نام کتاب	السیاسۃ الشرعیہ حکمران بیوروکریسی اور عوام
مؤلفہ	شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
اشاعت اوّل	صفر ۱۴۲۸ھ
باہتمام	واجد بن سمیع
قیمت	150 روپے
ناشر	دار نور القرآن نزد اردو بازار کراچی 0321-2031277 0345-3996121
سرورق	المصور ناظم آباد کراچی 6605151
کمپوزنگ	ابوعبداللہ محمد آصف مغل

اسٹاکسٹ فضلی بک سپر مارکیٹ اردو بازار کراچی

دیگر ملنے کے پتے

☆ مکتبہ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور۔ فون 7230271, 7237184۔

☆ مکتبہ قدوسیہ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون 7351124۔

☆ مکتبہ اسلامیہ، بھوانہ بازار، فیصل آباد۔ فون 631204

☆ تسجیلات طیبہ، کشمیری بازار، راولپنڈی۔ فون 5535168۔

☆ علمی کتاب گھر، مین اردو بازار، کراچی۔ فون 2628939

گذارش

ہماری قارئین سے گذارش ہے کہ ہماری تمام تر کوششوں (اچھی پروف ریڈنگ، معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ طباعت میں اس غلطی خامی کو دور کیا جا سکے (شکریہ)

ادارہ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

لفظ ''سیاست'' عربی لفظ ہے اور حکومت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ زیر نظر کتاب ''السیاسۃ الشرعیہ'' میں ''حکمران، بیوروکریسی اور عوام'' کے باہمی ربط اور حقوق و فرائض پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

عملی سیاست کی تعریف کچھ اس طرح سے کی جا سکتی ہے کہ ''ہر وہ عمل، قول، فعل، معاملہ، سوچ و فکر، تدبر، اشارہ اور کام وغیرہ وغیرہ جو باقی سب کی رائے، قول و عمل پر حاوی ہو جائے اور باقی سب اس کے مطیع ہو جائیں'' عملی سیاست کہلاتی ہے۔ سادہ الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ ''اپنی بات، کام اور سوچ دوسروں پر غالب کر دینا'' عملی سیاست کہلاتی ہے۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کے قرآن کی یہ آیت بطورِ دلیل پیش کی جا سکتی ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

(اللہ تعالیٰ) وہ ذات ہے جس نے رسول بھیجا ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ وہ ''اس کو غالب کر دے'' باقی تمام ادیان (زندگی گذارنے کے راستوں اور طریقوں) پر (توبہ: 33)

اس آیت کریمہ میں لفظ ''لِیُظْهِرَہ'' ''عملی سیاست کا مظہر ہے۔ اور شرعی اصطلاح میں ''السیاسۃ الشرعیہ'' وہ ہے جس کے تحت دین اسلام باقی تمام ادیان (یعنی زندگی گذارنے کے راستوں اور طریقوں) پر غالب کر دیا جائے۔

دین اسلام ہو یا کوئی بھی نظام، اسے دنیا میں نافذ کرنے کے لیے ایک تو قائد/ لیڈر/ امام/ حاکم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور دوسرے وہ لوگ جن پر نظام نافذ کیا جائے گا۔ یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اب ان کی کیا کیا صفات ہونی چاہئیں کہ وہ نظام کامیابی سے ہمکنار ہو، وہ مقصد پورا ہو، ذیل میں ہم اسی نقطے پر بحث کریں گے۔

قائد/لیڈر/امام/حاکم وغیرہ وہ شخصیت ہوتی ہے جو لوگوں کے لیے اپنی اعلیٰ ترین خوبیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کی ہر قسم کی رہنمائی کرے، اور انہیں منزل مقصود تک لے کر چلے۔ اس کی شخصیت میں بہت ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں جن میں دو کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں سورۂ بقرہ میں کچھ اس انداز سے کیا ہے:

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ

اور اُس (قائد) کو علم وجسم میں زیادتی عطا فرمائی ہے۔(البقرۃ:247)۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اگر کسی شخصیت کا بطورِ قائد چناؤ کیا جائے تو یہ دیکھا جائے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا کون ہے، پھر ان علم والے لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر اور شجاع کون ہے؟ کیونکہ اس آیت کا تقاضہ یہی ہے کہ قائد بنانے سے پہلے، کسی کی بیعت کرنے سے پہلے، اس کے پیچھے چلنے سے پہلے یہ تو دیکھ لیا جائے کہ کیا یہ شخصیت از رُوئے قرآن مجید قائد بننے کے لائق بھی ہے یا نہیں؟

اسی طرح جسمانی طاقت کے معنی قوتِ دل بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک تو یہ جسم ہی کا حصہ ہے اور دوسرے یہ کہ بعض اوقات کمزور اور بددل بڑے جثّے والے لوگ دل ہار جاتے ہیں اور قوی دل والے لوگ ان پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح قوتِ ضبط، قوتِ فیصلہ، قوتِ ارادہ، قوتِ دماغ، ثابت قدمی، پھرتی، صحیح نشانہ بازی، تلوار بازی، رعب و دبدبہ، ظالم و جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت وغیرہ بھی جسمانی قوت و طاقت ہی میں شمار کی جاسکتی ہیں جو کہ ایک ''قائد'' کے اندر لازماً ہونی چاہئیں اور یہ ایسی صفات ہیں کہ ان پر الگ الگ کتاب بھی ترتیب دی جاسکتی ہے لیکن اختصار کی خاطر سب کو جمع کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح تدبر، غور وفکر، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت، حکمت و دانائی اور سیاست وغیرہ بھی قائد کی شخصیت کو نمایاں کرتی ہیں کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

یعنی ''وہ اللہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا گیا وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا اور نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں''۔ (بقرہ:269)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت و فتح پر یقین کامل اور غیر متزلزل ایمان بھی اسی طاقت کا خاصہ ہیں۔ اور دراصل یہی چیزیں قوموں کے کسی بھی معرکے اور پنجہ آزمائی میں فتح و شکست میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔

طاقت کے بعد جو سب سے بڑی خوبی ہونی چاہیئے وہ اخلاص ہے۔ اخلاص، اللہ کے ساتھ اور اللہ کے بندوں کے ساتھ۔ اخلاص ہے تو باقی عمل قابل قبول ہیں۔ اخلاص کی مثال روح کی سی ہے کہ روح ہے تو بدن ''زندگی'' کا حسین نمونہ ہے۔ کلمہء طیبہ کی بنیاد اخلاص پر موقوف ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْن میں اخلاص کا پیغام اور اقرار ہے۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِص، زندگی گزارنے کے طریقے اور راستے یعنی ''دین'' میں اخلاص ہے۔ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُ اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْن اور ربِّ کائنات کا حکم بھی ''اخلاص'' ہے۔ مختصر یہ کہ اخلاص ہوگا تو منزل کی جانب بڑھنے کا عمل قابل قبول ہے ورنہ نہیں۔

قائد کی دو انتہائی اعلیٰ ترین خوبیاں

قائد میں مزید دو خوبیاں ہوتی ہیں جو اُس کی شخصیت کو درجہء کمال تک پہنچاتی ہیں ان میں سے ایک تو یہ کہ تمام لوگ اپنے قائد سے خوف کھاتے ہوں۔ اور دوسری یہ کہ سب لوگ اس سے محبت بھی رکھتے ہوں۔

1۔ تمام لوگ اپنے قائد سے خوف کھاتے ہوں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ قائد خوفناک قسم کی بلا ہو یا اُس کا چہرہ خوفناک ہو تا کہ لوگ اُس سے خوف کھائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی قسم کی کوتاہی، لاپرواہی اور بری بات پر ہر شخص کو اپنے قائد کا خوف ہو کہ وہ کسی بھی صورت معاف نہیں کرے گا۔ اور یہ چیز صرف اسی صورت ممکن ہوسکتی ہے کہ قائد بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود کے اندر رہ کر عمل کرنے والا ہو اور لوگوں سے بھی عمل کروانے والا ہو۔ جب کبھی کسی کا کوئی بھی عمل اللہ کی حدود سے تجاوز کرے اور شریعت نے اُس حد پر سزا مقرر کر

رکھی ہو تو پھر اس سزا پر بھی پورا پورا عمل کروائے اور اس سزا میں کسی بھی قسم کی لچک یا ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کرے۔ اور حدود نافذ کرنے میں کبھی کسی کی سفارش، رشوت، دھونس یا دھمکی حتی کہ پوری دنیا کی طاقت کے سامنے بھی سرنگوں نہ ہو اور کوئی بھی ''سمجھوتہ'' کئے بغیر اس حد کو نافذ کردے تو پھر ''قائد'' کی شخصیت سے تمام لوگ خوف کھائیں گے اور کسی کو بھی دم مارنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے قریش خاندان کی عورت فاطمہ پر چوری کا الزام ثابت ہونے پر اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا تو اُسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش پر اُن کو ڈانٹ دیا اور پوری اُمت کو درسِ عبرت دیا کہ تم سے پہلی قومیں اسی لیے برباد ہوگئیں کہ اُن کا بڑا اگر کوئی گناہ کرتا تو اُس کو چھوڑ دیتے اور اگر کمزور شخص گناہ کرتا تو اُس پر حد جاری کردیتے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے کسی کو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

اسی طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے جب مسلمانوں کا ''قائد'' سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ ان میں اور تو کچھ بھی نہیں صرف ''سخت مزاج'' ہیں۔ گویا وہ عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے خوف کھاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے شہروں کے درمیان سفر کرنے والی ایک عورت اپنے پورے زیورات کے ساتھ کئی ہفتوں تک اکیلی سفر کرتی لیکن اُسے کسی چوری اور ڈاکہ زنی کا ڈر یا خوف نہیں ہوتا تھا۔

چنانچہ اسی بات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرۃ:179)

اور تمہارے لیے قصاص (یعنی حدود کے نفاذ) میں ہی زندگی (کا راز پوشیدہ) ہے اے عقلمندو۔ تاکہ تم (ناکامی و نامرادی اور معاشرتی بگاڑ سے) بچ جاؤ۔

2۔ تمام لوگ اپنے قائد سے محبت کرتے ہوں۔

قائد کی دوسری انتہائی اعلیٰ ترین خوبی یہ ہے کہ لوگ اس سے محبت بھی کرتے ہوں۔ اپنے قائد کی بات کو خوش دلی سے ماننا اور عمل کرنا، قائد کی ہر ادا کو سمجھنا، اس سے بحث و تکرار کئے بغیر اس کے قول و فعل کو اختیار کرنا، اختلاف رائے رکھنے کے باوجود قائد کی بات کو ہی ترجیح دینا اور اپنی ذات پر قائد کو

مقدم جاننا۔ کیونکہ جب تک محبت کا یہ معیار قائم نہیں ہوگا اُس وقت تک کوئی بھی کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ قائد کے ایک ایک اشارے پر جان نچھاور کرنے سے ہی اندرونی اور بیرونی سازشوں، بغاوتوں اور یلغاروں کو کامیابی سے ختم کیا جا سکتا ہے اور حملہ آوروں کو واقعی دانداں شکن جواب دیا جا سکتا ہے۔

لیکن

اگر قائد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کے خلاف کسی بات کا حکم کرے تو اُس سے انکار کرنا اور اس بات پر عمل نہ کرنا بھی فرضِ عین ہے۔ مثلاً امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور اس پر ایک شخص کو حاکم (امیر) بنایا۔ اُس نے آگ جلائی اور لوگوں سے کہا کہ اس میں داخل ہو جاؤ۔ بعض لوگوں نے چاہا کہ اس میں داخل ہو جائیں اور بعض نے کہا کہ ہم آگ سے بھاگ کر تو مسلمان ہوئے (اور جہنم سے ڈر کر کفر چھوڑا تو اب پھر آگ ہی میں گھسیں تو یہ ہم سے نہ ہوگا)۔ پھر اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے ان لوگوں سے جنہوں نے داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا یہ فرمایا کہ اگر تم داخل ہو جاتے تو قیامت تک ہمیشہ اسی میں رہتے (کیونکہ یہ خودکشی ہے جو شریعت میں حرام ہے) اور جو لوگ داخل ہونے پر راضی نہ ہوئے، ان کی تعریف کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں ہے بلکہ اطاعت اسی میں ہے جو جائز بات ہے۔

اسی طرح صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے بہتر حاکم وہ ہیں جن کو تم چاہتے ہو اور وہ تمہیں چاہتے ہیں اور وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم اُن کے لیے دعا کرتے ہو۔ اور تمہارے بُرے حاکم وہ ہیں جن کے تم دشمن ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں، تم اُن پر لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔

قائد کی وہ خوبیاں جن کی وجہ سے عوام اس سے محبت کریں

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کونسے عوامل ہیں کہ لوگ اپنے قائد سے محبت کریں؟ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ "قائد" اپنے لوگوں کے مال و دولت پر "نگاہ" نہ رکھے بلکہ اپنی ملکیت میں آنے والا

تمام مال و دولت اور دیگر اشیاء، مثلاً خمس اور مالِ غنیمت وغیرہ کا حصہ، اور اپنی جیب سے بھی لوگوں کی تألیف قلب کے لیے خرچ کر دے تو لوگ اپنے قائد سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ قائد اپنے لوگوں پر ''ٹیکس'' نہ لگائے، مالی بوجھ نہ ڈالے۔ مثلاً امیر المؤمنین ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم اور بنوامیہ کا شہزادہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، یہ سب مسلمانوں کے قائد بنے تو اپنی ساری دولت بیت المال میں جمع کروادی اور بیت المال سے صرف اتنا وظیفہ لیتے کہ گھر میں صرف ضرورت کے مطابق روٹی بنتی اور ایک ایک جوڑا بناتے، جمعہ کے روز اُسی جوڑے کو دھو کر دوبارہ پہنتے حتی کہ پھٹ جاتا۔ اس سے زیادہ کبھی بھی نہیں لیا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ لیجئے کہ خمس کی رقم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی تھی، یعنی مالِ غنیمت میں اگر ایک لاکھ اشرفیاں آتیں تو ان میں سے بیس ہزار اشرفیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہوتیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کوئی اشرفی شام تک اپنے پاس نہ چھوڑی بلکہ سب کی سب عوام الناس میں بانٹ دیں۔ یہی وجہ تھی کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان سے زیادہ عزیز جانتے تھے۔

کسی بھی طرح لوگوں کے گھروں، دوکانوں وغیرہ میں جاسوسی نہ کروائے، اُن کی جان کو اپنی جان کی طرح عزیز رکھے، کسی کو اپنے سے حقیر نہ جانے، کالے کو گورے پر ترجیح نہ دے، معاملات میں اپنی برادری کو آگے نہ رکھے، ہمیشہ لوگوں میں سے جو سب سے زیادہ کسی بات کا اہل ہو اُسے آگے لائے، سب لوگوں کو ایک ہی تعلیم دے پھر جو کوئی سب سے بہتر ہو اُسے کسی منصب پر فائز کرے، بھلے وہ کسی مزدور کا بیٹا ہو۔ کیونکہ عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ حکمران اپنے ''بیٹوں، بیٹیوں'' اور دیگر رشتہ داروں کو ہی ''اچھی تعلیم'' دلاتے ہیں اور غریب لوگوں کے لیے ''تعلیم'' حاصل کرنے کے تمام راستے بند کر دیتے ہیں تاکہ نہ تو عوام میں سے کوئی تعلیم حاصل کرے اور نہ ہی کبھی کوئی اُن کے سامنے بولنے کی جرأت کر سکے نتیجتاً اُن کی ''حکومت و دولت'' ہمیشہ قائم رہے۔

قائد کو اللہ کے علاوہ کسی کا خوف یا ڈر نہ ہو

ہر نماز میں جب قائد ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ'' کہتا ہو، اپنا رب صرف اللہ ہی کو جانتا ہو،

آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے بھیک نہ مانگتا ہو، اللہ تعالیٰ کے فرامین کے مقابلہ میں کسی کی ڈکٹیشن قبول نہ کرتا ہو، جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کے دین کو دنیا میں نافذ کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے شہادت کی موت کا متمنی ہو، حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرتا ہو، اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کی مکمل پیروی کرتا ہو، نماز اور صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت و استعانت طلب کرتا ہو، جنت کا حصول اور جہنم کی آگ سے بچاؤ کا تصور ہر وقت اس کے سامنے ہو، اپنی منزل ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ سلامتی اور رضا والی ملاقات'' کے لیے بیتاب ہو تو پھر اُسے صرف اللہ ہی کا ڈر ہوتا ہے اور باقی تمام جن و انس کا ڈر خوف اُس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي (تم دنیا والوں میں سے کسی سے بھی مت ڈرو اور صرف اللہ ہی سے ڈرو)۔

قائد کا ''مشن''

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں مسلم ''قائد'' کا ایک ہی مشن رکھا ہے اور وہ زمین پر ''توحید'' کا قیام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے توحید کی بات لوگوں تک پہنچائی، جتنے لوگوں نے مانی انہی کو لے کر شرک والی برائی کو دنیا سے بزورِ شمشیر مٹایا، اور ہر مسلمان کی ڈیوٹی لگائی کہ توحید کی یہ بات دوسرے (غیر مسلم) لوگوں تک پہنچائے۔ جب پوری مسلم قوم نے دوسروں تک یہ بات پہنچائی، اپنے خون سے اس دعوت کی آبیاری کی اور اپنی تلوار سے اس دعوت کی حفاظت کی تو پھر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے جانشینوں کے ہاتھوں پوری دنیا میں توحید کا نظام نافذ ہو گیا۔ تمام دنیا کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی، پوری دنیا کی دولت ان کے قدموں میں سمٹ آئی۔

آج بھی جو قائد اس دنیا میں فتح و کامرانی چاہتا ہے اُسے یہی مشن اختیار کرنا پڑے گا کیونکہ صرف اسی ایک ''مشن'' پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی، مسلمانوں کے قائد اور مسلمانوں کی مدد کا یقین دلایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ (التوبہ:14)

کافروں سے (خوب) لڑو، اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا، انہیں رسوا کرے

گا اور تمہیں ان پر غلبہ دے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشے گا۔

اسی طرح فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (سورۂ محمد:7)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

قائد! اپنی پوری قوت سے برائی کو ختم کرے

قائد کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ غیر مسلم برائی کو مسلمان معاشرے میں پھیلاتے جارہے ہیں، ایک نارمل مسلمان جب اس برائی کو دیکھتا ہے تو اُس کے خلاف کھڑا ہو جاتا ہے لیکن حکمران اور اُس کی انتظامیہ کے لوگ، عام مسلمان کو برائی کے خلاف بات کرنے اور برائی کو ہاتھ سے روکنے سے منع کرتے ہیں، مولوی حضرات اس برائی کے خلاف فتویٰ نہیں دیتے بلکہ ''حکمت'' سے کام لینے کی تلقین فرماتے ہیں۔ چنانچہ حکمران اور علماء عام مسلمان کو ''عقل سے سوچنے'' کی دعوت دیتے ہیں کہ کیوں اپنی جان کے دشمن بنتے ہو، پولیس ہے، فوج ہے، حکومت ہے وہ یہ کام خود کر لیں گی، تمہارے اوپر فرض نہیں۔ جب تک وہ مسلمان کچھ سوچتا ہے، اُس وقت تک وہ برائی پورے معاشرے کی گھٹی میں پڑ چکی ہوتی ہے، جس کا تدارک ناممکن ہو جاتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: من رأیٰ منکم منکراً ...... کہ جو کوئی تم میں سے برائی کو دیکھے تو اُسے اپنے ہاتھ سے روکے...... لہٰذا قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ فوری طور پر پوری طاقت سے اس ''برائی کے اسباب'' کا سدِّ باب عوام الناس کے ہاتھوں سے کروا دے۔ اس سے پہلے کہ غیر مسلم، ان کے کارندے، ''جدید مسلم'' حکومتیں اور ''جدید علماء'' عام مسلمان کو عقل سے سوچنے کی دعوت دیں اور اس کے دینی جذبات کو ٹھنڈا کر دیں۔ جب عام مسلمان عقل سے سوچتا ہے تو اُس کی دینی غیرت میں کمی واقع ہوتی ہے، توکل علی اللہ والی خوبی ماند پڑ جاتی ہے، وہ تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنے والی اطاعت ختم ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ اسلام کے لیے جامِ شہادت نوش کرنے کی تمنا بھی دم توڑ جاتی ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں بھی مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے کہ جب انہوں نے قوم کے ساتھ میلے میں شرکت نہ کی۔ قوم کو کھیل کود اور تماش بینی میں مشغول دیکھ کر اُن کے عقائد پر ضربِ کاری لگائی اور سوائے ایک کے باقی تمام بتوں کو توڑ دیا جنہیں وہ اللہ کے ہاں اپنا "سفارشی" سمجھا کرتے تھے۔

ان چار لائنوں سے کئی سبق ملتے ہیں مثلاً:

1۔ کھیل تماشے کی بجائے اللہ کے دین کو نافذ کرنے کے لیے قدم اٹھانا۔

2۔ لوگوں کی سیاہ کاریوں میں ملوث ہونے سے اپنے آپ کو بچانا۔

3۔ اکیلے آدمی کا لوگوں کے عقائد پر ضربِ کاری لگانا۔ اور انہیں تہس نہس کر دینا۔

4۔ برائی کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے "بڑی جماعت" کی ضرورت نہیں بلکہ ایک آدمی جو کچھ بھی کر سکے اُسے کرنا چاہیئے۔

5۔ One man action یعنی ایک ہی آدمی کی کاروائی کا فائدہ۔

6۔ آدمی کے ذہن میں جو پلان ہے وہ اس پر عمل کرنے سے پہلے کسی کو اسکی بھنک بھی نہ آنے دے۔

7۔ اکیلے آدمی (خواہ وہ قائد ہو یا رعایا میں سے عام انسان) کا پلان بنانا اور اکیلے ہی اس پر عمل کرنے سے سیکورٹی کی انتہائی اعلیٰ اقدار حاصل کی جاسکتی ہیں۔

دلچسپ بات

ہم دیکھتے ہیں کہ "مسلمان" اپنے "داڑھی" رکھے ہوئے ہر شخص کو (بھلے وہ عالم ہو یا جاہل) ہر لحاظ سے (گناہوں سے بالکل پاک صاف) "فرشتہ" دیکھنا چاہتے ہیں، ان میں کسی قسم کی میل کچیل، گناہ یا کسی قسم کی کوئی لغزش دیکھنا پسند ہی نہیں کرتے جبکہ عیسائی لوگ اپنے "قائد" کو ہر لحاظ سے (گناہوں سے بالکل پاک صاف) "فرشتہ" دیکھنا چاہتے ہیں، اس میں کسی قسم کی میل کچیل، گناہ یا کسی قسم کی کوئی لغزش دیکھنا پسند ہی نہیں کرتے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں میں "قائد" زندہ ہیں جبکہ مسلمانوں میں

ان کا ''دین'' زندہ اور باقی ہے۔ مثال کے طور پر سابقہ امریکی صدر کلنٹن اپنے جنسی اسکینڈل پر پوری قوم سے معافی مانگتا ہے حالانکہ اُس کی پوری قوم ''مادر پدر ننگی تہذیب'' کی ''مشترکہ ماں باپ'' کی پیداوار ہے۔ نہ کسی کو اپنے باپ کا علم ہے اور نہ کسی کو اپنی ماں کا۔ نہ شوہر اپنی بیوی کو اس کے ''بوائے فرینڈ'' کے ساتھ راتیں گزارنے سے روک سکتا ہے اور نہ ہی باپ اپنی بیٹی کو۔ تو پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ فلاں فلاں کی بیٹی یا بیٹا ہے۔

یہ اعزاز صرف اور صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس میں نہ صرف خاندان کی روایات زندہ و پائندہ ہیں بلکہ عورتوں کو پردے میں بٹھا کر، غیر محرم مرد وزن کے اختلاط کو روک کر، شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مرد وزن کو ''زنا'' سے روک کر، بالغ ہوتے ہی ان کی شادیاں کروا کر، اور زنا ہونے کی صورت میں پتھر مار مار کر ختم کرنے اور غیر شادی شدہ کو 100 کوڑے اور ایک ایک سال کی جلاوطنی دے کر، انہیں دنیا میں سب سے بڑے فتنے (مردوں اور عورتوں کی آوارگی) سے مردوں کو بچا کر اسلامی غیرت وحمیت کا کامیابی سے دفاع کیا گیا ہے۔

سادگی وغربت والی زندگی اختیار کرنا

آجکل کے نام نہاد ''قائدین'' اور حکمرانوں سمیت کوئی بھی اس بات کا جواب نہیں دے سکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے جانشینوں نے اپنا تمام مال و دولت اللہ کی راہ میں لوگوں میں تقسیم کر کے ''غربت زدہ'' زندگی گزارنے کو کیوں ترجیح دی۔ ہماری نظر میں تو ایک ہی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث کے مطابق جب انسان کا پیٹ بھوک سے بیتاب ہو تو انسان اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا بلکہ تعلق باللہ مضبوط رہتا ہے اور دوسرا یہ کہ انسان کو تقویٰ بھی حاصل ہوتا ہے۔ وہ رات کو اٹھ کر اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجات اور اپنی رعایا کی بہتری کے لیے دعا گو رہتا ہے۔ اور قیامت کے دن چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور امیروں کی طرح جنت واجب ہونے کے باوجود مال و دولت کا حساب دیتے رہنے سے بھی بچ جاتا ہے۔ نہ کہ آجکل کے امراء کی طرح کہ راتیں شراب و شباب اور رقص و سرود کی محفلوں میں گزاریں اور صبح کو بھی اللہ کی یاد سے غافل ہو کر عوام پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑیں۔

چنانچہ جب ''قائد'' اپنی دولت عوام الناس میں تقسیم کر دیتا ہے تو عوام الناس اس سے محبت کرتے ہیں، اس پر جان نچھاور کرتے ہیں، اس کی من وعن اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں۔ اور جب اس دولت کے بل بوتے پر ''قائد'' اپنی ''اولاد'' کو غیر مسلموں کے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے کے لیے نہیں بھیجتا تو پھر وہ انہی غیر مسلموں کے ہاتھوں ''بلیک میل' ہونے سے بچ جاتا ہے اور اپنی پوری قوم کی خیر خواہی کرتا ہے بصورتِ دیگر............ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔

قائد کو سیدھا رکھنا

اس سے بڑھ کر یہ کہ قائد کو سیدھا رکھنا بھی عوام ہی کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم کی ایک حدیث کے مطابق عیسائی لوگوں میں چار انتہائی اعلیٰ خوبیاں ہیں جن میں سے چوتھی، جو سب سے بڑی خوبی کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ عیسائی لوگ اپنے ''قائدین'' کو سب سے زیادہ سیدھا رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ کام صرف اور صرف مسلمانوں کا ہی تھا۔ مثلاً امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کسی مجلس میں حاضرین سے پوچھنے پر ایک بوڑھے نے ننگی تلوار لہرا کر کہا کہ اگر تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے علاوہ اپنی خواہش کے مطابق حکم دے گا تو میری یہ تلوار تمہاری گردن تن سے جدا کر دے گی۔ اس پر امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ ابھی عمر کو سیدھا کرنے والے لوگ موجود ہیں۔

اس عہد زریں کے بعد بڑے بڑے ائمہ کرام اور صالحین لوگوں نے اپنے اپنے دور کے ''قائدین'' کو سیدھا رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی، خواہ اس مشکل ترین راہ میں اُنہوں نے جان سے ہاتھ دھو لیے یا جوانی اور بڑھاپا جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارا۔ خواہ کوڑے مارنے سے اُن کی پیٹھ ٹیڑھی ہو گئی یا ہاتھ ہمیشہ لٹکے ہی رہے، خواہ اُن کی نعشیں جیل سے برآمد ہوئیں یا بھری محفلوں میں انہیں تہِ تیغ کر دیا گیا، اُنہوں نے اپنے ''قائدین'' کو بہر حال سیدھا رکھا۔ بھلے اپنے ''قائد'' کی صرف ایک ہی غلط بات پر اُسے باز رکھنے کی کوشش کی۔ مثلاً زبردستی طلاق واقع ہونے کی ضد کو امام مالک رحمہ اللہ نے حدیث کی رو سے غلط کہا اور ڈٹ گئے۔ وہ خود تو دنیا کے لیے عبرت کا نشان بن گئے لیکن قائد کی غلط بات کو تسلیم نہ کر کے دین کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر گئے۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بادشاہ وقت کی سوچ ''قرآن مخلوق ہے'' کی مخالفت کی اور قرآن و حدیث سے ایسے دلائل پیش کیے کہ ''قائد'' کی تمام دلیلیں ختم ہوگئیں، چنانچہ اسی سچ کی پاداش میں امام صاحب کو کوڑے لگائے جاتے رہے، پوری جوانی اور بڑھاپا جیل کی سلاخوں کی نذر کر دیا گیا لیکن اپنے چار قائدین کی ایک ہی غلط بات کو کبھی مصلحت کے تحت بھی ''ٹھیک'' نہ کہا جس کا نتیجہ پوری اُمت پر احسان کی صورت میں نکلا کہ قرآن کو مخلوق کہہ کر ختم کرنے کی سازش بھی ختم ہوگئی۔

علیٰ ھذا القیاس جب تک مسلمانوں نے اپنے قائد کو سیدھا رکھا، ان کا دین بھی زندہ رہا اور ان کی حکومت و سیادت بھی۔ ان کی سیاست بھی چلتی رہی اور دنیا پر حکمرانی بھی۔ ان کی تہذیب و تمدن بھی زندہ رہا اور معاشرتی اقدار بھی۔ لیکن جب کبھی بھی یہ چیز ختم ہوئی اور ''یس سر'' (Yes Sir) کہنے والے لوگ قائدین کے گرد رہے، مسلمانوں کو ہمیشہ شکست و ریخت کا ہی سامنا رہا۔ جیسا کہ آجکل ہے۔ یہ سب یہودیوں کی ریشہ دوانیاں ہیں کہ ''بیچارہ مسلمان'' ان کے چنگل میں پھنس کر ہمیشہ Yes Sir ہی کہتا ہے۔ ایک فون کی گھنٹی پر ہی سجدہ میں گر جاتا ہے۔

موازنہ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں میں سے چند ایک آدمیوں نے اپنے ''قائدین'' کو سیدھا رکھنے کے لیے اپنی جانی و مالی قربانیاں پیش کیں لیکن اس وقت بھی بہت سے لوگ اپنے انہیں ''قائدین'' کے گن گاتے، کوئی خوشی سے اور کوئی ناخوشی سے۔ کوئی جبر و ستم سہنے کے بعد اور کوئی مالی فوائد حاصل کرنے کے بعد۔ علیٰ ھذا القیاس ہم اس کی وجہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ سطحی نظر سے دیکھنے والوں نے قرآن مجید کی آیت: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولو الامر منکم کے تحت اپنے قائدین کے سیاہ و سفید کو ''حق'' جانا اور بخوشی قبول کیا لیکن دقیق نظر اہل علم نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق قائد ایسے منصب کے دفاع کے لیے انتھک کوششیں کیں جن میں کہا گیا ہے کہ ''جب تک حکام دین کو قائم رکھیں ان (حکام) سے عداوت مت رکھو''۔ اسی طرح فرمایا: پسندیدہ اور ناپسند تمام اُمور میں مسلمان امیر کی بات سننا اور اطاعت کرنا ضروری ہے جب تک وہ گناہ کا حکم نہ

کریں اور جب وہ معصیت کا حکم کرے تو نہ اُس کی بات سنی جائے اور نہ اطاعت کی جائے"۔

(مختصر صحیح بخاری کتاب الاحکام:2015)

لہٰذا جن دقیق اہل نظر نے اس حدیث پر عمل کیا اور ان کی بات کو سنا، مانا اور سراہا گیا تو اس وقت تک حاکم/قائد بھی سیدھے رہے اور ان کی حکومت اور رعایا اور دنیا سیدھی رہی مثلاً سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ لیکن جب ان اہل نظر کی بات کو "نہ تو سنا ہی گیا اور نہ ہی مانا" گیا بلکہ ان پر ظلم وستم روا رکھے جانے شروع ہوئے تو حکمرانوں کی حکومتیں کمزور ہو گئیں۔ دنیا برباد ہوئی اور آخرت میں اللہ ہی اُن کے انجامِ کار سے واقف ہے۔ مثلاً بنو امیہ اور بنو عباس کی حکومتیں۔ پھر جب یہ دور بھی ختم ہوا اور طوائف الملو کی آئی اور دقیق نظر اہل علم کی جگہ مداحوں/طبلہ نوازوں/شاعروں اور ناچ گانے والوں نے لے لی اور اہل علم کی آواز اگر کہیں اٹھی بھی تو کبھی "قائدین" کے کانوں تک نہ پہنچی اور کبھی پہنچنے نہ دی گئی اور اگر کبھی بادلِ نخواستہ قائدین نے وہ بات سنی تو اس کا الٹ ہی مطلب سمجھا اور جن لوگوں نے درمیانی واسطہ بن کر بات سنائی انہوں نے اور بھی مرچ مصالحہ لگا کر بتائی۔ نتیجتاً قائدین نے اپنے ہاتھوں سے اپنی فوجوں اور سپاہیوں سے اپنے ہی عوام کو جو کہ اسلام نافذ کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے، گولیوں کی بارش سے بھون ڈالا اور یہ "آوازیں" ہمیشہ کے لیے بند کر دی گئیں۔

نفاذِ اسلام کی ترتیب باندازِ محمد رسول اللہ ﷺ

ہادیٔ اعظم، رہبر کامل، فخر انسانیت، سید اولادِ آدم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام کے نفاذ کے لئے سات چیزوں کی ضرورت ہے۔ ① تعلیم وتربیت ② میڈیا ③ ہجرت ④ قانون۔ ⑤ سیکورٹی اور انٹیلی جنس ⑥ قوت و جہاد فی سبیل اللہ ⑦ دولت کی تقسیم۔ آج اُن لوگوں کی کمی نہیں جو اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں لیکن اس ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ مثلاً کوئی جہاد و قتال تو کرتا ہے لیکن اس سے پہلے ترتیب نفاذِ شریعت اسلامیہ کی پانچ چیزوں کو پس پشت ڈال کر کر رہا نتیجہ یہ کہ اُس کی تعلیم ایک "ہاتھ" میں ہے تو میڈیا کسی "دوسرے ہاتھ" میں۔ قانون "کسی اور" کا مانتا ہے جبکہ سیکورٹی اور انٹیلی جنس کی "ذمہ داری" کسی دوسرے فریق کے ذمے ہے۔ چنانچہ جب "چوں چوں کا یہ مربہ" ہضم کرنے کے بعد جہاد وقتال ہوگا تو "شریعت اسلامیہ" کیسے نافذ ہوگی؟ یعنی پانچ

چیزوں کو چھوڑ کر ''ڈائریکٹ'' چھٹی چیز کو ہاتھ میں لینا اور اسی پر اکتفا کر لینے سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں وہ سب کہنے کی بات نہیں بلکہ سب کو ''نظر'' آرہے ہیں۔ چنانچہ ہم باری باری ان سات چیزوں کو اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

تعلیم و تربیت

اسلام میں تعلیم کی بنیاد کلمہء توحید پر ہے۔ اور دراصل توحید ہی وہ تعلیم ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے، اللہ کا خوف دِل میں بٹھا کر حقوق العباد کو پورا کرنے کی رغبت دلاتی ہے اور معاشرتی ناہمواریاں دُور کرتے ہوئے امن و آتشی کو فروغ دیتی ہے۔ کمزور طبقات کا حق انہیں دِلاتی ہے۔ اور دُنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کی ضمانت مہیہ کرتی ہے۔ اسی تعلیم کو رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں روشناس کروایا اور اسی کے بل بوتے پر دنیا میں اسلام نافذ ہوا۔ توحید ہی کی وجہ سے نظام کائنات مسلسل چل رہا ہے۔ اور جب تک توحید کو ماننے والا ایک بھی شخص زمین کی پشت پر موجود ہے قیامت نہیں آئے گی۔ اور جب وہ شخص بھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا تو پھر وہ سب سے بڑا زلزلہ آئے گا جو سب کچھ زیروزبر کر کے رکھ دے گا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے پہلے پہل اس تعلیم کو خفیہ انداز سے پھیلایا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو پیارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ نے پورے معاشرے کے سامنے توحید کی تعلیم پیش کی۔ لوگوں کی تربیت اسی تعلیم پر کی اور اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس پر خود بھی عمل کیا۔ کیونکہ صرف بتا دینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اُس بات کا عملی ثبوت پیش کرنا اور جو شخص اپنی خوشی سے اس راستے پر چلنا چاہے اُس کے لئے تربیت مہیا کرنا، اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق اس سے عمل کروانا، عمل کرنے کے دوران اس کی معاونت کرنا ہی دراصل تربیت ہے۔ اسی تربیت کی بدولت آسمانِ دنیا نے ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کا نظارہ کیا۔ بقول شاعر۔ ع۔ وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے تو اک ٹوٹا ہوا تارہ۔

میڈیا

وہ طریقہء کار یا کوئی بھی کوشش یا منظّم تحریک جسے خاص مقصد کے لئے، خاص قسم کی معلومات پھیلانے کی خاطر حرکت میں لایا جائے یا حتی الامکان زیادہ سے زیادہ لوگوں تک خاص قسم کا نظریہ یا فکر پہنچانے

کے لئے حرکت میں لایا جائے تا کہ ان کے افکار، ان کے جذبات پر اثر انداز ہوا جا سکے اور اس طرح سے اپنا مطلوبہ مقصد اور ہدف حاصل کیا جا سکے۔

یہ فنون راہنمائی میں سے ایک فن ہے جسے انبیاء و رُسل نے دعوتِ دین کے لئے استعمال کیا۔ اور اس طرح استعمال کیا کہ کسی بھی وقت، اور کسی بھی حالت میں اسے اپنے سے علیحدہ نہیں کیا بلکہ مسلسل اس کا استعمال کیا اور جو چیزیں رب العالمین نے ان کے ذمہ لگائیں تھیں اُنہیں ہر پلیٹ فارم پر اور ہر شخص تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ وہ تمام احکامات نرم ہوں یا سخت، خوشخبریاں ہوں یا عذاب کی دھمکیاں، کسی خاص مسئلہ سے متعلق احکامات ہوں یا عمومی مسائل، انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی، غرض ہر طرح سے ہر حالت میں پہنچانا فرض قرار دیا۔ یہ انتہائی سخت ڈیوٹی خود اللہ رب العالمین نے اپنے پیغمبر ﷺ کی لگائی تھی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (المائدۃ:67)

اے پیغمبر (ﷺ)! جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ (ﷺ) پر نازل ہوئے ہیں وہ سب کے سب لوگوں تک پہنچا دو اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اللہ کا (کوئی ایک بھی) پیغام (لوگوں تک) نہیں پہنچایا (یعنی پیغمبری کا حق ہی ادا نہ کیا) اور اللہ آپ (ﷺ) کو لوگوں سے بچائے رکھے گا بیشک اللہ منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اسی طرح مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (الاحزاب:39)

اور جو لوگ اللہ کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے اور اسی (اللہ) سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ ہی حساب کرنے کو کافی ہے۔

ذرا غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ شہر مکہ جس کا میڈیا اور میڈیا کی سب کی سب طاقت کافروں کے کنٹرول میں تھی انہیں کے درمیان میں رہتے ہوئے محمد رسول اللہ ﷺ نے ''میڈیا'' کو اس طرح استعمال کیا کہ

مکی زندگی میں ہی تمام عرب تک بلکہ عرب سے باہر بھی توحید کی دعوت پھیلا دی۔ آج بھی ضرورت ہے کہ وہی اسلوب اختیار کیا جائے جسے رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے سے الگ نہیں کیا اور اس کی بدولت دنیا میں شمع توحید کی تمام کرنیں منور کردیں۔ یہ ایک مستقل باب ہے جسے اسوۂ حسنہ سے کھنگالنے کے لیے تحقیق کرنی چاہیے اور اس پر عمل بھی کرنا چاہیے تاکہ اس دنیا میں توحید کو دوبارہ سے نافذ کیا جا سکے۔

آج کے دور میں دنیا کے پاس ایک ایسی قوت ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں خیالات پیدا کرتی ہے اور انہیں آگے بڑھاتی ہے، یہ ''میڈیا'' کی قوت ہے۔ میڈیا کا اصل کردار یہ ہے کہ ناگزیر ضروریات کی نشاندہی کرے اور عوام کی شکایات اور تکالیف کو سامنے لائے۔ جبکہ موجودہ میڈیا بے اطمینانی اور بے چینی کی فضاء پیدا کر رہا ہے اور ہر ایک برائی کی تشہیر بھی کیے جا رہا ہے۔

یہ میڈیا ہی تو ہے جس کے ذریعہ آزادئ تقریر کا عملی اظہار ہوتا ہے۔ ''مسلمان'' چونکہ اس طاقتور ترین حربے کے استعمال سے ناآشنا اور بے بہرہ ہیں لہٰذا یہ طاقت کلی طور پر یہودیوں کے ہاتھ میں آ چکی ہے۔ میڈیا ہی کی وجہ سے یہود و نصاریٰ، ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں نے خود کو پس پردہ رکھتے ہوئے ''مسلمانوں'' پر اثر انداز ہوئے ہیں، اسی کے ذریعے انہوں نے سونے جیسی قیمتی دھات اپنے قبضے میں لے لی ہے اور اب ''تیل'' کی طاقت کو ہتھیانے کے چکروں میں ہیں۔

چنانچہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا بہت اچھے ہیں اگر ان کے اثرات معاشرے پر اس انداز میں پڑیں کہ یہ میڈیا لوگوں کو دینی اُمور کی ادائیگی اور اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہ کر دے، ان کے جذبات کو شیطانی راہوں پر نہ چلا دے، ان کی نسل کشی نہ کر دے، ان کے ذہنوں سے اسلامی تشخص کو محو نہ کر دے، لغویات اور فضولیات کے پردے میں اسلامی تعلیمات کو بھلا نہ دے، عریانی و فحاشی کو فروغ نہ دے، لوگوں کی عزت و آبرو کو دنیا میں نہ اچھالے، لوگوں کو بلیک میل نہ کرے۔ اور لوگوں کو ان کے دین سے بیگانہ نہ کرے۔ میڈیا پردے یا کھلے الفاظ و اشارات یا وعظ و لیکچرز کے ذریعے اسلام کے خلاف شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمانوں کے ذہنوں کو پراگندہ نہ کرے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا بااختیار حاکم، افسر، سماجی کارکن، این جی او کا سربراہ یا

امداد تقسیم کرنے والے لوگ بھی ''میڈیا'' والوں کا انتظار کرتے ہیں کہ وہ آئیں تو ہم غریب، مسکین، آفت زدہ لوگوں کی ''مدد'' کے لئے ان میں رقوم کے ''چیک'' تقسیم کریں، یا سلائی مشینیں، سائیکل، کمبل، کھانے پینے کی اشیاء، ادویات، وغیرہ تقسیم کریں۔

جب یہ حالت ہو تو للّٰھیت ختم ہو جاتی ہے۔ اور غریب، فاقہ کش اور بیماریوں کے مارے ہوئے لوگ صبح سے شام تک بیٹھے رہتے ہیں اور ''حکام'' کے لئے ''میڈیا ٹیم'' کا انتظار کرتے ہیں کہ کب وہ نازل ہو تو ہمیں چند ٹکڑے مل جائیں۔

دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس میں تصویر کشی کی جاتی ہے جس سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے بلکہ تصویر کشی کرنے والے کو جہنم کی وعید سنائی ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

غیرت کا جنازہ نکل جاتا ہے کہ جب اخبارات کے رنگین صفحات پر ایک طرف اللہ اور اس کے رسول کے احکامات پر مبنی مواد شائع کیا جاتا ہے تو اسی صفحے کے دوسری طرف بے حیائی کے پرسوز مناظر کی تصویریں اور بیہودہ لچر بازی کا بازار گرم ہوتا ہے۔

ریموٹ ہاتھ میں پکڑ کر ایک طرف بے حیائی کا ''چینل'' ٹیون کر لیا جاتا ہے اور دوسری طرف ''قرآنی'' چینل ٹیون کر لیا جاتا ہے۔ جب کوئی ''بزرگ'' آئے تو قرآنی چینل کا بٹن دبا دیا جاتا ہے اور جب وہ چلا جائے تو بے حیائی کا چینل لگا لیا جاتا ہے۔ اگر یہ مسلمانوں کی غیرت کا جنازہ نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک ہی جگہ تم ''بلیو پرنٹ'' دیکھو اور اسی جگہ تمہاری مقدس کتاب ''قرآن'' کے الفاظ بھی دکھائی دیں۔ گویا تم نے قرآن کو کھول کر اسی جگہ رکھ دیا جہاں بے غیرتوں نے زنا کیا۔

میڈیا پر ''انٹرویو'' کی آڑ میں غیر مسلم اقوام مسلمانوں لیڈروں اور عوام الناس کو جمع کر لیتے ہیں اور ان لیڈروں کی غلطیاں، بیوقوفیاں سر بازار لے آتے ہیں چنانچہ ناپختہ ذہن کے لوگوں کے ذہنوں میں اپنے قائدین اور لیڈروں کے خلاف انتقام کے جذبے بھڑک اٹھتے ہیں۔ معاشرے میں ان کی عزت نہیں رہتی، لوگ ان سے متنفر اور بددل ہو جاتے ہیں جو کہ غیر مسلموں کا اصل مقصد ہے۔ چنانچہ وہ تو اس میں کامیاب و کامران ہیں۔ کیونکہ وہ تو ''بی بی سی'' اور ''سی این این'' میں مسلمان قائدین اور حاکموں کو بلوا کر ''ہارڈ ٹالک'' اور ''لوز ٹالک (Hard Talk and Loos Talk) کرتے

رہتے ہیں اور ان سے چھپے ہوئے راز بھی اگلوا لیتے ہیں۔ کیا کبھی ''مسلمانوں'' کے کسی بھی میڈیا نے غیر مسلم حکمرانوں کے ساتھ ''ہارڈ ٹالک'' یا ''لوز ٹالک'' کی ہے؟ اور کیا کبھی انہوں نے اپنے راز میڈیا پر پیش کیے ہیں؟

اسلام نے ''مسجد'' کو اللہ کا گھر قرار دیا ہے، اس کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جن کے دلوں میں تقویٰ ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو زمین پر سب سے زیادہ پسند جگہ ''مسجد'' ہے۔ لیکن جب مسجد کو مسلمانوں کے خلاف چھپ چھپ کر پروپیگنڈہ کرنے کے لئے منتخب کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اس مسجد کو ہی گرادیا جائے۔ اور وہ مسجد گرادی گئی۔ یہ تو اسلام کی غیرت تھی۔ آج کل یہ کام بہت سی جگہوں سے لیا جارہا ہے جن میں کئی ''مساجد، امام بارگاہ اور مزار'' وغیرہ شامل ہیں لیکن سب سے بڑھ کر تو ''میڈیا'' کی بڑی بڑی خوبصورت اور مرصع بلڈنگ ہیں جن میں اعلانیہ طور پر مسلمانوں کے ذہنوں کو اسلام سے خالی کرنے کا کام لیا جارہا ہے۔

''چنانچہ آج مسلمانوں کے قائد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس طرح کی ہر بلڈنگ کو زمین بوس کروا دے جس میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے یا لوگوں کے ذہنوں کو اسلام سے خالی کرنے کا کام لیا جارہا ہے''۔

ہجرت

رسول اکرم ﷺ نے مکہ میں رہتے ہوئے جب دو چیزیں یعنی تعلیم تربیت اور میڈیا پر سخت محنت کرلی تو اب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہجرت کی اور مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اگرچہ آج ہمارے لئے یہ حکم نہیں کہ ہم سب مدینہ میں ہجرت کر جائیں لیکن اپنے مروجہ اعمال سے رسول اللہ ﷺ کے اعمال کی طرف پلٹنا، اپنے طریقے کو چھوڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کرنا، اپنی قوم، قبیلہ اور برادری اور برادری کے رسم ورواج کو چھوڑتے ہوئے ''اسلامی برادری'' اور اسلامی رسم ورواج کی طرف پلٹنا، اور تمام اسلامی برادری کو یکجا کرنا، اُنہیں ایک جگہ رہائش اختیار کروانا وغیرہ یہ سب کام تو آج کے معاشرہ میں اسلام نافذ کرنے کے لئے انتہائی لازمی ہیں۔ مختلف مذاہب کے لوگوں کی کالونیاں بنی ہوئی ہیں جن میں دوسرے مذہب کے افراد کا داخلہ تک ممنوع ہے۔ مختلف قوموں اور برادریوں کی آبادیاں

موجود ہیں، جہاں کسی غیر قوم و برادری کا شخص گھر نہیں بنا سکتا۔ اگر نہیں تو ''اہل حق'' کہلانے والوں کی آج کوئی ''کالونی'' نہیں، کوئی ''آبادی'' نہیں بلکہ یہ مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان ہر طرح کے لوگ رہتے ہیں جو اپنی اپنی ''کالونی''، ''آبادی'' والوں کو ان کی خبریں دیتے ہیں، ان میں اپنے اپنے ''رسم ورواج'' کو فروغ دیتے ہیں، اپنی اپنی ''تعلیم'' پھیلاتے ہیں، ان میں اپنی خفیہ انٹیلی جنس کے کارندے بھیج کر انہیں ایک جماعت سے دو، دو سے چار اور پھر تقسیم در تقسیم کرتے چلے جاتے ہیں۔ فاعتبروا یا أولي الابصار۔ جب تک ''اہل حق'' ایک جگہ اکٹھے نہیں ہوں گے اُس وقت تک دُنیا کو ''نمونہ'' اور ''آئیڈیل'' کیسے دے سکیں گے کہ حق تعالیٰ نے اسلام پر عمل کرنے کے لیے ''اہل حق'' کے لیے یہ یہ پیمانے مقرر کیے ہیں اور اس اس طرح سے ان پر عمل کیا جائے گا۔

قانون

ہجرت نبوی ﷺ کے بعد مسلمانوں کی آبادی و کالونی میں سب سے پہلا کام جو کرنے کا تھا وہ قانون کا مرحلہ تھا۔ قربان جایئے محمد رسول اللہ ﷺ کی فراست پر کہ آپ ﷺ نے نہ صرف اسلامی قانون مسلمانوں پر نافذ کرنے کی راہ ہموار کی بلکہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کافروں سے بھی یہ منوا لیا کہ ''مسلمانوں کی آبادی'' میں رہنے والے تمام لوگ فیصلہ کروائیں گے تو محمد رسول اللہ ﷺ سے اور آپ ﷺ فیصلہ جو فیصلہ کریں گے وہ آسمانی ہدایت یعنی اسلام کے مطابق کریں گے۔ ملاحظہ ہو میثاقِ مدینہ کی آخری شق جس میں تمام کافر اور مسلمان اللہ کے قانون کے پابند بنا دیئے گئے۔ کیا آج ''اہل حق'' نے ایسی کوئی کوشش کی ہے؟ کیا انہوں نے آج اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا اور کروانا دیگر مذاہب کے لوگوں سے منوا لیا ہے؟ یا کم از کم اپنے تنازعات کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق کروا رہے ہیں؟ جواب نفی میں ہے بلکہ فیصلہ کروانے کے لئے اُن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں طاغوت کہا ہے۔ اس ضمن میں سورۂ نساء کی آیات 58 تا 60 کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

سیکورٹی اورانٹیلی جنس

سیکورٹی اورانٹیلیجنس کی مختلف تعریفات کا لب لباب اور مفہوم یہ ہے کہ سیکورٹی اورانٹیلیجنس ایسے قواعد و ضوابط اوراسالیب کا مجموعہ ہے جو کسی جماعت کے مخفی/ چھپے ہوئے رموز واسرار، منصوبوں اورعملیات (کاروائیوں) کی دشمن سے حفاظت کی ضامن بن سکیں۔ اور جن کو ملحوظ خاطر رکھنے سے جماعت کے منصوبوں اورکاروائیوں میں نقصان کم سے کم ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے جس انداز سے اسلام کو اس دنیا میں نافذ کیا، اس طریقہء کار کی پانچویں چیز سیکورٹی اورانٹیلی جنس ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اچھی طرح علم تھا کہ جس قوم یا تنظیم کی اپنی سیکورٹی اورانٹیلی جنس نہیں ہوتی اس قوم یا تنظیم کو بہت جلد مختلف حصوں میں بڑی آسانی سے توڑا جا سکتا ہے۔ اس کے لوگوں کو منحرف کیا جاسکتا ہے، ان کے اندر ہی سے ان کے قائد/ لیڈر وغیرہ کے مخالف لوگ تیار کیے جا سکتے ہیں جو آگے چل کر اس کام کرنے والے شخص کے ''ہاتھ پاؤں'' کاٹ ڈالتے ہیں۔ اور مقصد ادھورے کا ادھورہ رہ جاتا ہے۔ آج جہاد کا کام کرنی والی جماعتوں کی سب سے بڑی غلطی ہی یہ ہے کہ انہوں نے نعرۂ اسلام کو بلند کرتے ہوئے مسلمانوں کے قیمتی خون کو مختلف جگہوں پر شہادت کے نام پر بہا تو دیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی اختیار کی ہوئی حکمت عملی کو اختیار نہ کیا حتی کہ سیکورٹی اورانٹیلی جنس کا شعبہ بھی ''ان دیکھے ہاتھوں'' میں دے رکھا ہے۔ جب صورتِ حال ایسی ہو تو لاکھوں ''شہادتیں'' حاصل کرنے کے بعد بھی ''اسلام'' بلند نہیں ہوا کرتا۔ اسی لئے تو رسول اکرم ﷺ نے اپنی سیکورٹی اور انٹیلی جنس بنائی۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن باخبر ہیں کہ مکہ سے شام جانے والے قافلے اس وقت کہاں کہاں سے گذر رہے ہیں؟ قافلوں میں کتنے افراد ہیں؟ کتنی سواریاں ہیں؟ حفاظت کے کیا کیا سامان ہیں؟ ان کا لیڈر کون ہے؟ کیا کیا مال و دولت ان کے پاس ہے؟ واپس کب آنا ہے؟ کس راستے سے آنا ہے؟ کیا کیا چیزیں لے کر واپس آنا ہے؟ اسی طرح مکہ اور طائف کے درمیان میں کیا کیا نقل وحمل ہے؟ کیا کیا معاہدات ہو رہے ہیں؟ کیا کیا چیزیں رسد کے طور پر پہنچائی جارہی ہیں؟

اور جب مکہ والوں نے یہ دونوں راستے غیر محفوظ سمجھ کر اپنے قافلے شام پہنچانے کے لیے ''شام براستہ عراق'' کا سفر اختیار کیا تو وہاں بھی رسول اللہ ﷺ کی سیکورٹی اور انٹیلی جنس حرکت میں تھی۔

یہ سیکورٹی اور انٹیلی جنس ہی کا کمال تھا کہ پورا عرب لاکھوں کروڑوں کی آبادی مل کر بھی ''ریاست مدینہ'' کی چھوٹی سی آبادی پر شب خون مار کر اسے تاخت و تاراج نہیں کر سکی۔ حالانکہ یہ ریاست اندرونی سازشوں سے بھی گھری ہوئی تھی۔ کیا آج اہل حق کسی تنظیم، جماعت یا قوم میں اسلامی طرزِ سیکورٹی اور انٹیلی جنس موجود ہے؟

یاد رکھیے! جو قوم اپنی سیکورٹی اور انٹیلی جنس قائم کر لیتی ہے درحقیقت وہ اپنی ''حکومت'' کی بنیاد رکھ دیتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

اہل حق کے ''اہل علم'' جب تک رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے سیکورٹی اور انٹیلی جنس کا مطالعہ کر کے اس پر عمل نہیں کریں گے، ''حق'' اس دنیا میں بیان بھی نہیں کر سکیں گے۔

جن لوگوں کو ''کافر'' کہا جاتا ہے، یا جنہیں ''کافر'' قرار دلوانے کے لئے منظم تحریک چلائی گئی اور قانوناً انہیں ''کافر'' قرار دلوایا گیا، آج تمام کی تمام سیکورٹی اور انٹیلی جنس کے مالک یہی لوگ ہیں۔ ایک طرف حال یہ ہے کہ ہر ''کافر'' سیکورٹی اور انٹیلی جنس کی خدمات انجام دے رہا ہے جبکہ دوسری طرف ''اہل حق'' سیکورٹی اور انٹیلی جنس کے اداروں مثلاً پولیس، فوج وغیرہ وغیرہ کی نوکری ہی کے مخالف ہیں۔ اور جو لوگ اتفاقاً ایسے اداروں میں موجود ہیں اُنہیں اپنے آپ کو ''اہل حق'' کہلوانا بھی کسی اذیت سے کم نہیں، نہ تو وہ ''بیچارے'' اپنے پلیٹ فارم پر حق بات کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی ''اہل حق'' کی مدد کر سکتے ہیں۔

کیا آج کوئی اہل حق ''اہل علم'' ایسا کام کرنے کے لئے تیار ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر انتظار کیجئے کہ چند اسلامی آداب پر عمل کرنے سے بھی عنقریب آپ کو روک دیا جائے گا۔

قوت و جہاد فی سبیل اللہ

رسول اکرم ﷺ نے چھٹی نمبر پر جو چیز حاصل کی تھی وہ ''قوت اور جہاد فی سبیل اللہ'' تھی۔ اپنی بنائی ہوئی

''قوت'' ہی ''قوت'' ہوتی ہے، مستعار لی ہوئی ''قوت'' قوت نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ میں کلاشنکوف رکھتا ہے تو بہت سے لوگ اس سے اُس وقت تک خوف کھاتے رہیں گے جب تک اُس کے ہاتھ میں کلاشنکوف کے اندر گولی موجود ہے۔ لیکن جونہی اُس کی کلاشنکوف کی گولیاں ختم ہوئیں، اُس کی ساری کی ساری ''قوت'' ختم ہوگئی۔ بس یہی نقطہ اللہ رب العزت نے کچھ یوں سمجھایا ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال:60)

اور جہاں تک ہو سکے قوت (ونشانہ بازی) سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے اُن کے (مقابلے کے) لئے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اورلوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی۔

یعنی جتنی بھی زیادہ سے زیادہ تم اپنی قوت وطاقت تیار کر سکتے ہو وہ ضرور کرو۔ کیونکہ مستعار لی ہوئی قوت ''قوت'' نہیں ہوا کرتی۔

اگر ''اہل حق'' کا ہر شخص دو پہر کا کھانا نہ کھائے اور یہی پیسہ ''قوت'' کے حصول اور تیاری میں صرف کردے تو اللہ رحمٰن ورحیم چند ہی دنوں میں انہیں اس قابل بنا دے گا کہ یہ دنیا میں اسلام نافذ کر سکیں۔ کیا آج اہل حق اس کام کے لئے تیار ہیں؟ اگر تیار ہیں تو پھر دیر کس بات کی؟ اللہ پر بھروسہ کریں۔ کیونکہ جو شخص اور قوم اللہ پر بھروسہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ اُسے بہت پسند کرتا ہے۔ اور اُس کی ہر حاجت پوری فرما دیتا ہے۔

اب جب اپنی قوت بنالی جائے تو اُسے اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے استعمال کرنا ہی دراصل ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے۔ اور جس قوم کی اپنی بنائی ہوئی ''قوت'' موجود نہیں ہوتی تو ازروئے قرآن وہ قوم ذلت اور معاشی تنگدستی میں گھر جایا کرتی ہے۔ اور اپنی شناخت بھی کھو دیتی ہے۔

دولت کی منصفانہ تقسیم

اب ساتویں چیز جو کہ اَمارتِ اسلامیہ قائم ہونے کے بعد سب سے زیادہ توجہ کی مستحق ہے وہ دولت کی

منصفانہ تقسیم ہے۔اس کے متعلق شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی اسی کتاب میں بہت ہی عمدہ اور مفصل بحث کی ہے۔

چنانچہ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ مالک الملک، ذوالجلال والاکرام ہماری اس سعی کو مقبول ومنظور فرمائے اور اسے ہر خاص و عام کے لیے نفع منداورتوشہءآخرت بنائے آمین۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعا ہے کہ اللہ احکم الحاکمین اس کتاب کو میٹرک وکالج کے طلبہ و طالبات کےنصاب میں شامل کروادے تاکہ اُن کی ذہنی صلاحیتوں کو جلامل سکےاور اُن کی تمام تر سعی و کوشش اِسلام کو دُنیامیں نافذ کرنے میں صرف ہو سکے۔اُن کے ہر اُٹھنے والےقدم سے دین اسلام دنیا میں مضبوط ہواور کفر نیچا ہو جائے۔ہم یہ بھی دُعا کرتے ہیں کہ اے حیات وموت کے پیدا کرنے والے!تو ہمیں اُس وقت تک ''شہادت'' کی بھی موت نہ دے جب تک تیرادین ہمارے ہاتھوں تیری دُنیامیں نافذ نہ ہو جائے۔اور جب دین نافذ ہو جائےتو ہمیں اس دُنیامیں رہنے کی کوئی خواہش نہیں۔ بس اُسی لمحے''شہادتِ حمزہ رضی اللہ عنہ'' جیسی شہادت کی موت عطافرمادے۔آمین یارب العالمین۔

ابن ابراہیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ از مصنف

ہمارے شیخ ہمارے قائد و راہنما، ہمارے امام، عالم و عامل، صدر کامل، بیشمار فضائل کے حامل، کہ جن کے حصر و احصاء اور شمار کرنے سے بڑے بڑے علماء، فضلاء قاصر ہیں اور دشمن بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اور وہ ابوالعباس احمد ابن علامہ شہاب الدین عبدالحلیم ابن علامہ امام ابوالبرکات عبدالسلام بن عبداللہ بن ابوالقاسم ابن تیمیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو جنت کا باغیچہ بنائے، زندگی میں برکت عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ان کے علمی فیوض سے مستفیض فرمائے، فرماتے ہیں:

الحمدللہ! کہ جس نے اپنے رسولوں، پیغمبروں کو واضح بینات دے کر بھیجا، اور ان رسولوں، پیغمبروں کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری، تاکہ لوگ سیدھی، مستقیم اور عدل و انصاف کی راہ پر لگ جائیں، اور لوہا اتارا جس میں بأس شدید، سخت ترین خوف، اور لوگوں کے لیے بے شمار منافع موجود ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ کس کی نصرت و امداد کرنی چاہیئے، اور کس کو رسالت و پیغمبری دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہی قوی، عزیز اور غالب ہے اور اسی نے نبی کریم محمد ﷺ پر رسالت و نبوت ختم کر دی۔ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو رشد و ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ تمام ادیان و مذاہب پر اس دین کو غالب کر کے چھوڑیں۔ اور اس کی تائید و نصرت کے لیے ایک ایسا سلطان و نصیر، علم و قلم، رشد و ہدایت، حجت و دلیل، قدرت و قوت اور اقتدار و سطوت اور شمشیر و تلوار دی جو عزت و غلبہ کی کفیل ہے۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جو وحدہ لاشریک ہے، اس کا کوئی شریک و حصہ دار نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ رحمت اتارے اللہ تعالیٰ ان پر، ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر، اور سلامتی ان پر بے حد و بے شمار، یہ ایسی شہادت ہے کہ شہادت دینے والا ہمیشہ ہمیش کے لیے اللہ کی حرز و حفاظت میں ہو جاتا ہے۔

وجہ تصنیف

اما بعد! یہ مختصر سا رسالہ ہے جو سیاست الٰہیہ، نیابت نبوت کا جامع ہے، جس سے راعی و رعیت، حاکم و محکوم کسی حال میں مستغنی اور بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔ مقصد یہ ہے کہ وُلاۃِ امور ﴿حکام﴾ والیانِ ملک کو جو نصیحت اللہ تعالیٰ نے واجب لازم اور ضروری قرار دی ہے وہ کی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو بیشمار طریقوں سے مروی اور ثابت ہے، اور وہ یہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثَةً اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا. وَاَنْ تَنَا صَحُوْا مَنْ وَّلَاهُ اللّٰهُ اَمْرَكُمْ [1]

اللہ تعالیٰ تین چیزوں سے تم سے راضی ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کیا کرو، اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور سب مل کر حبل اللہ کو مضبوط تھامے رہو اور گروہ گروہ نہ بن جاؤ، اور ان لوگوں کو نصیحت کرتے رہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے امور کا والی اور حاکم بنایا ہے۔

اس رسالہ (کتاب) کی بنیاد کتاب اللہ کی اس آیت پر ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ط وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَا لرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (النساء: 8-9)۔

مسلمانو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو، اور جب لوگوں کے جھگڑوں کے فیصلے کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ جو تم کو نصیحت کرتا ہے تمہارے حق میں بہت اچھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یقیناً اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے، مسلمانو! اللہ کا حکم مانو، اور رسول کا حکم مانو، اور جو تم میں سے صاحبِ اختیار ہیں انکا بھی، پھر اگر کسی معاملہ میں تم آپس میں اختلاف میں پڑ جاؤ تو اللہ اور روزِ آخرت پر ایما

ن لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو، یہ تمہارے اپنے حق میں بہتر ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے تو ہے ہی بہت اچھا۔

علماء شریعت کا قول ہے کہ پہلی آیت یعنی اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ ......الخ ولاۃ امور، والیانِ ملک امراء وحکام کے متعلق نازل ہوئی ہے، کہ یہ لوگ امانتیں ان کے اہل اور حقداروں تک پہنچائیں جب کوئی حکم کریں اور فیصلہ دیں تو عدل وانصاف کریں۔ دوسری آیت یعنی:

أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ......(الخ)

عوام اور عوام الناس کے مختلف شعبوں وغیرہ کے متعلق ہے کہ وہ اپنے اولی الامر (افسرانِ بالا) کی اطاعت کریں جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ اور تقسیم اور جنگ کے احکامات جاری کرر ہے ہیں۔ اور غزوات ﴿جہاد وقتال﴾ وغیرہ میں کام کرر ہے ہیں۔ ہاں اس حکم کی پیروی نہ کریں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو۔ جب کبھی معصیتِ الٰہی اور اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو قطعاً اطاعت وپیروی نہ کریں کیونکہ اس بارے میں حدیثِ نبوی وارد ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ.

جس معاملہ میں خالق کی معصیت ونافرمانی ہوتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

پس جب کسی معاملہ میں آپس میں تنازع ہو جائے، تو کتاب وسنت کی طرف لوٹا دیں، اگر یہ لوگ ایسا نہیں کرتے کہ باہمی تنازع کو کتاب وسنت کی طرف لوٹائیں تو والیانِ ملک ﴿حاکم وقت﴾ کا فرض ہے کہ وہ اس آیت کے مطابق عمل کریں، اور حکم الٰہی کی تعمیل کریں۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ (المائدة:2)

اور نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جایا کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو۔

اس آیت پر عمل کرنے سے اطاعت الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ ہوگی۔ اور ان کے حقوق بھی پوری طرح ادا ہو جائیں گے۔

آیت بالا کے اندر امانت کی ادائیگی اور حق داروں کے حقوق ان تک پہنچانے کا حکم کیا گیا ہے، تو اداءِ امانت اور اداءِ امانت میں عدل و انصاف یہی دو چیزیں، سیاست عادلہ (یعنی شرعی اصولوں پر مبنی سیاست) اور ولایت صالحہ (نیک حکمران) اور (اللہ کے ہاں قابل قبول) اسلامی حکومت کا اصل مقصد ہے۔

نوٹ: امانت کی دو قسمیں ہیں، ایک تو لوگوں پر (سول، پولیس، اور فوجی) حکام مقرر کرتے وقت بہترین صلاحیتوں (مثلاً: اللہ سے ڈرنے والے اور انتظامی اُمور کو سمجھنے اور بہترین طریقے سے انہیں ادا کرنے) کے حامل افراد کو (اقرباء پروری سے بچتے ہوئے) عدل و انصاف کے ساتھ مقرر کرنا اور دوسرا لوگوں تک ان کی معیشت یعنی مال و دولت کی منصفانہ تقسیم کرنا۔ چنانچہ کتاب کے پہلے چار ابواب (Chapters) میں لوگوں پر حکام و عُمال (مثلاً: پولیس افسران، فوجی افسران، بینک افسران، ریلوے افسران، ہوائی جہازوں کے افسران، جج یعنی قاضی، اور ان کے ماتحت عملہ، اسی طرح اسکول ٹیچر، لیکچرار، پروفیسرز، اور ان کا ماتحت عملہ، مؤذن، امام، خطیب اور خادمِ مسجد وغیرہ) مقرر کرنے کے سلسلے میں رقم کئے گئے ہیں۔ جبکہ بعد میں مال و دولت کی تقسیم والی امانت کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

باب 1 (Chapter) کے مضامین

حاکم (مثلاً صدر، وزیر اعظم، وزیر داخلہ، وزیر خارجہ، وزیر خزانہ، چیف جسٹس، آئی جی پولیس، چیف آف آرمی، نیوی اور ائیر اسٹاف، جوائنٹ چیف آف اسٹاف) بننے کا مستحق کون ہے؟ نائبین (مثلاً نائب صدر، نائب وزیر اعظم، ڈی آئی جی پولیس، اور سیکرٹری (خارجہ وداخلہ، مالیات، ہوم سیکرٹری)، نائبین سلطان (صوبائی گورنرز، وزیر اعلیٰ، گورنر بینک دولت، وزراء اعلیٰ اور محکمہ جاتی وزراء) عدلیہ اور جج (ہائی کورٹس کے چیف جسٹس، ماتحت عدالتوں کے جج اور جج ریڈرز) سپہ سالار فوج (وائس چیف آف آرمی، نیوی اور ائیر اسٹاف) چھوٹے بڑے حکام (مثلاً ڈی سی۔ اے، سی، مجسٹریٹ، کمشنر، کسٹم حکام اور ٹیکس افسران)۔ والیان اموال (صنعت وتجارت کے وزراء، بینک افسران) منشیان (گریڈ ایک سے سولہ تک کے ملازمین) وزارتِ خراج (جو پاکستان میں نہیں) صدقات وزکاۃ وصول کرنے والے (جو پاکستان میں ناقابل عمل ہے) نقیب (ناظمین اور ناظمین اعلیٰ) اور دیگر منتخب نمائندے وغیرہ بنائے جانے کے مستحق کون ہیں۔

امانتیں ادا کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ''حکومت'' اور ''حاکم وقت'' ہے، آیت مذکورہ کے نزول کا یہی سبب ہے، رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو کعبۃ اللہ کی چابیاں آپ نے بنی شیبہ سے لے لیں۔ آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے طلب کیں کہ یہ چابیاں مجھے دے دی جائیں تاکہ حاجیوں کو پانی پلوانے کیساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی خدمت بھی اپنے لیے مخصوص کرلیں، اللہ تعالیٰ کو یہ ناگوار ہوا اور یہ آیت نازل فرمائی اور کعبۃ اللہ کی چابیاں بنی شیبہ کو واپس دینے کا حکم ہوا۔ پس حاکم وقت کا یہ فرض ہے کہ مسلمانوں کا ہر کام اُنہی کو سپرد کریں جو اُس کام کے لیے اصلح یعنی ﴿اللہ سے ڈرنے والے اور

انتظامی اُمور کو سمجھنے اور بہترین طریقے سے اُنہیں ادا کرنے والے ہوں۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ وُلِّيَ مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَوَلّٰى رَجُلًا. وَ هُوَ يَجِدُ مَنْ هُوَ اَصْلَحُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ.

جس نے مسلمانوں کی کسی چیز پر بھی کسی ایسے شخص کو والی، حاکم یا افسر بنا دیا کہ اس سے بہتر اور اصلح للمسلمین موجود ہے تو اس نے اللہ اور اللہ کے رسول (ﷺ) سے خیانت کی۔

ایک دوسری روایت ہے:

مَنْ قَلَّدَ رَجُلًا عَمَلًا عَلٰى عَصَابَةٍ وَ هُوَ يَجِدُ فِيْ تِلْكَ الْعَصَابَةِ اَرْضٰى مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَ خَانَ رَسُوْلَهٗ وَخَانَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (رواہ الحاکم فی صحیحہ)

جس نے ''عصابہ'' ﴿یعنی﴾ فوج کے دستہ پر کسی ایسے آدمی کو فوج میں افسر مقرر ﴿Select﴾ کیا کہ اس سے بہتر آدمی اس ''قومی عصابہ'' ﴿یعنی﴾ قومی فوجی دستے میں کام کرنے کے لیے موجود ہے، تو یہ اللہ تعالیٰ سے خیانت کرتا ہے، اسکے رسول (ﷺ) سے خیانت کرتا ہے اور اہل ایمان سے خیانت کرتا ہے۔

بعض علماء اسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول بتلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اپنے بیٹے کو کہا تھا۔ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی اس کے راوی ہیں اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ وُلِّيَ مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ شَيْئًا فَوَلّٰى رَجُلًا لِمَوَدَّةٍ. اَوْ قَرَابَةٍ بَيْنَنَا فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَالْمُسْلِمِيْنَ

جس نے مسلمانوں کی کسی چیز پر کسی ایسے آدمی کو والی، حاکم یا افسر بنایا جو اس سے محبت اور دوستی رکھتا ہے، یا قربت دار اور رشتہ دار کو والی، حاکم یا افسر بنایا تو وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور عام مسلمانوں سے خیانت کرتا ہے۔

اس مسئلہ پر غور و فکر کرنا حاکم وقت، شعبہ جاتی وزیر، مشیر اور مجاز افسران کا اولین فرض ہے۔ اور اس لیے فرض ہے کہ سیادت، ولایت اور حکومت کے اصل مستحق اور حقدار لوگوں سے بحث کی جائے کہ شہروں پر

کیسے کمشنر، ڈپٹی کمشنر، تحصیلدار، آئی۔جی، ڈی، آئی۔جی اور انکے نائب ایس۔پی۔ڈی۔ایس۔پی، فوڈ اور کسٹم انسپکٹرز وغیرہ، ایس۔ایچ۔او، پولیس کے چھوٹے بڑے عہدے دار اور حاکم ﴿یعنی﴾ گورنر، وزیر، مشیر، ناظم الامور اور ان کے نائب مقرر کیے جائیں۔ اور یہ لوگ فوج کے اعلیٰ و ادنیٰ افسران، لشکر اسلام (اسلامی فوج) کے سردار چھوٹے بڑے، مسلمانوں کا مال وصول کرنے والے وزراء، منشی، کاتب، جزیہ، خراج وصدقات، زمین کا محصول اور زکاۃ وصول کرنے والے اور اس میں کوشش کرنے والے وغیرہ جو مسلمانوں سے مال اور پیسہ وصول کرتے ہیں، سب شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے نائب اور ماتحت ایسے افسران مقرر کریں جو مسلمانوں کے لیے بہتر اور اصلاح کرنے والے ہوں۔ اور کوشش کریں کہ اصلح ﴿متقی اور زیادہ صلاحیتوں کے حامل﴾ کے ہوتے ہوئے غیر اصلح ﴿یعنی فاسق وفاجر اور کم صلاحیتوں کے حامل﴾ کو مقرر نہ کریں۔ اور یہ سلسلہ نماز کے اماموں مؤذنوں، خطیبوں، قاریوں، معلّموں اور امیر الحاج، کنوؤں چشموں کی دیکھ بھال کرنے والوں، مال کے محافظوں قلعوں کی حراست ﴿یعنی استقبالیہ کلرک (Receptionest) ٹیلی فون آپریٹرز اور چوکیداری (Gate Keeping etc.)﴾ کرنے والوں اور لوہار ﴿یعنی اسلحہ، گولہ و بارود بنانے والے﴾ جو قلعوں ﴿یعنی فیکٹریوں﴾ پر مامور ہوتے ہیں، قلعوں کے دربانوں، فوج ولشکر کے افسروں، قبائل کے شرفاء ﴿یعنی عمائدین وسردار﴾ اور ٹریڈ یونین کے عہدیداروں، دیہات اور بستیوں کے دیہاتی روساء ﴿یعنی چوہدریوں، وڈیروں، جاگیرداروں اور خان زادوں﴾ وغیرہ پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

ان لوگوں کا اولین فرض ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کے کسی کام میں والی، حاکم یا افسر مقرر کریں، اپنے ماتحت ایسے لوگوں کو کام سپرد کریں جو اصلح ﴿زیادہ لائق اور بہتر منتظم﴾ ہوں، اور کام پر کافی قدرت و دسترس رکھتے ہوں۔ اور ان آدمیوں کو مقدم نہ رکھیں جو خود حاکم بننے اور حکومت لینے اور افسر بننا چاہتے ہوں یا اس کی طلب میں درخواست دی ہو (جیسے آج کا ووٹنگ سسٹم ہے) بلکہ طلب کرنا اور درخواست دینا تو اُسے جگہ نہ دینے کا ایک بہت بڑا سبب ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے:

عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اِنَّ قَوْمًا دَخَلُوْا عَلَیْهِ سَئَلُوْهُ وِلَایَةً فَقَالَ اِنَّا لَا نُوَلِّیْ اَمْرَنَا هٰذَا مَنْ

طَلَبَهٗ. (بخاری ومسلم)

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے ولایت ﴿یعنی کسی شعبہ میں افسر بننے﴾ اور حکومت ﴿یعنی گورنری﴾ طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم ایسے لوگوں کو گورنری یا افسری نہیں دیں گے جو خود ﴿یہ چیزیں﴾ مانگتے ہیں (اور اہل بھی نہیں ہیں)۔

اور عبدالرحمٰن بن سمرۃ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَا تَسْئَلِ الْاَمَارَةَ فَاِنَّكَ اِن اُعْطِيْتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا وَاِنْ اُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُكِلْتَ اِلَيْهَا. (بخاری ومسلم)

اے عبدالرحمٰن! تم امارت ﴿یعنی گورنری اور افسری﴾ نہ مانگو۔ اگر بغیر مانگے تم کو امارت ﴿و حکومت﴾ مل جائے تو تم کو اللہ کی جانب سے مدد ملے گی۔ اگر مانگنے سے ملی تو تمہیں خود اس کا وکیل ﴿یعنی ذمہ دار﴾ بننا پڑے گا۔ ﴿اللہ کی امداد نہیں ملے گی﴾۔

اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ طَلَبَ الْقَضَاءَ وَ اسْتَعَانَ عَلَيْهِ وُكِّلَ اِلَيْهِ وَمَنْ لَمْ يَطْلُبِ الْقَضاءَ وَ لَمْ يَسْتَعِنْ عَلَيْهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهٗ ۔ (رواہ اہل السنن)

جس نے قضاء طلب کی، (یعنی جسٹس یا قاضی وغیرہ بننے کے لیے درخواست دی) اور اس کے لیے کسی کی مدد (یعنی سفارش) چاہی تو یہ کام اسی کے سپرد ہوگا۔ اور جس نے قضا ﴿یعنی جسٹسی﴾ طلب نہیں کی اور اس کے لیے کسی کی مدد (یعنی سفارش) نہیں چاہی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے فرشتہ بھیجے گا جو اس کو صحیح راستہ پر چلاتا رہے گا۔

پس اگر والی ﴿حاکم وقت، گورنر، یا کوئی بھی مجاز افسر﴾ جادۂ استقامت سے ہٹ گیا یا زیادہ حقدار اور اصلح کو چھوڑ کر کسی قرابت یا ولاء عتاقۃ ﴿یعنی کسی شخص کیساتھ ناراضگی و دشمنی کی وجہ سے اُسے محروم رکھنے﴾ یا ولاء صداقۃ ﴿یعنی کسی شخص کیساتھ دوستی کی وجہ سے نوازنے﴾ کی وجہ سے یا کسی آبادی میں موافقت اور دوستی ہوگئی ہے اس لئے، یا مذہبی موافقت ﴿یعنی ہم مسلک ہونے﴾ کی وجہ سے، یا

کسی اور طریقے سے، یا باہم ایک قومیت ہونے کی وجہ سے، مثلاً ایرانی، ترکی، رومی ہونے کی وجہ سے، یا رشوت کی وجہ سے، یا کسی دوسری سیاسی و سماجی اور معاشرتی منفعت کی وجہ سے، یا اس قسم کے دوسرے اسباب کی وجہ سے، یا ﴿زیادہ﴾ حقدار اور اصلح ﴿یعنی بہتر منتظم﴾ سے کینہ وعداوت رکھتا ہے، اس لیے مستحق، حقدار اور زیادہ اصلاح کرنے والے کو چھوڑ کر غیر حقدار، غیر مستحق اور غیر اصلح کو مقرر کیا تو یقیناً وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کر رہا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (انفال:27)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت نہ کرو۔ اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو، اور تم تو خیانت کے وبال سے واقف ہو۔

اس کے بعد ہی فرمایا۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (انفال:28)

اور ذہن نشین رکھو کہ تمہارے مال، اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہے۔ اور نیز یہ کہ اللہ وہ ذات ہے کہ اس کے ہاں بڑا اجر موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے فرمایا کہ بسا اوقات آدمی اپنے بچے اور غلام سے محبت کی وجہ سے ملک کے کسی حصہ کی ولایت ﴿یعنی گورنری اسے﴾ دے دیتا ہے، اور غیر مستحق کو حکومت دے دیتا ہے تو یقیناً وہ امانتِ الٰہی میں خیانت کرتا ہے۔ اسی طرح وہ مال کی کثرت وفراوانی کو پسند کرتا ہے، اس کو محفوظ کرنے کے لیے غیر مستحق لوگوں کو ترجیح دیتا ہے اور وہ خواہ مخواہ ﴿لوگوں سے بھتہ وغیرہ کی شکل میں﴾ مال وصول کرتے ہیں۔ یا بعض اقلیموں ﴿صوبوں، ریاستوں اور جاگیروں﴾ کے والیوں ﴿وزیروں﴾ اور حاکموں کو وہ ایسا پاتا ہے کہ وہ مداہنت ﴿سستی وکمزوری، بےعملی﴾ اور چاپلوسی کرتے ہیں مگر یہ ان سے ڈرتا ہے اور ان کو اپنے سے دور رکھنا چاہتا ہے، اس لیے ﴿ایسے﴾ غیر مستحق کو حقدار ﴿یعنی حاکم و افسر وغیرہ﴾ بنا کر بھیج دیتا ہے، تو یہ آدمی یقیناً اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے خیانت کرتا ہے، اور اس

امانت (یعنی حکومت) میں خیانت کرتا ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔

اور پھر یہ کہ امانتدار (یعنی با اختیار افسر یا حاکم) اگر اپنی خواہش اور ھواء ﴿یعنی غلط چاہت﴾ کی مخالفت کرے اور اللہ سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ اُسے ثابت قدم رکھتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، اس کے اہل وعیال اور مال کی اس کے بعد بھی حفاظت کرتا ہے، اور جو آدمی اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے مقصد اور ارادوں کو توڑ دیتا ہے، اسکی اہل و عیال کو ذلیل وخوار کر کے رکھ دیتا ہے، اور اس کا وہ سارا مال ﴿ضائع﴾ چلا جاتا ہے۔

اس بارے میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے وہ یہ کہ خلفاء بنو عباس میں سے کسی نے بعض علماء کو کہا کہ کچھ حالات جو تمہارے دیکھے ہوئے یا سُنے ہوئے ہوں لکھ دیں۔ اس نے کہا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو میں نے دیکھا ہے کسی نے ان سے کہا: امیر المومنین! اس مال کو آپ نے اپنے بیٹوں سے دور رکھا ہے اور اُنہیں فقیر و بے نوا چھوڑ دیا ہے، کوئی چیز آپ نے ان کے لیے نہیں چھوڑی۔ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس وقت مرض الموت میں مبتلا تھے، انہوں نے کہا اچھا میرے لڑکوں کو میرے سامنے لاؤ۔ لڑکے لائے گئے جو دس سے زیادہ تھے، اور سب کے سب نابالغ تھے۔ لڑکوں کو دیکھ کر رونے لگے اور کہنے لگے، میرے بیٹو! جو تمہارا حق تھا وہ میں نے تم کو پورا پورا دے دیا ہے، کسی کو محروم نہیں رکھا اور میں لوگوں کا مال تم کو دے نہیں سکتا، تم میں سے ہر ایک کا مال یہ ہے کہ یا تو وہ صالح نیک بخت ہوگا تو اللہ تعالیٰ صالح اور نیک بندوں کا والی اور مددگار ہے۔ یا غیر صالح ہوگا اور غیر صالح کے لیے میں کچھ بھی چھوڑنا نہیں چاہتا کہ وہ اس مال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ﴿نافرمانی﴾ میں مبتلا ہوگا۔ قُوْمُوْا عَنِّیْ! بس سب جاؤ میں اتنا ہی کہنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے اُنہی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اولاد میں سے بعض کو میں نے دیکھا ہے کہ سو سو گھوڑے فی سبیل اللہ دیتے تھے کہ مجاہدین اسلام ان پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

اس کے بعد اس نے کہا، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفۃ المسلمین تھے، اقصاء مشرق بلادِ ترک وغیرہ پر، اقصاء مغرب بلادِ اندلس وغیرہ پر قابض تھے، جزائر قبرص اور حدود شام اور طرسوس وغیرہ کے قلعوں پر حکومت و فرمانروائی کرتے تھے، یمن کی انتہائی سرحدوں میں جن کی حکومت پھیلی ہوئی تھی، باوجود اس

کے ان کی اولاد نے باپ کے ترکہ میں سے تھوڑی چیز پائی تھی اور کہا جا سکتا ہے کہ وہ بیس بیس درہم سے بھی کم تھی۔

پھر اس عالم میں! میں نے بعض ایسے خلفاء بھی دیکھے ہیں جنہوں نے اپنا ترکہ اتنا چھوڑا کہ ان کے مرنے کے بعد جب لڑکوں نے باہم تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصہ میں چھ چھ کروڑ اشرفیاں آئی تھیں، لیکن میں نے ان لڑکوں میں سے بعض کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ لوگوں کے سامنے بھیک مانگا کرتے تھے۔

اور بے شمار حکایتیں اور چشم دید واقعات اور اگلوں سے سنے ہوئے حالات اس بارے میں موجود ہیں جو عقلمندوں اور اربابِ بصیرت کی عبرت کے لیے کافی ہیں۔

اور سنت نبوی ﷺ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت و امارت ﴿گورنری و افسری﴾ اور حکومت بھی ایک امانت ہے، جس کا ادا کرنا واجب ہے، اور مختلف مواقع پر حفظ ما تقدم کی طرح اس کا ذکر ہے مثلاً سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو امارت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّھَا اَمَانَۃٌ وَ اِنَّھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ خِزْیٌ وَ نَدَامَۃٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَھَا بِحَقِّھَا وَ اَدَّی الَّذِیْ عَلَیْہِ فِیْھَا (رواہ مسلم)

یہ حکومت و امارت ایک امانت ہے اور قیامت کے دن یہ امارت ذلت اور ندامت کا موجب ہے مگر یہ کہ امارت کو حق کے ساتھ لیا۔ اور اس کے حقوق کو اس میں پوری طرح ادا کیا۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری کے اندر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَۃُ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا اَضَاعَتُھَا؟ قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ. رواہ البخاری

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امانت ضائع کی جانے لگے تو ساعت ﴿قیامت﴾ کا انتظار کرو۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ! امانت ضائع کرنا کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب امورِ حکومت اور سرداری و افسری نااہلوں کے سپرد کی جائے تو تم قیامت ﴿اور یعنی مسلمانوں کی بربادی﴾ کا انتظار کرو۔

اوراسی معنی کے اعتبار سے تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یتیم کا والی ووصی ﴿پرورش کرنے والا﴾ ناظر اوقاف ﴿دیکھ بھال کرنے والا﴾ اور کسی آدمی کا کوئی وکیل ہو، اور اسکے مال میں تصرف کرے تو الاصلح فالاصلح (یعنی زیادہ اہل پھر اس سے کم مرتبہ اہلیت والا) کے اصول کے تحت تصرف کرے جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (انعام:152)

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو احسن ہو یعنی سب سے اچھا ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ''بِالَّتِيْ هِيَ حَسَنَةٌ'' یعنی اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، اور یہ اس لیے کہ والی اور حاکم ایسا ہی لوگوں کا راعی ﴿یعنی ذمہ دار﴾ ہے جیسا کہ بکریوں کا راعی ﴿چرواہا ذمہ دار﴾ ہوا کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ فَالْاِمَامُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَاعِيَّتِهَا وَالْوَلَدُ رَاعٍ فِيْ مَالِ اَبِيْهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عِنْ رَعِيَّتِهٖ وَ الْعَبْدُ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيِّدِهٖ وَ هُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ اَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (بخاری ومسلم)

تم میں سے ہر ایک راعی ﴿ذمہ دار حاکم﴾ ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کا سوال ہوگا، پس حاکم وقت لوگوں کا، راعی ﴿ذمہ دار﴾ ہے اور اس سے اپنی رعیت ﴿رعایا اور عوام الناس﴾ کا سوال ہوگا۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی راعی ﴿ذمہ دار﴾ ہے اور اس سے اپنی رعیت (یعنی گھر کی ذمہ داری) کا سوال ہوگا، اور بیٹا اپنے باپ کے مال کا راعی ہے، اور اس سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔ اور غلام اپنے سیّد و آقا اور مالک کے مال کا راعی ہے اور اس سے اپنی رعیت (یعنی مال کے خرچ) کا سوال ہوگا۔ خبردار رہو کہ تم میں سے ہر ایک راعی ﴿ذمہ دار حاکم﴾ ہے اور ہر ایک سے اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ رَاعٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ هُوَ غَاشٌ لَهَا اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ

عَلَيْهِ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ (رواہ مسلم)

کوئی راعی (ذمہ دار حاکم) نہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے رعیت کا راعی بنایا جس دن مرے گا مرے گا۔ اور وہ رعیت کے بارے میں غاشی ﴿غاصب اور دھوکہ باز﴾ ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام کر دے گا۔

ایک دن سیدنا ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْاَجِيْرُ لوگوں نے کہا اَيُّهَا الْاَمِيْرُ کہیئے تو انہوں نے پھر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا الْاَجِيْرُ کہا۔ لوگوں نے پھر کہا اَيُّهَا الْاَمِيْرُ کہیئے تو پھر انہوں نے وہی جملہ دہرایا تین دفعہ اسی جملہ کو اُنہوں نے دہرایا اور لوگ اس پر اصرار کرتے رہے کہ آپ سے اَيُّهَا الْاَمِيْرُ کہلوائیں۔ آخر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو مسلم کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، وہ اپنی بات کو ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد سیدنا ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے کہا اے معاویہ رضی اللہ عنہ تم اجیر (یعنی تنخواہ دار) ہو۔ ان بکریوں کے ریوڑ کے لیے تم کو ان بکریوں کے رب نے اُجرت پر رکھا ہے۔ اگر تم خارش زدہ بکریوں کی خبر گیری کرو گے اور مریض بکریوں کی دوا کرو گے اور ان بکریوں کی اچھی طرح حفاظت کرو گے، تو بکریوں کا مالک تمہیں پوری اُجرت دے گا۔ اور اگر تم نے خارش زدہ بکریوں کی خبر گیری نہ کی، مریض بکریوں کی دوا نہ کی، بکریوں کی اچھی طرح حفاظت نہ کی تو بکریوں کا مالک تم کو سزا دے گا۔

یہ واقعہ عبرت و نصیحت کے لیے کافی ہے کیونکہ ساری مخلوق اللہ کے بندے ہیں۔ اور ملک کے حکمران اس کے بندوں پر اس کے نائب ہیں، اور بندوں کی جانوں کے وکیل و کفیل۔ اور ایسے وکیل و کفیل کہ دو شریک آپس میں ایک دوسرے کے وکیل و کفیل ہوا کرتے ہیں۔ والیوں اور حاکموں میں ولایت و وکالت کے معنی موجود ہیں۔

جب ولی ﴿یعنی حاکم وقت﴾ اور وکیل ﴿جیسے گورنر، وزیر، مشیر اور بااختیار افسر وغیرہ﴾ اصلح للتجارۃ ﴿یعنی جو شخص صنعت و تجارت اور اُمورِ خزانہ کو بہتر سمجھتا ہو اور امین بھی ہو﴾ یا زمین کے بارے میں جو اصلح ﴿بہتر علم رکھتا اور منتظم﴾ ہو، اُسے چھوڑ کر ایسے شخص کو نائب مقرر کرے کہ وہ اصلح للتجارۃ نہیں ہے، اور زمین کے بارے میں بھی وہ غیر اصلح ﴿یعنی نااہل﴾ ہے تو یقیناً وہ ﴿حاکم وقت یا گورنر و

افسر﴾ خائن ﴿یعنی امانت میں خیانت کرنے والا﴾ ہے۔ کیونکہ جو اصلح للتجارۃ ﴿یعنی اہل﴾ نہیں ہے وہ سامان واسباب کو سستے داموں فروخت کر دے گا حالانکہ اس خریدار سے اچھا اور بہتر دوسرا خریدار موجود ہے، دام زیادہ دینے کو تیار ہے، پھر بھی ﴿ایسے﴾ خریدار سے بوجہ خوف کے یا بوجہ دوستی اور مودت کے یا قرابت کی وجہ سے سستے داموں مال کو اٹھا دیتا ہے ﴿یعنی بیچ دیتا ہے اسی طرح کسی چیز کا ٹھیکہ دیتا ہے﴾ تو یقیناً یہ ﴿حاکم ومجاز افسر﴾ خائن ہے۔ مال کا مالک یقیناً اس سے بغض رکھے گا۔ اور اس کی مذمت اور برائی کرے گا۔ اور اس کو خائن قرار دے گا۔ یا قرابتداروں اور دوستوں کو نوازنے والا کہے گا۔ اور اس لیے والی ﴿حاکمِ وقت﴾ اور وکیل ﴿مجاز افسر﴾ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو نائب نہ بنائے۔ اور جو اصلح للتجارۃ ہو یا زمین وغیرہ کے بارے میں اچھی مہارت رکھتا ہو، اس کو نائب مقرر کرے۔

باب 2 (Chapter) کے مضامین

اصلح ﴿زیادہ اہل﴾ موجود ہے تو اسے ولایت ﴿امارت﴾ وحکومت دینی چاہیئے، اگر اصلح موجود نہیں ہے تو صالح ﴿نیکوکار﴾ کو ولایت ﴿امارت﴾ وحکومت دی جائے۔ ہر منصب کے لیے الامثل فالامثل ﴿یعنی زیادہ بہتر شخص، پھر وہ نہ ہو تو اس سے کم صلاحیت والے﴾ کو ولایت ﴿گورنری﴾ و نیابت ﴿افسری﴾ دی جائے۔ ولایت ﴿حاکم و ذمہ دار بننے﴾ کے لیے قوت اور امانت ضروری ہے تاکہ نفاذِ احکام اور ادائیگی امانت میں سہولت پیدا ہو۔ قاضی ﴿جج﴾ تین قسم کے ہیں۔

یہ معلوم کر لینے کے بعد اب یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ والی امر ﴿حاکمِ وقت﴾ کا فرض کیا ہے؟ والی امر ﴿حاکمِ وقت﴾ کا فرض یہ ہے کہ وہ ایسے آدمی کو عامل ﴿ذمہ دار﴾ نائب اور والی و حاکم ﴿افسر و گورنر﴾ بنائے جو اصلح ﴿زیادہ اہل اور اچھا منتظم﴾ ہو۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کام کے لائق آدمی موجود نہیں ہوتا۔ اور ایسے شخص کا ملنا دشوار ہوتا ہے، جس میں کام کی صلاحیت موجود ہو۔ تو اس وقت ولی الامر ﴿حاکمِ وقت، گورنر وذمہ دار افسر﴾ کا فرض ہے کہ الامثل فالامثل ﴿زیادہ بہتر شخص﴾ کو مقرر کرے۔ ہر منصب اور ہر عہدے کے مناسب حال الامثل فالامثل کو قائم کرے اگر پورے اجتہاد، پوری کوشش اور جدوجہد کے بعد والی امر ﴿حاکمِ وقت یا ذمہ دار﴾ نے ایسا کر دیا، اور ولایت ونیابت کا حق ادا کر دیا، تو اس نے اپنا فرض پوری طرح ادا کر دیا تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام والی امر ﴿حاکمِ وقت اور ذمہ دار﴾ عادل ہے اور اللہ کے نزدیک وہ مقسطین ﴿انصاف کرنے والوں﴾ میں سے ہے اگرچہ بعض وجوہ اور بعض اسباب کی بنا پر بعض امور میں خلل واقع ہو جائے لیکن اس کے سوا دوسرا امکان اور چارۂ کار بھی نہیں ہے اور اللہ نے بھی اسی قسم کی کوشش کا حکم فرمایا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تغابن:16)

مسلمانو! جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور فرماتا ہے:۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ:286)

اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جس کی اس کو طاقت ہو۔

اور جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے:۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ (النساء:84)

تو آپ (ﷺ) اللہ کی راہ میں دشمنوں سے لڑیں، آپ (ﷺ) پر اپنی ذات کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں اور ہاں مسلمانوں کو بھی ابھارو۔

اور فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ

مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو جب تم راہِ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔(مائدہ:105)۔

پس جس نے اپنی مقدور بھر امکانی کوشش کی اور اپنا فرض ادا کیا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نے ہدایت کی راہ پالی۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اخرجاہ فی الصحیحین)

جب میں تم کو کسی کام کا حکم دوں تو تم اپنی طاقت کے مطابق کر گزرو۔(بخاری ومسلم)۔

لیکن اگر وہ ﴿حاکم و ذمہ دار﴾ ایسا کرنے سے اس لیے قاصر ہے کہ وہ اپنے آپ کو عاجز ﴿بزدل﴾ پاتا ہے یا کسی غیر شرعی ضرورت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے، تو وہ یقیناً خیانت کرتا ہے۔اور اُسے خیانت کی سزا دی جائے گی۔اور اس لیے اس کا فرض ہے کہ وہ اصلح ﴿اہل اور اچھے منتظم﴾ کو پہچانے اور ہر منصب اور ہر عہدہ کے لیے اصلح ﴿اہل اور اچھے منتظم﴾ تجویز کرے کیونکہ ولایت امر ﴿یعنی حاکمِ وقت سے بیوروکریسی اور چھوٹے نوکروں تک کی ذمہ داری﴾ کے دو رکن ہیں **''ایک قوت دوسری امانت''** جیسا کہ قرآن مجید کے اندر ہے:۔

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (قصص:26)

کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جو آپ نوکر رکھنا چاہیں مضبوط اور امانت دار ہونا چاہئے۔

اور شاہ مصر نے یوسف علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شان میں کہا ہے:

اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ (یوسف:54)

تم ہماری سرکار میں آج سے بڑے باوقار اور صاحب اعتبار ہو۔

جبریل علیہ السلام کی شان اور صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (تکویر:20)

قرآن بیشک معزز فرشتے کا پہنچایا ہوا پیام ہے اور وحی کے بارگراں اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے۔ اور مالک عرش کی جناب میں اس کا بڑا درجہ ہے اور وہاں سردار اور امانت دار ہے۔

اور ہر ولایت، ہر حکومت کی قوت اور طاقت اس کے مناسب حال ہوا کرتی ہے۔ امارتِ حرب ولایت جنگ ﴿وزارتِ جنگ﴾ کی قوت یہ ہے کہ والی جنگ ﴿سپہ سالار﴾ شجاع، بہادر، دلیر اور جنگ کے تمام تر اُمور سے واقف اور ماہر ہو اور مخادعت (دھوکہ دہی) اور چال بازیوں کو اچھی طرح جانتا ہو۔ کیونکہ اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ (جنگ فریب اور دھوکہ کا نام ہے) اور یہ کہ وہ قتال و جنگ کے طریقوں کو جانتا ہو اور ان طریقوں پر عمل کرنے کی پوری پوری قدرت رکھتا ہو۔ تیر اندازی ﴿نشانہ بازی، فائرنگ﴾ سے اچھی طرح واقف ہو، حملہ اور وار اچھی طرح کر سکتا ہو، گھوڑے ﴿اور ٹینک، بکتر بند گاڑی، لڑاکا طیارے اور بحری جہازوں﴾ کی سواری خوب جانتا ہو۔ کروفر ﴿اسلحہ و بارود اور دیگر ساز و سامان﴾ وغیرہ پوری طرح رکھتا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (انفال:60)

اور مسلمانو! فوجی قوت اور گھوڑوں (یعنی ہتھیار اور جدید سواریوں) کے باندھنے رکھنے سے جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں کے مقابلہ کے لیے ساز و سامان مہیا کیے رہو۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِرْمُوْا وَارْكَبُوْا وَاِنْ تَرْمُوْا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا وَمَنْ تَعَلَّمَ الرَّمْيَ ثُمَّ نَسِيَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا

تیر مارا کرو ﴿یعنی راکٹ اور میزائل چلایا کرو﴾ اور سواری کیا کرو اور تیر ﴿راکٹ و میزائل﴾ چلانا مجھے ﴿لڑاکا جیٹ جہازوں کی﴾ سواری سے زیادہ محبوب ہے اور جو تیر چلانا ﴿یعنی نشانہ بازی﴾ سیکھا پھر بھول گیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔

ایک اور روایت میں ہے:۔

فَهِيَ نِعْمَةٌ جَحَدَهَا (رواہ مسلم)

تیر ﴿و گولی﴾ چلانا ایک نعمت ہے بھولنے والے نے اس نعمت سے انکار کر دیا۔

اور ''قوت'' حکم کا مرجع علم ﴿حاصل کرنے﴾ اور عدل ﴿و انصاف قائم کرنے کے لیے ضروری ہے﴾ اور قدرتِ تنفیذِ احکام ﴿یعنی ''قوت'' ہی سے اللہ کے دین کو نافذ کرنے کی قدرت میسر آتی﴾ ہے جس پر کتاب و سنت دلالت کرتی ہے۔

اور امانت کا مرجع خشیت الٰہی اور اللہ کا خوف ہے اور یہ کہ حقوقِ الٰہی کو دنیا کی متاعِ قلیل ﴿معمولی مال و دولت﴾ کے عوض فروخت نہ کرے۔ اور لوگوں کا خوف قطعاً ترک کر دے۔

یہ تین خصلتیں ﴿قوت، امانت اور خشیت الٰہی﴾ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہر والی، ہر حاکم، ہر والی امر اور ہر حکم ﴿یعنی قاضی اور جج﴾ کے لیے فرض اور ضروری قرار دیا ہے اور قرآن حکیم اس پر ناطق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًاؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ:44)

اور تم لوگوں سے نہ ڈرو اور ہم سے ہی ڈرتے رہو اور ہماری آیتوں کے بدلے میں معمولی قیمت نہ لو۔ اور جو اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم ﴿یعنی فیصلہ﴾ نہ کرے تو یہی لوگ کافر ہیں۔

اور اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے قاضیوں ﴿ججوں﴾ کی تین قسمیں گردانی ہیں۔ جن میں سے دو قسم

کے قاضیوں کے لیے جہنم بتلائی ہے اور ایک قسم کے قاضیوں کے لیے جنت۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ قَاضِيَانِ فِي النَّارِ وَقَاضٍ فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَلِمَ الْحَقَّ وَقَضٰى بِهٖ فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ (رواہ اہل السنن)

قاضی ﴿یعنی جج﴾ تین قسم کے ہیں۔ دو قسم کے قاضی ﴿جج﴾ جہنم میں جائیں گے اور ایک قسم کے قاضی ﴿جج﴾ جنت میں۔ پس وہ آدمی جو حق کو پہچان کر صحیح اور سچا، انصاف پر مبنی فیصلہ کرے وہ جنت میں جائے گا۔

اور قاضی ﴿جج﴾ ہر اس آدمی کو کہتے ہیں جو دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرے۔ اور دونوں فریق کو حکم دے۔ اب وہ شخص خلیفہ ہو یا سلطان یا اس کا نائب ﴿یعنی گورنر﴾ ہو، یہاں تک کہ بچوں کی تحریر و خط کے جو نگران ﴿اساتذہ﴾ ہیں ان کو بھی یہ حکم شامل ہے، ایسا ہی ذکر اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ اور وہ ایسا ہی کرتے تھے اور یہ ظاہر ہے۔

باب 3 (Chapter) کے مضامین

آج دنیا میں ایسے لوگ جن میں قوت اور امانت دونوں موجود و مجتمع ہوں کم ہیں۔ دو آدمی ایسے کہ ایک ان میں سے امین ہے، دوسرا طاقتور تو ایسے آدمی کو ولایت امر اور سرداری دینی چاہئے جو قوم و رعایا کے لیے مفید و نافع ہے، قوم و رعایا کو نقصان نہ پہنچائے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا دو آدمی ہیں ایک جنگجو، شجاع اور دلیر ہے لیکن فاجر ہے۔ دوسرا صالح نیک مگر کمزور کم ہمت۔ کس کے ساتھ رہ کر جہاد کیا جائے؟ اُنہوں نے فرمایا: فاجر قوی کے ساتھ رہ کر، کیونکہ قوت مسلمانوں کے لیے ہے، اور اس کا فجور اس کی جان کے لیے، اور صالح اور نیک اس کے بالکل برعکس ہے۔

قوت اور امانت دونوں کسی ایک آدمی میں جمع ہوں ایسے لوگ آج بہت کم ہیں

اور اسی بنا پر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَشْکُوْا اِلَیْكَ جَلْدَ الْفَاجِرِ وَمِجزَ الْبُقَةِ

اے اللہ! میں تیری جناب میں فاجر کی سختی اور بُزدل کی عاجزی کا شکوہ کرتا ہوں۔

پس ہر ولایت ﴿وزارت﴾، ہر اقلیم ﴿صوبے و جاگیر﴾، ہر ملک کے لیے باعتبار اس کی مرز بوم کے اصلح تلاش کرنا چاہئے، جب کسی اقلیم، کسی ملک کے لیے امام والی اور حاکم مقرر کرنا چاہتا ہے تو ایسے دو آدمی ملتے ہیں۔ ایک امانتدار ہے، دوسرا طاقتور ہے۔ امام کا فرض ہے کہ اس اقلیم و ملک اور ولایت کے لیے اُسے مقدم رکھے جو اس اقلیم و ملک اور ولایت کے لیے زیادہ مفید اور زیادہ نفع بخش ہو اور ضرر و نقصان اس سے کم سے کم ہو۔

پس امارتِ حرب ﴿وزارتِ جنگ﴾، جہاد و جنگ کی سرداری ﴿سپہ سالاری﴾ کے لیے ایسا آدمی مقرر کرے جو قوی، دلیر، شجاع اور بہادر ہو، اگرچہ وہ فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ اور ضعیف، عاجز و کمزور

کے مقابلہ میں اسے ترجیح دے، اگر چہ وہ امین ہو۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: دو آدمی ہیں، دونوں کے دونوں حرب و جہاد کے امیر و سردار ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک فاجر مگر قوی ہے، دوسرا صالح اور نیک ہے مگر ضعیف و کمزور ہے، تو دونوں میں سے کس کے ساتھ رہ کر جہاد کرنا چاہیئے؟ آپ نے فرمایا: فاجر قوی کی قوت مسلمانوں کے لیے ہے اور اس کا فسق و فجور اس کی اپنی جان کے لیے ہے۔ اور صالح و نیک ضعیف و کمزور ہے تو اس کی صلاح و نیک بختی اس کی جان کے لیے ہے۔ اور مسلمانوں کے ضعف کا موجب ہے۔ تو جہاد قوی و فاجر کیساتھ رہ کر کرنا چاہیئے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ

بیشک اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر آدمی سے بھی اس دین کی مدد کرا دیتا ہے۔

اور ایک روایت بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (فاجر آدمی) کی جگہ بِاَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَهُمْ کے الفاظ استعمال کیئے (یعنی ایسی قوم اور ایسے لوگوں سے مدد کرا دیتا ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں)۔

پس اس وقت جبکہ امیر و سالار قوی القلب (یعنی شیر دل)، شجاع و بہادر اور دلیر میسر نہ آئے اور اس جگہ کو پُر کرنے کے لیے کوئی ایسا آدمی نہ مل سکے جو امیر حرب ﴿وزیر جنگ﴾ اور سالارِ جنگ مقرر کیا جائے تو اس وقت اصلح فی الدین ﴿متقی و پرہیز گار﴾ کو مقرر کر دے اور اسی بناء پر نبی کریم ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امارت حرب دی اور سپہ سالارِ اسلام بنایا تھا۔ جب سے وہ اسلام لائے تھے اس وقت سے یہ خدمت انہی کے سپرد رہی اور ان کی شان میں آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

سَيْفٌ سَلَّهُ اللّٰهُ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ

خالد ایسی تلوار ہیں جو اللہ نے مشرکوں کی ہلاکت کے لیے کھلی رکھی ہے۔

باوجود اس کے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے کبھی کبھی ایسی حرکتیں ہوا کرتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ اُسے بُرا سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا تھا:

اَللّٰهُمَّ اَبْرَأُ اِلَيْكَ مِمَّا فَعَلَ خَالِدٌ

اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا ہے، اس سے میں بری (لاتعلق) ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے یہ اس وقت کہا تھا جبکہ آپ نے خالد رضی اللہ عنہ کو قبیلہ جزیمہ کی طرف بھیجا تھا۔ اور

خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کر دیا تھا، اور معمولی شبہ کی بنا پر ان کا مال و متاع لوٹ لیا تھا۔ حالانکہ یہ جائز نہیں تھا، اور ان کے ساتھ جو صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے انہوں نے بھی اس حرکت سے ان کو روکا تھا۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جزیمہ سے ہمدردی برتی، الفت و محبت کا اظہار فرمایا اور ان کا مال و متاع واپس کرنے کی ضمانت دی۔ باوجود اس قسم کی لغزشوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ امارتِ لشکر اور فوج کی قیادت میں اُنہی کو مقدم رکھا۔ اور یہ اس لیے کیا کہ اُمور جنگ میں وہ دوسروں کے مقابلہ میں اصلح ﴿اہل﴾ تھے۔ اور غلطی معمولی سے معمولی تاویلوں (یعنی غلط فہمی) کی بناء پر کر لیا کرتے تھے۔ اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اگرچہ امانت و صداقت میں اصلح ﴿یعنی بڑھ کر﴾ تھے لیکن باوجود اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا:

يَا اَبَا ذَرٍّ اِنِّيْ اَرَاكَ ضَعِيفًا وَاِنِّيْ اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِيْ لَا تَأَمَّرَنَّ عَلٰى اِثْنَيْنِ وَلَا تُوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيْمٍ (رواہ مسلم)

اے ابوذر! میں تمہیں ضعیف و کمزور پاتا ہوں۔ اور تمہارے لیے میں وہی پسند کرتا ہوں جو میں خود اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم کسی دو آدمیوں کا بھی امیر نہ بننا اور یتیم کے مال کی کبھی ولایت ﴿سرپرستی و حفاظت﴾ نہ کرنا۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو آپ نے امارت اور ولایت سے منع فرما دیا حالانکہ آپ سے مروی ہے:

مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ اَصْدَقُ لَهْجَةً مِنْ اَبِيْ ذَرٍّ

نہ سبز گنبد نے سایہ کیا، نہ غبار مٹی نے جگہ دی، ابی ذر سے زیادہ سچے کو۔

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو غزوۂ ذات سلاسل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے بھیجا تھا وہاں ان کے رشتہ دار و قرابتدار رہتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مہربانی کا برتاؤ کرنا چاہتے تھے، اُن سے بہتر آدمی موجود تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہیں بھیجا اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہی کو بھیجا۔

اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت اس لیے دی کہ ان کے باپ کا بدلہ لے سکیں۔

غرض یہ کہ بعض لوگوں کو کسی مصلحت راجح کی بناء پر عامل اور گورنر بنا دیتے تھے، حالانکہ ان سے بہتر

اور افضل، اور علم و ایمان کے لحاظ سے بہت اچھے موجود ہوتے تھے۔

اسی طرح خلیفہ امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے، فتنہ ارتداد جب کھڑا ہو گیا تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ہی امیر لشکر بنایا تھا۔ اور فتوح عراق و شام میں بھی انہیں کو امیر و سالار بنا کر بھیجا تھا، حالانکہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے تاویل کی بنیاد پر بعض ہفوات (یعنی غلطیاں) صادر ہوتی رہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ ان ہفوات میں ان کی خواہش کو دخل تھا لیکن پھر بھی ان کو معزول نہیں کیا بلکہ عتاب کر کے چھوڑ دیا۔ اور مصلحت کو مفسدہ کے مقابلہ میں ترجیح دی، اور انہی کو باقی رکھا کہ کوئی دوسرا ان کا قائم مقام بن سکے ایسا نہیں تھا۔

علاوہ ازیں یہ کہ جب متولی کبیر (جنرل سیکرٹری)، خلیفہ، والی، امیر ﴿حاکمِ وقت﴾ کے خلق میں نرمی ہو تو اسکے نائب میں شدت و سختی ہونا چاہیے۔ اور اگر متولی کبیر (جنرل سیکرٹری) اور امیر میں سختی ہو تو نائب میں نرمی ہونی چاہیے تاکہ ایک کی سختی اور دوسرے کی نرمی سے اعتدال قائم رہے، اور اسی بناء پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو باقی اور قائم رکھنے پر مصر تھے۔ اس لیے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نرم دل نرم خو تھے، اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کو معزول کرنا چاہتے تھے اور ان کی جگہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کو لانا چاہتے تھے، اس لیے کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ میں سختی تھی جیسی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں سختی تھی اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نرم دل نرم خو تھے جیسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور اس وقت اصلح ﴿بہتر﴾ وہی تھا جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں لشکر اسلام کے سپہ سالار رہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لشکر اسلام کے والی ﴿سپہ سالار﴾ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح رہے۔ اور اس طرح معاملہ اعتدال پر رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے یہ فرمایا:

اَنَا نَبِیُّ الرَّحْمَةِ اَنَا نَبِیُّ الْمَلْحَمَةِ

میں نبی رحمت (بھی) ہوں اور میں نبی ملحمہ (یعنی حرب و جنگ والا نبی بھی) ہوں۔

اور آپ کا ارشاد ہے:

اَنَا الضَّحُوْكُ الْقَتَّالُ وَ اُمَّتِیْ وَسْطٌ

میں زیادہ خندہ پیشانی سے لڑنے والا ہوں اور میری امت وسط ہے۔

اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ط تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (فتح:29)

کافروں کے حق میں بڑے سخت اور آپس میں رحم دل۔ تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کررہے ہیں اور کبھی سجدہ کررہے ہیں، اللہ کے فضل اور خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں۔

اور اللہ کا ارشادِ گرامی ہے:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (مائدہ:54)

مسلمانوں کے ساتھ نرم اور کافروں کیساتھ سخت ہیں۔

اسی وجہ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ولایت وامارت کامل تھی اور ولایت ﴿حکومت﴾ کے معاملات کامل طریقہ پر انجام پاتے رہے اور اعتدال قائم رہا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ دونوں اپنی اپنی جگہ دو بازو سمجھے جاتے تھے۔ ایک نرم دل، نرم خو تھے، دوسرے سخت دل اور سخت طبیعت تھے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی شان میں فرمایا:

اِقْتَدُوْا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ

میرے بعد تم ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور عمر (رضی اللہ عنہ) کی اقتداء کرنا۔

چنانچہ مرتد ﴿منکرین زکوٰۃ﴾ کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شجاعتِ تقلب ﴿دلی قوت﴾ کا ایسا مظاہرہ ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی حیران تھے اور اس کی امید قطعاً نہیں رکھتے تھے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس سے بے خبر تھے اور کہتے تھے صرف زکوٰۃ سے انکار کرنے پر آپ جہاد کیسے کرتے ہیں۔

پس اگر امانت وغیرہ کی ولایت اور امارت ہے، اور شدید وسخت آدمی کو مقدم رکھا جائے، مثلاً مال کی حفاظت وغیرہ میں سخت آدمی کی ضرورت ہے لیکن مال نکلوانا اور اس کی حفاظت کے لیے قوت اور امانت کی ضرورت ہے اور اس لیے قوی اور سخت امیر وحاکم کی ضرورت ہے کہ اس کی طاقت سے مال

وصول کیا جا سکے۔ اور امین کاتب و منشی (یعنی اکاؤنٹینٹ، آڈیٹر) کی ضرورت ہے کہ ان کی قابلیت سے مال محفوظ رہے، اور مال کی حفاظت ہو سکے اور یہی حال و حکم ہے امارتِ جنگ کا، صاحب علم و دین کے مشورے سے امیر جنگ سپہ سالار قائم کیا جائے، اور یہ ہر دو مصلحتیں ملحوظ رکھی جائیں اور یہی حال و حکم تمام ولایتوں ﴿حکومتوں﴾، اور ہمہ قسم کی امارتوں ﴿وزارتوں﴾ کا ہے۔

اگر ایک آدمی سے مصلحت امارت پوری نہ ہو سکے تو دو یا تین یا زیادہ آدمی رکھے جائیں۔ اور ترجیح اصلح ﴿بہتر﴾ کو دی جائے۔ اور متعدد والی، گورنر اور سردار مقرر کیے جائیں، جب ایک سے کام انجام نہ پاتا ہو، بہرحال اصلح ﴿بہتر﴾ کو مقدم رکھا جائے۔

اور ولایت قضاء (عدلیہ کے ججوں) کے لیے اعلم ﴿قرآن و حدیث کا سب سے بڑا عالم﴾ اور ورع ﴿بہت زیادہ عبادت کرنے والا﴾ اور اکفاء ﴿قانع و صابر﴾ کو مقدم رکھا جائے، اور اگر ایک اعلم ہے اور دوسرا اورع صاحب تقویٰ ہو تو غور کیا جائے کہ اورع کی خواہش اور اعلم کا اشتباہ حکم ﴿فیصلے﴾ کے ظہور اور حکم کے اشتباہ میں خلل انداز تو نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْبَصِيْرَ النَّاقِدَ عِنْدَ وُرُوْدِ الشُّبُهَاتِ وَ يُحِبُّ الْعَقْلَ عِنْدَ حُلُوْلِ الشَّهَوَاتِ

اللہ تعالیٰ بصیر و ناقد کو دوست رکھتا ہے شبہات واقع ہونے کے وقت اور شہوات کے آڑے آنے کے وقت عقل کو محبوب رکھتا ہے۔

اور اکفاء کے مقابلہ میں رکھا جائے گا۔ اگر قاضی کو والی حرب، امیر جنگ یا والی عامہ ﴿یعنی گورنر﴾ کی تائید حاصل ہے تو قضاء ﴿فیصلے﴾ کے لیے اعلم ﴿زیادہ علم والے﴾ اور اورع ﴿یعنی صاحبِ تقویٰ﴾ کو ترجیح دی جائے گی۔ قاضی اعلم اور قاضی اورع کو مقدم رکھا جائے گا۔ اور اگر علم و ورع کے مقابلہ میں قوت و اعانت کی ضرورت زیادہ ہے تو اکفاء کو مقدم رکھا جائے کیونکہ قاضی مطلق کی شرط یہی ہے کہ وہ عالم، عادل اور نفاذِ حکم پر قادر ہو، اور قضاء پر یہ موقوف نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے ہر والی کے لیے ایسا ہی ہونا چاہیے۔ پس مذکورہ صفات و اوصاف میں سے کسی صفت کسی وصف میں بھی نقصان ہوگا تو اس کی وجہ سے خلل واقع ہونا ضروری ہے، اور کفایت جس قسم اور جس طرح کی بھی ہو، قہر و غضب کی ہو،

یا احسان ورغبت کی، بہر حال کفایت کی ضرورت ہے۔

بعض علماء سے پوچھا گیا کہ قضاء ﴿عدلیہ﴾ کے لیے کوئی آدمی ﴿یعنی جج﴾ نہیں ملتا۔ اور ملتا ہے تو ایسا کہ عالم فاسق ہے یا جاہل دیندار، ان دونوں میں سے کسے ترجیح دی جائے؟ انہوں نے جواب دیا اگر غلبہ فساد کی وجہ سے دین میں خلل واقع ہو رہا ہے تو جاہل دیندار کو مقدم رکھا جائے۔ اور اگر غفلت حکام کی وجہ سے دین میں خلل واقع ہو رہا ہے تو عالم فاسق کو مقدم رکھا جائے اور اکثر علماء جاہل دیندار کو مقدم رکھتے ہیں کیونکہ تمام ائمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ متولی، امیر ایسا شخص ہو جو عادل اور شہادت کا اہل ہو۔

اور شرطِ علم میں اختلاف ہے کہ کس قسم کا متولی امر ﴿جج﴾ ہونا چاہئے! آیا وہ مجتہد ہو یا مقلد! یا امثل فالامثل کہ جیسا آدمی مل جائے مقرر کر لیا جائے۔ اس مسئلہ میں بحث و کلام کے لیے دوسری جگہ ہے۔ یہاں اس کا موقع نہیں ہے۔ بہر حال غیر اہل کو متولی امر ﴿ذمہ داری﴾ بنانا ضرورت کے لیے جائز ہے اور اصلح ﴿یعنی بہتر﴾ کے موجود ہوتے ہوئے بھی جائز ہے، حالات کی اصلاح کا خیال رکھنا فرض ہے تاکہ ولایت امر اور امارت ﴿حکومت﴾ کی رعایا اور عامۃ الناس کو ضرورت ہے وہ پوری ہو جائے، جس طرح کہ معسر و تنگ دست کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرض اور دین ﴿یعنی جرمانہ﴾ ادا کرنے کے لیے کوشش کرے، لیکن فی الحال اس سے اسی قدر ﴿مالیت﴾ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے جس قدر ﴿مالیت﴾ کے ادا کرنے کی توفیق ہو، اور جس طرح کہ جہاد کی تیاری کے لیے قوت اور گھوڑے باندھنے کا حکم ہے لیکن عجز و بے بسی کے وقت ساقط ہو جاتا ہے اور حسب استطاعت جو کچھ میسر آئے کرنا فرض ہے، اور ضروری ہے کہ جس قدر واجب و فرض ہے اُسے پورا کیا جائے بخلاف حج اور دوسری عبادتیں کہ ان میں یہ حکم نہیں ہے۔ بلکہ حج وغیرہ اس پر فرض ہے جو۔

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط (آل عمران:97)

جس کو اس تک پہنچنے کا مقدور (یعنی اسباب وقوت) ہو۔

یہ فرض ہے کہ وہ استطاعت وقدرت پیدا کرے، کیونکہ حج واجب ہی اس وقت ہوتا ہے جب استطاعت موجود ہو۔ استطاعت پیدا کرنا اس پر فرض نہیں ہے۔

باب 4 (Chapter) کے مضامین

اصلح ﴿بہتر﴾ کی پہچان، مقصود ولایت ﴿حکومت کے اہداف﴾، مقاصد و وسائل کی معرفت، مقصد ﴿حکومت و﴾ ولایت، دین کی اصلاح، جمعہ اور جماعت کا قیام، اور مخلوق کی دینی اصلاح۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے میں تمہارے پاس عُمال ﴿گورنر و افسر﴾ اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارے رب کی کتاب اور نبی کی سنت سکھائیں اور دین کو جاری اور باقی رکھیں۔

اس باب میں اہم ترین چیز اصلح ﴿بہتر لائق اور اہل شخص﴾ کی پہچان ہے، اور مقصدِ ولایت و حکومت اور طریق مقصود کی پہچان سے اصلح کی پہچان ہوتی ہے ﴿یعنی مقصد حاصل کرنے کے لیے جو طریقہ اپنایا جائے اس کی بناء پر بہتر، لائق، اہل اور اصلح شخص کی پہچان ہوتی ہے لہٰذا﴾، جب تمہیں مقاصد و وسائل کی پہچان ہو جائے گی تو سمجھ لو اس کام کو تم نے پوری طرح سمجھ لیا۔

جب بادشاہوں اور سلاطین پر دنیا غالب آ گئی اور دین چھوڑ دیا تو ان کی ولایت ﴿یعنی حکومت﴾ وسلطنت میں ایسے لوگوں ﴿کو بیوروکریسی کے طور پر﴾ کو مقدم رکھا گیا جو اُن کے مقاصد کو پورا کریں۔ جو شخص اپنی ذات کے لیے ریاست کا طالب تھا اس نے اس کو مقدم رکھا جو اس کی ریاست کو قائم رکھے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ تھی کہ امراء حرب ﴿یعنی وزیر جنگ﴾ جو سلطان کے نائب اور فوج ولشکر کے سپہ سالار ہیں وہ مسلمانوں کی نماز جمعہ اور نماز باجماعت پڑھائیں اور انہیں خطبہ دیں۔ اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کے لیے آگے کھڑا کیا تھا اور اسی لیے مسلمانوں کی امارتِ حرب اور سپہ سالاری وغیرہ میں انہیں کو مقدم رکھا گیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو امیر حرب ﴿یعنی﴾ سپہ سالارِ لشکر بنا کر بھیجتے تھے، ﴿تو﴾ سب سے پہلے اُسے نماز باجماعت پڑھانے کا حکم فرماتے تھے۔ اسی طرح جب کِسی کو کسی شہر کا عامل ﴿یعنی گورنر یا

افسر﴾ بنا کر بھیجتے تھے تو اُسے جماعت سے نماز پڑھانے کا حکم فرماتے مثلاً سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ معظّمہ کا حاکم ﴿ گورنر﴾ بنا کر بھیجا اور سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو طائف کا حاکم بنا کر بھیجا اور سیدنا علی معاذ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور سیدنا عمرو ابن حزم رضی اللہ عنہ کو نجران کا حاکم بنا کر بھیجا تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہی با جماعت نماز پڑھایا کرتے تھے اور حدود وغیرہ بھی یہی لوگ قائم کرتے تھے اور امیر الحرب ﴿یعنی سپہ سالار اور وزیر جنگ﴾ جو ﴿ کچھ ﴾ کیا کرتے تھے یہ ﴿ گورنر و افسر﴾ بھی کرتے تھے ﴿یعنی ان کے اختیارات میں جنگ وانتظامِ جنگ اور سپہ سالاری کے اُمور بھی ہوا کرتے تھے ﴾۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء نے بھی یہی کیا۔ بنوامیہ کے بادشاہوں اور بعض عباسیوں نے بھی یہی کیا اور اس لیے کیا کہ سب سے زیادہ اہم دین کے بارے میں نماز اور جہاد ہے اور یہی وجہ ہے جو اکثر احادیث نبویہ میں نماز اور جہاد کو ساتھ ہی ساتھ بیان کیا گیا ہے چنانچہ جب کسی مریض کی عیادت کو جاتے تو کہا کرتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ لِيَشْهَدَ لَكَ صَلٰوةً وَ يَنْكَاءَ لَكَ عَدُوًّا

اے اللہ تو اس بندے کو شفاء دے تاکہ تیری نمازیں حاضری دے اور تیرے دشمن کا مقابلہ کرے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا:

يَا مَعَاذُ اِنَّ اَهَمَّ اَمْرٍ عِنْدِی الصَّلٰوةُ

اے معاذ! سب سے اہم کام تمہارے لیے میرے نزدیک نماز ہے۔

اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے عُمال ﴿تحصیلداروں﴾ اور گورنروں کو لکھا کرتے تھے:

اِنَّ اَهَمَّ اُمُورِكُمْ عِنْدِی الصَّلٰوةُ فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا وَ حَفِظَهَا حَفِظَ دِيْنَهٗ وَ مَنْ ضَيَّعَهَا كَانَ سِوَاهَا مِنْ عَمَلِهٖ اَشَدُّ اِضَاعَةً

میرے نزدیک تمہارے لیے اہم ترین کام نماز ہے جو شخص اس کی محافظت اور پابندی کرتا ہے اس نے اپنے دین کی حفاظت کر لی اور جس نے نماز کو ضائع کیا تو نماز کے سوا دوسرے اعمال کو لازماً ضائع کرے گا۔

اور یہ اس لیے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ

نماز دین کا ستون ہے۔

جب متولی امر﴿ حاکم وقت، گورنر اور تمام افسر﴾ اس ستون کی حفاظت کریں گے تو نماز اُنہیں فحش اور منکرات سے بچا لے گی۔ اور دوسری طاعات وعبادات میں معین ومددگار ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَا شِعِيْنَ (بقرہ:49)

اور صبر اور نماز کے ذریعے اللہ کی مدد حاصل کرو اور البتہ نماز ﴿قائم کرنا بہت﴾ شاق ﴿بھاری اور مشکل﴾ ہے مگران پر نہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

اور فرماتا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ (بقرہ:153)

ایمان والو! تم کو کسی طرح کی مشکل پیش آئے تو اس کے مقابلہ کے لیے صبر اور نماز کے ذریعے اللہ کی مدد حاصل کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًاؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (طٰہٰ:132)

اے نبی! اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کے پابند رہو، ہم آپ سے کچھ روزی تو طلب کرتے نہیں بلکہ ہم روزی دیتے ہیں اور اچھا انجام تو پرہیز گاروں ہی کا ہے

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنَo اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (ذاریات:56-57)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کیا کریں، ہم ان سے کچھ روزی کے تو خواہاں نہیں ہیں اور نہ اس کے خواہاں ہیں کہ ہمیں کھلائیں۔ اللہ خود بڑا

روزی دینے والا، قوت والا زبردست ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ولایات و امارات ﴿حکومت و اقتدار کا﴾ اصل مقصود اللہ کی مخلوق کی خدمت و اصلاح ہے۔ اور جب دین کو لوگ چھوڑ دیں گے تو سخت ترین گھاٹا اٹھائیں گے اور جو دنیوی نعمتیں ان کو دی گئی ہیں ان کو قطعاً مفید اور نفع بخش نہ ہوں گی اور جس دنیا سے ان کو دینی اصلاح حاصل ہوتی ہے وہ نہ ہوگی۔

جس دنیا سے ان کو دینی اصلاح ہوتی ہے وہ دو قسم کی ہے۔ ایک یہ کہ مال کو مستحق لوگوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ دوسری یہ کہ زیادتی اور ناحق لینے والوں کو عقوبت ﴿قید﴾ اور سزا دی جائے، پس جو آدمی ظلم و زیادتی نہیں کرتا تو سمجھ لو اُس نے اپنے دین کی اصلاح کر لی۔ اسی لیے خلیفہ دوم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

اِنَّمَا بَعَثْتُ عُمَّالِیْ اِلَیْکُمْ لِیُعَلِّمُوْکُمْ کِتَابَ رَبِّکُمْ وَ سُنَّةَ نَبِیِّکُمْ وَیُقِیْمُوا بَیْنَکُمْ دِیْنَکُمْ

میں اپنے عمال ﴿زکوٰۃ اور جزیہ لینے والے افسران﴾ اور گورنر تمہاری طرف اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ تم کو تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی ﷺ کی سنت سکھائیں اور تم میں تمہارا دین باقی اور قائم رکھیں۔

پس اس وقت جبکہ رعیت ﴿عوام الناس﴾ کسی بھی وجہ بگڑ گئی ہے اور راعی ﴿حاکم وقت، صدر، وزیر اعظم، گورنر، وزیر، مشیر، ساری کی ساری بیوروکریسی، جج، پولیس اور فوجی افسران﴾ بھی کسی وجہ سے بگڑ چکے ہیں اور اس کی وجہ سے تمام اُمور درہم برہم ہو گئے تو ان کی اصلاح بھی دشوار ہے۔ پس جو ''راعی'' حسب امکان لوگوں کے دین اور دنیا کی اصلاح کرے گا، وہ اپنے زمانے میں سب سے بہتر و افضل اور افضل المجاہدین ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

یَوْمٌ اِمَامٍ عَادِلٍ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّیْنَ سَنَةً

امام عادل ﴿یعنی عادل حکمران﴾ کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

اور مسند امام احمد رحمہ اللہ میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللهِ اِمَامٌ عَادِلٌ وَاَبْغَضُهُمْ اِلَيْهِ اِمَامٌ جَائِرٌ (مسند امام احمد)
مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ کو محبوب عادل حاکم ہے اور اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ﴿یعنی جس پر سب سے زیادہ اللہ کا غضب نازل ہو وہ﴾ آدمی ظالم حکمران ہے۔

اور صحیحین میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ اِمَامٌ عَادِلٌ وَ شَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَ رَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اِجْتَمَعَا عَلٰى ذَالِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَ رَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتَ مَنْصَبٍ وَ جَمَالٍ اِلٰى نَفْسِهَا قَالَ اِنِّيْ اَخَافُ اللهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمُ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ (متفق علیہ)

سات آدمی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں رکھے گا، جبکہ اللہ کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا، عادل حکمران، اور جوان آدمی جو عبادت میں اپنا وقت گزارتا ہے، اور وہ آدمی جس کا دل مسجد سے لگا ہوا ہے جب مسجد سے نکلتا ہے یہاں تک کہ وہ پھر لوٹ کر مسجد میں پہنچے، اور وہ دو آدمی جن کی دوستی محض اللہ کے واسطے ہو، اور اسی دوستی کی وجہ سے وہ ملتے ہیں اور اسی دوستی پر رخصت ہوتے ہیں۔ وہ آدمی جو خالص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے، اور وہ آدمی جس کو کسی صاحب منصب و جمال عورت نے نفس پرستی (یعنی زنا) کے لیے بلایا اور اس نے کہہ دیا میں اللہ! رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور وہ آدمی جو خیرات دے اور اس کو چھپائے یہاں تک کہ اس کا داہنا ہاتھ خرچ کرتا ہے تو اس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا۔

صحیح مسلم میں سیدنا عیاض بن حماد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ سُلْطَانٌ مُقْسِطٌ وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِيْ قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ وَرَجُلٌ غَنِيٌّ عَفِيْفٌ مُتَصَدِّقٌ

تین قسم کے لوگ جنتی ہیں، عادل حکمران، اور وہ آدمی جو جو رحمدل رقیق القلب ہے ہر

قرابتدار اور ہر مسلمان پر رحم کرتا ہے، اور وہ آدمی جو غنی اور با عفت (یعنی لوگوں سے نہ مانگنے والا) ہے اور خیرات کرتا ہے۔

اور سنن میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

اَلسَّامِیُ عَلَی الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

اللہ کے لیے جو صدقہ وخیرات کی کوشش کرتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی مانند ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم فرمایا تو فرمایا:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ط (بقرہ:193)

اور وہاں تک ان سے لڑو کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے اور ایک اللہ کا دین چلے۔

رسول اللہ ﷺ کی جناب میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آدمی کبھی شجاعت دکھانے کو جنگ کرتا ہے، کبھی حمیّت ﴿وغیرت﴾ کی وجہ سے، اور کبھی ریاء اور دکھاوے کے لیے، تو ان میں سے کونسا فی سبیل اللہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (اخرجاه فی الصحیحین)

جو اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین بلند ہو، وہ فی سبیل اللہ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جہاد کا مقصد بھی یہ ہے کہ سب کا سب اللہ کا دین ہو اور اللہ کا دین بلند ہو اور "کلمۃ اللہ" ایسا جامع اسم ہے جو کتاب اللہ پر بھی مشتمل اور متضمن ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ط (حدید:25)

البتہ تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے معجزے دے کر بھیجا ہے اور انکی معرفت کتابیں اُتاریں اور نیز ترازو تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔

رسولوں، پیغمبروں کو بھیجنے اور کتاب نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں عدل وانصاف قائم کریں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ (حدید:25)

اور ہم نے لوہا نازل کیا، اس میں بڑا خطرہ ہے اور اس میں لوگوں کے فائدے بھی ہیں، اور ایک غرض یہ بھی ہے کہ اللہ ان لوگوں کو معلوم کرے جنہوں نے اللہ کو دیکھا نہیں، اور پھر بھی اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پس جو شخص کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے اُسے لوہے ﴿یعنی تلوار، گولی اور بم وغیرہ﴾ سے سیدھا کیا جائے، اس لیے کہ دین کا ﴿قیام و﴾ قوام، دین کی مضبوطی اور پائیداری کتاب اللہ ﴿قرآن وسنت﴾ اور شمشیر و بندوق ہوتی ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے: اَنْ نَضْرِبَ بِهٰذَا۔ یعنی ہم تلوار سے اُسے ماریں جو قرآن سے منہ موڑے۔

پس جبکہ مقصود یہ ہے تو اقرب فالاقرب طریقے سے مقصود حاصل کیا جائے، اور ایسے دو آدمیوں کو دیکھا اور جانچا جائے کہ اقرب الی المقصود (Near to requirement) دونوں میں سے کون ہے؟ جو دونوں میں اقرب الی المقصود ہو اُسے والیٔ امر ﴿حاکم، گورنر، مجاز افسر، جج، سپہ سالار، زکوۃ وصدقات اور جزیہ اکٹھا کرنے والے تحصیلدار﴾، اور ﴿چھوٹا بڑا﴾ امیر مقرر کیا جائے۔

پس اگر صرف ولایت وامامت ﴿حکومت وحکمرانی﴾ ہے تو ایسے شخص کو مقدم رکھنا چاہیے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدم رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَءُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ كَانُوْا فِي قِرَاءَةٍ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً

فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِيْ سُلْطَانِهٖ وَلَا يَجْلِسُ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (رواہ مسلم)

قوم کی ﴿نمازِ باجماعت کی﴾ امامت وہ کرے جو زیادہ قرأۃ یعنی عالمِ قرآن ہو، اگر قرأۃ (وعلم) میں سب برابر ہیں تو سنت کو جاننے والا امامت کرے، اگر سنت جاننے میں سب برابر ہیں تو امامت وہ کرے جو ہجرت میں مقدم ہے، اگر ہجرت میں تمام برابر ہیں تو زیادہ عمر والے کو امام مقرر کرنا چاہیئے اور کوئی آدمی اس کی حکومت میں امامت نہ کرے، اور اس کی عزت کی جگہ اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔

جب دو آدمی برابر ہیں، اور دونوں میں سے کسی ایک کا اصلح ﴿بہتر﴾ ہونا معلوم نہ ہو سکے تو قرعہ ڈالنا چاہیئے، جس طرح کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جنگ قادسیہ کے موقع پر کیا تھا، لوگ باہم مشاجرۃ (یعنی لڑنے) اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے کہ اذان ہم کہیں گے اور بہت سے آدمی اپنا استحقاق جتانے لگے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی اتباع ﴿پیروی﴾ کی گئی کہ:

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا

اور لوگ اذان کی حقیقت اور صف اوّل کا ثواب سمجھ لیں تو اذان اور صف اوّل کے لیے قرعہ ڈالنے کی ضرورت پڑے تو قرعہ ڈالیں مگر ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

جب وجہ ترجیح مخفی ہو تو قرعہ ڈالے، ایسا کر لیا تو متولی امر ﴿یعنی حاکم﴾ نے امامت کا حق ادا کر دیا، اور اس کی ولایت مستحق وحقدار کو پہنچا دی۔

نوٹ: امانتوں کی ایک قسم یعنی حکومت و اقتدار اور اختیار حقدار، اہل اور ''اصلح'' شخص کو دینے ﴿یعنی ٹرانسفر آف پاور Transfer of Power﴾ کے متعلق بحث مکمل ہوئی۔ اب امانت کی دوسری قسم ''مال و دولت کی تقسیم'' کے متعلق گذارشات پیش کی جائیں گی۔

باب5 (Chapter) کے مضامین

امانتوں کی دوسری قسم مال ہے، اور یہ دیوان (یعنی رجسٹرار) خاصہ و عامہ، ودیعت ﴿کوئی چیز تحفہ کی صورت میں دینا﴾، شرکت، توکل، مضاربت، یتیم کے مال، اور وقف وغیرہ پر مشتمل ہے، اور صدقہ، خیرات فقراء کو، مسکینوں کو، اور عاملین ﴿زکوٰۃ وصدقات جزیہ وغیرہ اکٹھا کرنے والے تحصیلدار﴾، مؤلفۃ القلوب ﴿کسی کا دل مائل بہ اسلام کرنے﴾ کیلئے، غلام آزاد کرانے میں، قرضداروں کو دینا، اللہ کی راہ میں دینا اور مسافروں کی مدد کو شامل ہے۔(توبہ:60)۔

امانتوں کی دوسری قسم مال سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ قرض اور دین ﴿جرمانہ وغیرہ﴾ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ (بقرۃ:283)

پس اگر تم میں سے ایک ﴿شخص﴾ دوسرے کا اعتبار کرے تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اُسے چاہئے کہ قرض دینے والے کی امانت کو ادا کر دے، اور اللہ سے، جو اس کا رب ﴿اور پروردگار﴾ ہے، ڈرے۔

اس قسم میں اعیان ﴿جن کی مدد کی جائے﴾، دیوان (رجسٹرار) خاصہ و عامہ، مثلاً ودیعتیں ﴿تحفے﴾ اور شریک (پارٹنر)، موکل، مضارب (کاشتکار)، یتیم کا مال، وقف (ٹرسٹ)، سامان کی قیمت ادا کرنا، قرض، عورتوں کے مہر، منافع کی اُجرتیں وغیرہ شامل ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ الی قوله وَالَّذِیْنَ لِاَمَانَاتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ

بیشک انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے، جب اس کو نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے، اور جب اس کو فائدہ پہنچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، مگر جو نماز گزار ہیں وہ اپنی نمازوں میں کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے اور جن کے مال و دولت میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حصہ معین ہے،...... اللہ کے اس فرمان تک،...... اور جو (اپنی تحویل کی) امانتوں کا، اپنے وعدے اور عہد کا پاس کرتے ہیں۔ (معارج:19 تا 32)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِيْنَ خَصِيْمًا ○ (نساء:105)

اے پیغمبر ﷺ ہم نے کتاب برحق تم پر نازل کی ہے کہ جیسا آپ کو اللہ نے دکھلا دیا ہے اسکے مطابق لوگوں کے باہمی جھگڑے چکا دیا کرو۔ اور دغابازوں (خیانت کرنے والوں) کے طرف دار نہ بنو۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ

تمہارے پاس جس نے امانت رکھی ہے تو اُسے تم دے دو، اور تمہارے ساتھ کوئی خیانت کرے تو تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَالْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ عَمَّا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ

مومن وہ ہے جس سے دیگر مسلمان اپنے خون اور مال کے بارے میں بےخوف ہوں۔ اور مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو سلامتی ملے، اور مہاجر وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے رُک جائے اور مجاہد وہ ہے جو ذاتِ الٰہی کے لیے اپنی

جان سے جہاد کرے۔

یہ حدیث صحیح ہے، حدیث کے بعض حصے بخاری و مسلم میں ہیں اور بعض حصے سنن ترمذی میں بھی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَائَا اَدَاهَا اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَهَا يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ (رواہ البخاری)

جو لوگوں کا مال اس ارادہ سے لیتا ہے کہ اُسے ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کرا دیتا ہے اور جو اس ارادہ سے لیتا ہے اُسے ضائع کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اُسے ضائع کرا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان امانتوں کے متعلق فرض کیا ہے جن پر کسی حق سے فیصلہ کیا گیا ہے، اور تنبیہ فرماتا ہے کہ جب اس میں غصب یا دُوری کی گئی ہو، یا خیانت وغیرہ ہوئی ہو یا کسی قسم کا ظلم ہوا ہو، تو ان کا ادا کرنا فرض ہے، اسی طرح عاریۃً ﴿مانگ کر لینا﴾ اور مستعار (اُدھار لی ہوئی) چیزیں بھی واپس کرنا فرض ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ہے:

اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

عاریۃً ﴿مانگ کر﴾ لی ہوئی چیز واپس کی جائے اور اونٹ کا بچہ جس کے لیے مخصوص کیا گیا ہو اُسے دے دیا جائے، اور قرض ادا کر دیا جائے، اور زعیم و قائد پر جو لازم ہے ادا کر دے بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا۔ پس وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔

﴿امانتوں کی﴾ اس قسم میں والیان امر ﴿تمام بیوروکریٹ﴾، والیان ملک ﴿حاکم وقت﴾، اور رعیت ﴿عوام الناس﴾ سب شامل ہیں، والیان امر، ﴿تمام بیوروکریٹ﴾، والیان ملک ﴿حاکم وقت﴾، اور رعیت ﴿عوام الناس﴾ سب کا فرض ہے کہ ایک دوسرے پر جو واجب ہے اُسے ادا کریں، پس سلطان ﴿حاکمین وقت﴾ اور نائبین سلطان ﴿گورنر و افسران﴾ کا فرض ہے کہ وہ ﴿لوگوں کو مال و دولت﴾ عطاء ﴿کرنے﴾ میں کوتاہی نہ کریں، اور مستحقین، حقداروں کے حقوق پورے پورے

دے دیں، اور اہل دیوان (رجسٹرار و آڈیٹر) کا فرض ہے کہ وہ سلطان ﴿یعنی حکام﴾ کو وہ دے دیں جس کا دینا ان پر ﴿فرض﴾ کیا گیا ہے، اسی طرح رعیت ﴿عوام الناس﴾ پر فرض ہے کہ ان پر جو حقوق لازم کیے گئے ہیں ادا کر دیں، اور رعیت کے لیے یہ جائز نہیں کہ والیان ملک ﴿یعنی حکام﴾ سے وہ ایسا مطالبہ کریں جس کا ان کو حق نہیں دیا گیا۔ اگر یہ مطالبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے ماتحت آ جائیں گے:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ ۝ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (توبہ: 58 تا 60)

اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ زکوٰۃ میں آپ ﷺ پر الزام لگاتے ہیں، پھر اگر ان کو اس میں سے دیا جائے تو خوش ہوتے ہیں، اور اگر اس میں سے ان کو نہ دیا جائے تو فوراً ہی بگڑ بیٹھتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے ان کو دیا تھا اگر یہ اس کو خوشی سے لے لیتے اور کہتے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے، اور اب نہیں دیا تو کیا ہے، آئندہ اپنے کرم سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہم کو دیں گے ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے بیٹھے ہیں، زکوٰۃ تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا، اور ان افسران کا جو زکوٰۃ وصول کرنے پر تعینات ہیں اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا منظور ہے اور نیز قید و غلامی سے غلاموں کی گردنیں چھڑانے میں، اور قرضداروں کے قرض میں اور اللہ کی راہ میں، اور مسافروں کے زادِ راہ میں، یہ ﴿مصارفِ زکوٰۃ﴾ اللہ کے فرض کیے ہوئے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والا بڑا با تدبیر ہے۔

اور انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ سلطان ﴿حاکم وقت﴾ کے وہ حقوق جو ان لوگوں پر واجب ہیں روک لیں۔ اور نہ دیں، اگر چہ سلطان ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، اور یہ

اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب والیانِ ملک ﴿حاکم و گورنرز﴾ کے ظلم و جور کی شکایت کی گئی تھی فرمایا:

اَدُّوْا اِلَیهِمُ الَّذِیْ لَهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ

جو حق اُن کا تم پر ہے، ادا کر دیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ رعیت ﴿عوام الناس﴾ کے حقوق کا سوال اُن سے کرے گا۔

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا هَلَكَ نَبِیٌّ وَ سَیَکُوْنُوْا خُلَفَاءَ وَیُکْثِرُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ اَوْفُوْا بَیْعَةَ الْاَوَّلِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ (صحیح بخاری و مسلم)

بنی اسرائیل کی سیاست ﴿یعنی حکومت﴾ انبیاء کرام کیا کرتے تھے، جب کسی پیغمبر کی وفات ہوتی تھی دوسرے پیغمبر کو خلیفہ بنا لیتے، اور میرے بعد کوئی نبی و پیغمبر نہیں ہوگا، خلفاء ہونگے، اور بہت ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا ایسے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی بیعت کو پوری دیانتداری سے پورا کرو، جس سے پہلے بیعت کی ہے اُسے پورا کرو، جو حقوق تم پر ہیں اُن کو دے دو، رعایا کے حقوق اللہ تعالیٰ ان سے پوچھ لے گا۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ اَثَرَةً وَ تُنْکِرُوْنَهَا قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَدُّوْا اِلَیهِمْ حَقَّهُمْ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ حَقَّکُمْ

میرے بعد تم دولت و ثروت بہت دیکھو گے اور ایسے اُمور اور ایسی باتیں بھی دیکھو گے جنہیں تم بُرا سمجھو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے حقوق جو تم پر ہیں تم ادا کر دیا کرو، اور اپنے حقوق تم اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو۔

پس والیانِ مال ﴿یعنی وزیر خزانہ اور اس کے ماتحت تمام چھوٹے بڑے بیوروکریٹ اور کلریکل

اسٹاف﴾ کو کسی طرح حق نہیں پہنچتا کہ وہ مال کو اپنی خواہشات کے مطابق تقسیم کریں۔ جس طرح کہ مال کے مالک اپنا مال تقسیم کر لیتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں لیتے دیتے ہیں، کیونکہ والیان مال اس مال کے مالک نہیں ہیں بلکہ امین ﴿امانت دار﴾، نائب ﴿سلطان﴾ اور وکیل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنِّیْ وَاللّٰہِ لَا اُعْطِیْ اَحَدًا وَّ لَا اَمْنَعُ اَحَدًا اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ

اللہ کی قسم! میں نہ کسی کو دیتا ہوں، نہ کسی سے مال کو روکتا ہوں، میں تو حقداروں پر اسی طرح تقسیم کرتا ہوں جیسا کہ مجھے حکم کیا گیا ہے۔ (رواہ البخاری)۔

غور کیجیے نبی کریم ﷺ رب العالمین کے رسول اور پیغمبر ہیں، لیکن فرماتے ہیں: دینے اور نہ دینے میں اپنے ارادہ کو کوئی دخل نہیں، اور تقسیم کرنے میں کسی قسم کا اختیار نہیں، جس طرح کہ مال کے مالکوں کو حق اور اختیار رہا کرتا ہے، ﴿یعنی وہ﴾ ہر طرح اس میں تصرف کر سکتے ہیں۔ اور سلاطین شاہانِ دنیا بغیر کسی حق اور بغیر استحقاق کے جس سے محبت کرتے ہیں اُنہیں دیتے ہیں، اور جس سے ناراض ہوتے ہیں اُسے محروم کر دیتے ہیں ﴿جیسا کہ آجکل پاک سرزمین میں بھی ہو رہا ہے﴾ لیکن اللہ کے پیغمبر ﷺ، اللہ کے بندے ہیں، اور جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں خرچ کرتے ہیں۔

اسی طرح سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی کیا کرتے تھے۔ کسی نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ کچھ اپنے لیے وسعت کر لیا کریں تو بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کے مال میں سے کچھ زیادہ لے لیا کریں تو اچھا ہے۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا میری اور ان لوگوں کی مثال تمہیں معلوم نہیں ہے، ان کی مثال ایسی ہے کہ کچھ لوگ سفر کر رہے ہیں، ان لوگوں نے اپنا مال جمع کر کے ایک ﴿شخص﴾ کے سپرد کیا کہ یہ مال ہمارے لیے مناسب طریقہ سے خرچ کرنا، تو کیا اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ اپنے لیے اس مال میں سے لے لے اور جس طرح چاہے خرچ کرے؟

ایک مرتبہ خمس میں ﴿یعنی مالِ غنیمت کے پانچویں حصے سے﴾ بہت سا مال ﴿و دولت﴾ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مال دیکھ کر بولے اُنھوں نے امانتیں دے دیں خوب کیا، بعض حاضرین بولے آپ امانت کو اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں تو لوگوں نے امانتیں آپ کو دے

دیں، اگر آپ اس میں خرد برد کرتے تو یہ لوگ بھی خرد برد کرتے۔

اور سزاوار اور لائق یہ ہے کہ لوگ اس حقیقت کو سمجھیں کہ اولی الامر ﴿حاکم﴾ کیا ہے اور اسکی حیثیت کیا ہے؟ اولی الامر کی مثال بازار کی سی ہے، بازار میں جیسا کرو ویسا لے لو، جیسے دام ویسا مال۔

چنانچہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: اگر تم صدق وصداقت، برّ و نیکی، عدل و انصاف اور امانتداری کرو گے تو تمہیں اس کے بدلہ میں یہی چیزیں ملیں گی۔ اگر تم کذب وجھوٹ، ظلم و جور، خیانت و بددیانتی کرو گے تو تمہیں اس کے جواب میں یہی ملے گا، اسی لیے ولی امر ﴿بیوروکریٹ افسر اور﴾ سلطان ﴿حاکمِ وقت، گورنر، وزیر، مال و دولت پر متعین شخص﴾ کا فرض ہے کہ حلال وطیب طریقہ سے حاصل کرے، اور جہاں حق ہو وہاں خرچ کرے، اور مستحق، حقداروں کو محروم نہ کرے۔

امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ اطلاع ہوئی کہ آپ کے بعض نائب رعایا پر ظلم و جور کر رہے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَمْ اٰمُرْهُمْ اَنْ يَّظْلِمُوْا خَلْقَكَ وَلَا يَتْرُكُوْا حَقَّكَ

اے اللہ میں نے ان کو ظلم و جور کا حکم نہیں دیا اور نہ تیرا حق چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔

باب 6 (Chapter) کے مضامین

سلطانی مال جس کا کتاب وسنت میں ثبوت موجود ہے، مال تین قسم کا ہے، مالِ غنیمت، مال صدقہ وخیرات، مال فئے۔ نبی کریم ﷺ کو پانچ چیزیں تمام انبیاء کے مقابلہ میں زیادہ دی گئی ہیں، تمہارے کمزوروں کی وجہ سے تمہیں روزی اور نصرت ملتی ہے۔ مالِ غنیمت ﴿جمع کرنے والے﴾ غانمین (یعنی جنہوں نے جنگ کے دوران دشمن کا چھوڑا ہوا مال ودولت جمع کیا، اُن) میں تقسیم کیا جائے، بنوامیہ، بنوعباس نے بھی ایسا کیا۔

وہ سلطانی مال ﴿یعنی بیت المال﴾ جس کی اصل کتاب وسنت میں ہے، تین قسم کا ہے، مالِ غنیمت، مالِ صدقہ وزکوٰۃ، مالِ فئے۔ مالِ غنیمت وہ مال ہے جو کافروں سے قتال و جنگ کر کے لیا جائے، اس کا ذکر اللہ نے سورۂ انفال میں کیا ہے، اور یہ سورۃ غزوۂ بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہے، اللہ نے اس سورت کو انفال اس لیے کہا ہے کہ مسلمانوں کے مال میں زیادتی ہورہی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ط اِلٰى قَوْلِهٖ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (الانفال:1اور41)۔

اے پیغمبر (ﷺ)! مسلمان سپاہی تم سے مالِ غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ مالِ غنیمت تو اللہ اور رسول (ﷺ) کا ہے...... جان رکھو کہ جو چیز تم لڑائی میں لوٹ کر لاؤ، اُس کا پانچواں حصہ اللہ کا اور رسول (ﷺ) کا اور رسول (ﷺ) کے قرابتداروں کا اور یتیموں کا، محتاجوں کا، اور مسافروں کا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o (انفال:69)

تو جو کچھ تم کو غنیمت سے ہاتھ لگا ہے اُس میں حلال ،طیب ﴿اور پاکیزہ﴾ کھاؤ، اور اللہ سے

ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطِيهِمْ نَبِيٌّ قَبْلِيْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَ طُهُوْرًا فَاَيُّمَا رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِيْ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ وَاُحِلَّتْ لِيْ الْغَنَائِمُ وَ لَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَ أُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً

مجھے پانچ چیزیں دیں گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ایک یہ کہ ایک مہینہ کی مسافت سے میرا رعب پڑتا ہے، اور مجھے فتح دی گئی ہے، اور تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاک کرنے کی جگہ بنائی گئی، پس میری اُمت میں سے جس کو نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لے، اور میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا گیا ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں تھا، مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے، اور مجھ سے پہلے نبی پیغمبر صرف اپنی قوم کے لیے بھیجے جاتے تھے اور میں ﴿قیامت تک آنے والے دنیا کے﴾ تمام لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَىِ السَّاعَةِ حَتّٰى يَعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَجُعِلَ رِزْقِيْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِيْ وَجُعِلَ الذُّلُّ وَ الصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ اَمْرِيْ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (مسند امام احمد)

میں قیامت کے قریب تلوار لے کر مبعوث ہوا ہوں، تا کہ لوگ اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں، اور میرا رزق میرے نیزے ﴿جیسے آجکل کے راکٹ و میزائل﴾ کے سایہ کے نیچے گردانا ﴿گیا ہے یعنی رکھ دیا گیا﴾ ہے، اور جو میری مخالفت کرے گا اُس کے لیے ذلت وخواری ہے، اور جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا وہ اُنہیں میں سے ہوگا۔

پس فرض ہے کہ مالِ غنیمت میں سے خمس ﴿یعنی﴾ پانچواں حصہ نکال لیا جائے، اور اس خمس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کیا جائے اور باقی کا مال غانمین یعنی غنیمت کا مال جمع کرنے والوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے ''مالِ غنیمت ان لوگوں کے لیے ہے جو جہاد میں شریک ہیں،

اور وہ ایسے لوگ جو قتال و جہاد کے لیے حاضر اور موجود رہے، قتال و جنگ کریں یا نہ کریں، اور غنیمت کا مال تقسیم کرنے میں نہ کسی کی ریاست وحکومت سے ڈرنا چاہیے نہ خاندان ونسب کی افضلیت سے مرعوب ہونا چاہیے، اور پورے عدل وانصاف سے تقسیم کر دینا چاہیے جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء کیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ فاتح ایران سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دوسروں کے مقابلہ میں اپنے ﴿آپ﴾ کو افضل واولیٰ سمجھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ

تم لوگوں کو نصرت اور رزق تمہارے کمزوروں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔

مسند احمد میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ ایک آدمی قوم کی حمایت وسرداری کی حیثیت سے لڑ رہا ہے تو اس کا حصہ دوسروں کے برابر ہی ہونا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ اِبْنَ اُمِّ سَعْدٍ وَهَلْ تُرْزَقُوْنَ وَ تُنْصَرُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ

اے ابن ام سعد! تمہاری ماں تم پر روئے کیا تم کو رزق اور نصرت تمہارے کمزوروں کی وجہ سے نہیں دی جاتی؟

﴿اس سے ثابت ہوا کہ کمانڈر انچیف اور دیگر فوجی افسران وممبران اور عام فوجی کا حصہ ایک جیسا ہے لیکن کیا ہمارے ملک میں فوجی کی تنخواہ کم اور افسر کی زیادہ نہیں؟ اگر ہے تو وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے﴾

چنانچہ خلافت بنی اُمیہ اور خلافت بنی عباس میں مالِ غنیمت غانمین، غنیمت حاصل کرنے والوں پر تقسیم ہوتا رہا۔ جبکہ مسلمان روم اور ترکوں اور بربر کے خلاف جنگ و جہاد کرتے تھے، ہاں امام ﴿حاکمِ وقت﴾ کے لیے یہ جائز ہے کہ ﴿جو مجاہد، فوجی یا افسر﴾ کوئی خطرناک اور اہم کام انجام دیدے، مثلاً بلند قلعے پر چڑھ گیا، اور دشمن کو شکست ہوئی، اس کے مثل کوئی دوسرا کام کیا تو اس کو نفل یعنی زیادہ دیدے، کیونکہ خود نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء نے نفل دیا تھا، چنانچہ سریۂ بدایہ میں نبی کریم ﷺ نے خمس کے علاوہ ایک چوتھائی اور دیا تھا، اور غزوہ رجعہ میں خمس کے بعد ایک تہائی دیا تھا۔

ہاں اس اضافہ کے متعلق علماء کرام کے اقوال مختلف ہیں، بعض کہتے ہیں: یہ زیادتی خمس کے مال

میں سے دی جائے، اور بعض کہتے ہیں خمس کے پانچویں حصہ میں سے دی جائے، تا کہ بعض غانمین کو بعض پر فضیلت و برتری نہ ہو سکے، اور صحیح یہ ہے کہ خمس کے چوتھے حصہ میں سے زیادتی دی جائے۔ گو بعض لوگ افضل و برتر ہی کیوں نہ ہوں، لیکن یہ اضافہ کسی دینی مصلحت کی بنا پر ہونا چاہیے، خواہش نفس کو اس میں دخل نہ ہو۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے کئی مرتبہ مصلحت کی بنا پر زیادہ دیا ہے۔ اور یہی قول فقہاء شام، امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کا ہے، اور اسی قول کے مطابق کہا گیا ہے کہ بلا کسی چوتھائی اور تہائی کے دیا جائے۔ اس سے زیادہ ﴿دینے﴾ کے لیے شرط لگائی جائے، مثلاً امام ﴿حاکم وقت﴾ یا سپہ سالار لشکر یہ کہے کہ جو شخص فلاں قلعہ سر کرے گا، یا جو فلاں کا سر لائے گا اُس کو یہ یہ ﴿انعام﴾ دیا جائے گا۔

اور بعض کہتے ہیں ایک ثلث سے زیادہ نفل (یعنی اضافہ) نہ دیا جائے، ہاں شرط لگا کر دیا جا سکتا ہے، یہ دونوں قول امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کے ہیں۔

اور اسی طرح صحیح قول کے مطابق امام کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ یہ کہے: جس شخص نے جو چیز لے لی وہ اس کی ہے، جیسا کہ غزوۂ بدر میں نبی کریم ﷺ نے کہا تھا، لیکن یہ اس وقت جبکہ مصلحت راجح ہو اور فساد کی اُمید کم ہو۔

جب امام ﴿حاکمِ وقت یا سپہ سالار﴾ مالِ غنیمت جمع کرے یا اُسے تقسیم کرے تو کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس میں کسی قسم کا غبن کرے، اور جو شخص غبن کرے گا قیامت کے دن اس کی پوچھ گچھ ہوگی، کیونکہ غلول اور غبن بھی خیانت ہے، نیز مال غنیمت میں دھوکہ وفراڈ اور غارتگری بھی جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے روکا ہے۔

جب امام ﴿حاکمِ وقت یا سپہ سالار﴾ نے مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے عام اجازت دے دی کہ جس کے ہاتھ لگے وہ اس کا ہے، تو اس صورت میں خمس ادا کرنے کے بعد ایسا کرنا حلال و جائز ہے، اور اِذن و اِجازت کے لیے کوئی خاص الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ جس طرح بھی اور جس طور پر بھی اِذن و اجازت دی جائے وہ اِذن واجازت ہے، اور جب عام اِذن واجازت نہ دی گئی ہو، اور اس صورت میں کوئی شخص کچھ لے لے تو جو قسمت اور حصہ میں آئے اتنی ہی مقدار عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے

ہوئے لے سکتا ہے۔

اگر امام نے مالِ غنیمت جمع کرنے سے روک دیا ہے، اور حالات کچھ ایسے ہی ہیں، اور امام نے حالات کی بنا پر یہ طے کرلیا کہ وہ جو چاہے گا کرے گا، تو اس وقت دونوں متقابل ہوتے ہیں، تو دونوں قول چھوڑ دیے جائیں، اور درمیانی راہ اختیار کی جائے، اس لیے کہ دِیْنُ اللّٰہِ وَسَطٌ. اللہ کے دین کی راہ متوسط (یعنی معتدل) ہے۔

مال کی تقسیم میں عدل وانصاف یہ ہے کہ پیادہ ﴿پیدل فوج﴾ کو ایک حصہ اور سوار کے لیے جو ﴿اپنا﴾ عربی گھوڑا رکھتا ہے تین حصے۔ ایک حصہ اس کا اور دو حصے گھوڑے کے۔ ﴿آجکل جو اپنی گاڑی وٹینک چلائے وہ بھی اسی حکم میں ہے﴾ چنانچہ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔

بعض فقہاء کہتے ہیں: سوار کو دو حصے دیے جائیں ایک حصہ اس کا اور ایک اس کے گھوڑے کا۔ مگر پہلا قول صحیح ہے۔ صحیح حدیث اس پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ گھوڑے کے ساتھ اس کا سائیس ﴿کھانا پینا اور دیگر خدمت وخرچہ﴾ وغیرہ بھی ہوا کرتا ہے۔ اس لیے گھوڑا زیادہ محتاج ہے، اور پیادہ کے مقابلہ میں سوار ﴿مجاہد﴾ سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے۔

بعض فقہاء کا قول ہے عربی گھوڑے اور ہجین گھوڑے کو برابر حصہ دیا جائے۔ اور بعض کا قول ہے عربی گھوڑے کو دو حصے دیے جائیں اور ہجین کو ایک حصہ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے مروی ہے۔ اور ہجین اس گھوڑی کو کہتے ہیں جس کی ماں نبیطہ ہو، اسے برذون بھی کہتے ہیں، بستری بھی کہتے ہیں، خصی اور غیر خصی گھوڑے کا یہی حکم ہے۔

سلف اُمت اس گھوڑے کو جو کسی گھوڑے پر نہ کودا ہو، کچھ حیثیت سمجھتے ہیں، کیونکہ اس میں قوت اور تیزی زیادہ ہوا کرتی ہے، اس کا کوئی صہیل نہیں ہے، اور اس کی رفتار بھی تیز ہوتی ہے۔

اگر مالِ غنیمت میں مسلمان کا مال ہے خواہ زمین ہو یا مال منقولہ اور تقسیم سے پہلے لوگ اُسے جانتے بھی تھے، تو یہ مال اُسے واپس کر دیا جائے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

مالِ غنیمت کے متعلق بہت سی تفریعات اور بہت سے احکام ہیں۔ اور بہت سے آثار اور اقوالِ سلف موجود ہیں۔ بعض متفق علیہ ہیں بعض میں اختلاف ہے لیکن موقع اس کے بیان کا نہیں ہے، یہاں چند جامع جملے ہم نے پیش کر دیے ہیں۔

باب 7 (Chapter) کے مضامین

صدقہ زکوٰۃ آٹھ قسم کے لوگوں کو دیئے جانے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی ضرورت ہے۔

صدقہ وزکوٰۃ ان لوگوں کے لیے ہے، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا

ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، ایک آدمی نے آپ سے زکوٰۃ مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَرْضَ فِی الصَّدَقَةِ بِقَسْمِ نَبِیّ وَلَا غَیْرِه وَلٰكِنْ جَزَّأَها ثَمَانِیَةَ اَجْزَاءَ فَاِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْاَ جْزَاءِ اَعْطَیْتُكَ

صدقہ وزکوٰۃ کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ نہ کسی نبی سے راضی ہے نہ غیر سے، بلکہ اُس نے خود آٹھ قسم کے لوگوں کی تقسیم کردی ہے، اگر تم ان آٹھ قسموں سے کسی میں ہو تو تم کو بھی دوں گا۔

آٹھ قسمیں یہ ہیں:

1، 2۔ اَلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِیْنِ. فقراء اور مساکین ہیں۔ ان کو اس قدر دیا جائے جو اُن کی ضرورت و حاجت کے لیے کافی ہو۔ غنی و مالدار کے لیے صدقہ وزکوٰۃ جائز نہیں ہے، جو قوی طاقتور ہو اور کما کر کھا سکے، اس کے لیے بھی ﴿صدقہ وزکوٰۃ﴾ جائز نہیں ہے۔

3۔ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا اور عاملین زکوٰۃ۔ یہ صدقہ وزکوٰۃ وصول کرنے والے، اس کو جمع کرنے والے، اس کی حفاظت کرنے والے، اس کے لکھنے والے ﴿کلرک﴾ وغیرہ تمام اس میں شامل ہیں۔

4۔ وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ تالیف قلوب کیلئے۔ اور ہم اس کا ذکر مال فئے میں کریں گے۔

5۔ وَفِی الرِّقَابِ۔ اور گردنیں ﴿یعنی غلام﴾ آزاد کرانے کے لیے۔ مکاتب غلام آزاد کرانے، قیدیوں کو چھڑانے اور غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کی جائے، یہ قوی ترین قول ہے۔

6۔ وَالْغَارِمِیْنَ. غارمین وہ لوگ ہیں جو قرضدار ہوں، اور کسی طرح وہ اس کو وفا ﴿ادا﴾ نہ کر سکتے

ہوں۔ان کو اتنا دیا جائے کہ ان کا قرض ادا ہو جائے۔ اگر چہ قرض بہت زیادہ کیوں نہ ہو ہاں اگر معصیت الٰہی کی وجہ سے قرض ہو گیا ہے تو جب تک وہ اس معصیت سے توبہ نہ کرلیں، نہ دیا جائے۔

7۔ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اور جو اللہ کی راہ میں ہیں انہیں دی جائے۔اس میں وہ لوگ ہیں جو غازی ہیں۔جنہیں اللہ کے مال میں سے اتنا نہیں ملا، جو اُن کو کافی ہو سکے اور وہ جہاد کر سکیں۔تو اُن کو دیا جائے تا کہ جہاد میں شرکت کر سکیں، یا پورا پورا جہاد و غزوہ کا سامان ﴿دیا جائے﴾ مثلاً گھوڑے ﴿اور آجکل گاڑی وغیرہ﴾، اسلحہ ﴿و بارود، دیگر ہتھیار۔تا کہ وہ﴾ دوسرا خرچ اور اُجرت ادا کر سکیں، اور حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

8۔ وَابْنِ السَّبِيْلِ اور ابن سبیل وہ آدمی ہے جو شہر شہر پھرا کرتا ہے (یعنی مسافری کی زندگی گزارتا ہے)۔

باب 8 (Chapter) کے مضامین

مالِ فئے کسے کہتے ہیں؟ عہدِ نبوی میں مال کا کوئی دیوان و دفتر نہیں تھا۔ نہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھا۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب فتوحات ہوئیں، اور بیشمار مال و دولت آنے لگی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دیوان و دفتر بنانے کا حکم فرمایا۔ رشوت قطعاً حرام ہے جو اُمراء و حکام کو ہدیہ کے نام سے دیا جاتا ہے، رشوت ہے۔

مالِ فئے کی اصل سورۂ حشر کی یہ آیتیں ہیں: غزوہ بنی النضیر کے وقت جو غزوۂ بدر کے بعد ہوا ہے یہ آیتیں نازل ہوئیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌo مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتَامٰی وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِo لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَo وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo

اور جو مال اللہ نے اپنے رسول کو بغیر لڑے مفت میں ان سے دلوایا، تو مسلمانو! تم نے اس کے لیے کچھ دوڑ دھوپ تو نہیں کی، نہ گھوڑوں سے نہ اونٹوں سے مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس

پر چاہے قابض کرا دے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جو مال اللہ اپنے رسولوں کو ان بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوا دے تو وہ اللہ کا حق ہے، اور رسول (ﷺ) کا، اور رسول کے قرابتداروں کا، اور یتیموں کا، اور محتاجوں کا، اور بے توشہ مسافروں کا، یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ جو لوگ تم میں مالدار ہیں یہ مال اُنہی میں دائر ﴿ے میں﴾ نہ رہے، اور مسلمانو! جو چیز پیغمبر (ﷺ) تم کو دے دیا کریں لے لیا کرو، اور جس چیز سے تم کو منع کریں اس سے باز رہو، اور اللہ کے غضب سے ڈرتے رہو، کیونکہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے، وہ مال جو بغیر لڑے مفت میں ہاتھ لگا، منجملہ اور حقداروں کے، مہاجرین کا بھی حق ہے، جو کافروں کے ظلم سے اپنے گھر اور مال سے بیدخل کر دیئے گئے، اور وہ اللہ کے فضل اور خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں، اور یہی تو سچے مسلمان ہیں، اور ہاں وہ مال جو بغیر لڑے ہاتھ آیا ہے انکا بھی حق ہے کہ ان سے پہلے مدینہ میں رہتے اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں، جو اُن کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور مال غنیمت میں سے مہاجرین کو جو کچھ بھی دیا جائے اسکی وجہ سے یہ اپنے دل میں کوئی طلب نہیں پاتے چاہے خود تنگی ہی کیوں نہ ہو ﴿اُنہیں﴾ اپنے ﴿آپ﴾ سے مقدم رکھتے ہیں، اور بخل تو سب کی طبیعتوں میں ہوتا ہے مگر جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے اور ہاں جو مال بغیر لڑے ہاتھ آیا ہے انکا بھی حق ہے جو مہاجرین اولین کے بعد ہجرت کر کے آئے اور دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کے گناہ معاف کر جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ان کو جو ایمان لا چکے ہیں انکی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے اور ہمارے رب! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے (سورۂ حشر:6تا10)

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مہاجرین اور انصار اور ان لوگوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو بعد میں ان اوصاف سے متصف ہیں، پس تیسری قسم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو۔ اور یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ جس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہیں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ (الانفال:75)

اور جولوگ بعد میں ایمان لائے، اورانہوں نے ہجرت کی، اورتم مسلمانوں کے ساتھ ہوکر جہاد بھی کیے تو وہ تم ہی میں داخل ہیں:

اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہیں:

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (توبہ:100)

اور وہ جواُن کے بعد خلوص دل سے ایمان ﴿واسلام﴾ میں داخل ہوئے۔

اور جس طرح اس اللہ تعالیٰ کے قول میں داخل ہیں:

وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ط وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥ (جمعہ:3)

اور دوسرے وہ لوگ جوابھی تک اُن میں شامل نہیں ہوئے (مگر آخر کاران میں آملیں گے) اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

اور ''اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ'' کے معنی یہ ہیں کہ تم نے گھوڑوں اوراونٹوں کوحرکت نہیں دی، نہ جہاد کے لیے اُنہیں چلایا اور دوڑایا ہے۔اور فقہاء کرام نے اسی معنی کے لحاظ سے کہا ہے ''مال فئے وہ ہے جوکفار سے بغیر قتال وجنگ لیا گیا ہو'' اُوْجَفْتُمْ کا مصدر ایجا ف ہے اور ''ایجاف'' کے معنی قتال وجنگ ہے، اِيْجَافُ الْخَيْلِ وَ الرِّكَابِ کے معنی ہی قتال وجنگ کے ہیں۔یعنی تم نے گھوڑوں اوراونٹوں کوحرکت نہیں دی نہ چلایا۔

اوراس قسم کے مال کو'' فئے'' اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کوکفار سے یہ مال و دولت بلاقتال وجنگ دلوایا ہے۔

پس اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال ودولت اسی لیے دی ہے کہ اس کی عبادت کے لیے معین و مددگار رہنے، اوراس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کواپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔پس جبکہ کفاراللہ کی عبادت نہیں کرتے نہ اپنے مال کواللہ تعالیٰ کی عبادت میں خرچ کرتے ہیں، تو یہ مال مسلمانوں کے لیے حلال وجائز کردیا تاکہ یہ اس مال سے قوت حاصل کریں۔اوراللہ کی عبادت کریں۔کیونکہ مسلمان بندے اللہ ہی کی عبادت کیا کرتے ہیں اوراس لیے ''مال فئے'' ان کودیا گیا جس کے وہ حقدار اور مستحق

تھے۔اس طرح جس طرح کسی کے میراث وترکہ غصب کرلیا جاتا ہے، اور پھر اُسے واپس دلوایا جاتا ہے۔اگر چہ اس سے پیشتر وہ دوسروں کے قبضے میں تھا۔اس کا قبضہ نہیں تھا، یا جس طرح کہ یہود و نصاریٰ سے جزیہ لیا جاتا ہے، یا جس سے دشمن کے ساتھ صلح کی جاتی ہے، یا وہ مال جو سلطان کو غیر مسلموں سے ہدیہ میں ملتا ہے، یا جس طرح کہ نصاریٰ وغیرہ آبادیوں سے گزرتے وقت سواری کا انتظام کیا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

غرض! یہ کہ مالِ فئے مسلمانوں کے لیے حلال و جائز کر دیا۔تا کہ مسلمان اس مال سے قوت حاصل کریں۔اور اللہ کی عبادت کیا کریں۔

اور سوداگران اور تجار اہل حرب سے جو کچھ لیا جاتا ہے، وہ مال کا دسواں حصہ یعنی عشر ہے۔اگر یہ سوداگر ذمی ہیں اور اپنی آبادیوں سے نکل کر دوسروں کی آبادیوں میں تجارت کرتے ہیں تو ان سے نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لیا جائے ،خلیفہ دوم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اور وہ مال بھی اس میں داخل ہوگا جو عہد شکنی کرنے والوں سے لیا جاتا ہے۔اور خراج کا مال بھی اس میں شامل ہوگا، جو کفار پر لاگو کیا گیا ہے، اگر چہ اس میں سے کچھ حصہ بعض مسلمانوں پر بھی لاگو ہو جائے گا۔(اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے کافر کے پاس کوئی زمین تھی اور اب وہ مسلمان کے پاس آ گئی تو اصل چونکہ خراجی زمین ہے، مسلمان پر بھی وہی خراج ہوگا، جو اصل زمین پر مقرر کیا گیا تھا)۔

اور پھر یہ کہ مالِ فئے کے ساتھ ہمہ قسم کا مال جمع کر دیا جائے گا، اور جس قدر بھی سلطانی مال ہے وہ سب مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، مثلاً وہ مال جس کا کوئی مالک نہیں، اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان فوت ہو گیا اور اس کا کوئی وارث نہیں ہے، یا مالِ مغصوب، یا مال عاریت یا مال ودیعت کہ جن کے مالکوں کا پتہ نہیں اور یہ مال زمین ہے یا مال منقولہ، اور اس قسم کے دوسرے مال، یہ سب کا سب مال مسلمانوں کا ہے۔اور بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔

اور قرآن مجید میں صرف مال فئے کا ذکر ہے، دوسرے مال کا ذکر نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جس قدر اموات ہوئیں ان کے وارث موجود تھے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نسب سب کو معلوم تھا۔

اور اگر کوئی فوت ہو جائے اور کوئی بھی وارث نہ ہو تو اُس کا ترکہ اُس آبادی میں رہنے والوں کو دے دیا جائے، نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا یہی طریقہ تھا کہ میراث و ترکہ کے لیے ادنیٰ سے ادنیٰ سبب کافی تھا جو میت میں اور اس میں پایا جائے۔

اور مسلمانوں سے باقاعدہ جو مال لیا جاتا تھا وہ ﴿صرف﴾ صدقہ وزکوٰۃ تھا۔ صدقہ وزکوٰۃ کے سوا ان سے کچھ ﴿بھی ٹیکس وغیرہ﴾ نہیں لیا جاتا تھا، اور آپ ﷺ مسلمانوں کو یہ فرماتے: مسلمان فی سبیل اللہ مال و جان سے غزوہ و جہاد میں شرکت کریں اور اللہ تعالیٰ کا حکم بجالائیں۔

عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں مال مقبوضہ جو تقسیم کیا جاتا تھا اس کا کوئی جامع دیوان و دفتر نہیں تھا بلکہ مناسب طریقہ سے مسلمانوں کو بانٹ دیا جاتا۔ عہدِ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ میں مال اور ملک کی وسعت بہت زیادہ ہوگئی تو مقاتلین، مجاہدین اور اہل بخشش کے لیے دیوان و دفتر بنائے گئے، اور خود سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیوان و دفتر بنوائے، جن میں اکثر مجاہدین اور فوج کے نام درج تھے، یہ دیوان اور دفتر آج مسلمانوں کے لیے نہایت اہم اور شاندار ہیں۔

شہروں اور آبادیوں سے جو خراج اور فئے وغیرہ کا مال لیا جاتا تھا اس کے دیوان و دفتر علیحدہ تھے۔

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں اور اس سے پہلے جو مال آتا تھا، تین قسم کا تھا، جن میں ایک قسم کے مال پر امام و امیر ﴿یعنی حاکمِ وقت﴾ کا قبضہ ہوتا تھا، اور امام و امیر کو ہی اس کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ کتاب اللہ اور سنتِ نبوی ﷺ اور اجماعِ ﴿اُمت﴾ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اور ایک قسم کا مال وہ ہے جس کا لینا امام و امیر ﴿حاکمِ وقت﴾ کے لیے حرام تھا، جیسے جنایات اور گناہ کی وجہ سے کوئی آدمی قتل کر دیا گیا، اس کا مال کسی اور آبادی سے بیت المال کے لیے مال وصول کیا جائے گو اس کے وارث موجود ہوں یا کوئی حد کا مستحق ہے۔ اور کسی وجہ سے مال لے کر حد ساقط کر دی گئی۔

اور ایک تیسری قسم وہ ہے جس کے متعلق اجتہاد کو دخل ہے، اور علماء کرام نے اس میں اختلاف کیا ہے، مثلاً کوئی آدمی مر گیا اُس کا مال ہے، اس کے ذی رحم ﴿جیسے والدین، اولاد وغیرہ﴾ موجود ہیں لیکن ذوی الفروض ﴿جن کا حصہ قرآن وحدیث میں متعین ہو اِن﴾ میں کوئی نہیں ہے، نہ کوئی عصبہ ﴿رشتہ دار﴾ موجود ہے، اور اس کے مثال اور واقعات، تو اس میں علماء کی راہ اور مسلک علیحدہ علیحدہ ہیں۔

اکثر والیانِ ملک اور رعیت مظالم سے دوچار ہوتے ہیں۔ والی اور امیر حلال وحرام کا پاس نہ رکھتے ہوئے رعایا سے مال وصول کرتے ہیں۔ اور رعایا اپنے فرض سے غافل رہتے ہوئے مال کو روک لیتی ہے، مثلاً جند ﴿فوج﴾ ولشکر اور فلاعین زراعت پیشہ لوگوں میں ظلم ہوتا ہے یا مثلاً لوگ فرض جہاد کو ترک کردیتے ہیں، اور والیانِ ملک بیت المال میں اللہ تعالیٰ کا مال جمع کرتے ہیں۔ لیکن حلال وحرام کا قطعاً پاس ولحاظ نہیں کرتے، اور مال نہ ادا کرنے پر عقوبت وسزا دی جاتی ہے ﴿جیسے آجکل ٹیکس وغیرہ وصول کرنے والے مسلمانوں پر ہی ظلم وجور کررہے ہیں اور نہ دینے پر سزا دے رہے ہیں﴾، مباح یا واجب چیز کو چھوڑ کر ایسے کام کر گذرتے ہیں جو والیانِ ملک کے لیے کسی طرح جائز اور حلال نہیں ہیں۔

اور اصل یہ ہے کہ جس آدمی کے پاس ایسا مال ہے جس کا ادا کرنا اس کے لیے فرض ہے، مثلاً اس کے پاس کسی کی ودیعت وامانت رکھی ہوئی ہے، یا کسی سے مضاربت یا شرکت ہے یا مؤکل (ڈیلر، کلائنٹ) کا مال ہے، یا کسی یتیم کا یا وقف مال ہے، یا بیت المال کا مال ہے، یا مثلاً قرض دار ہے اور اس کے پاس اتنا مال ہے کہ قرض ادا کرسکتا ہے، جب ایسا آدمی واجب وحق کو روک لے اور ادا نہ کرے خواہ بعینہٖ ہو، یا قرض ہو اور امام جان لے کہ یہ آدمی قرض ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے، تو ایسے آدمی کو عقوبت اور سزا دی جائے گی، یہاں تک کہ وہ اپنا مال بتادے، یا مال کی جگہ بتلا دے کہ فلاں مقام پر مال ہے۔ جب یہ یقین وباور ہوجائے کہ اس کے پاس مال ضرور ہے، اس کو قید وبند میں رکھ دیا جائے، اور اس وقت تک قید میں رکھا جائے کہ وہ مال ظاہر کرے، اور بتلا دے، مار مارنے کی ضرورت نہیں، اگر مال بتانے اور ادائے دَین ﴿یعنی قرض وغیرہ﴾ سے انکار کرے تو اُسے مارا پیٹا جائے یہاں تک کہ حقداروں کا حق ادا کرے، یا ادا کرنا ممکن ہوجائے۔ اور یہی حکم نفقہ واجبہ کا ہے، جبکہ وہ نفقہ دینے پر قدرت رکھتا ہو، جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے عروہ بن شرید عن ابیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

اَلْوَاجِدُ يَحِلُّ عِرْضُهٗ وَ عُقُوْبَتُهٗ (رواہ اہل السنن)

جو ﴿مال﴾ پائے اور نہ دے اسکا مال عزت آبرو اور اس کو عقوبت وسزا دینا حلال ہے۔

پانے والے کا مال لے لینا، اس کو عقوبت وسزا دینا حلال اور جائز ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں

ہے:

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ (بخاری ومسلم)

نادہندہ مالدار (ٹال مٹول کرنے والا) ظالم ہے۔

اور حقدار کے حق کی ادائیگی میں دیر کرنا سراسر نادہندگی اور ظلم ہے۔ اور ظالم عقوبت وسزا کا مستحق ہے۔ اور یہ متفق علیہ اصول وکلیہ ہے کہ حرام کا مرتکب اور واجب کا ترک کرنے والا مستحق عقوبت وسزا ہے، پس اگر شریعت میں اس کی سزا مقرر نہیں ہے تو ولی الامر ﴿حاکمِ وقت، قاضی یا جج﴾ اجتہاد سے کام لے اور اسے تعزیر کرے، اور نادہند مالدار کو سزا دے، اگر وہ ﴿پھر بھی مال﴾ نہ دینے پر مصر ہے تو مار ماری جائے یہاں تک کہ وہ واجب ادا کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس پر فقہاء کی صریح نص وتصریح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے شاگردوں اور امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ نے اس کی پوری تصریح کر دی ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، سب کے سب اس پر متفق ہیں۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے سونا چاندی اور اسلحہ وہتھیار کے عوض صلح کی اور یہودیوں نے اس کا وعدہ کیا، تو بعض یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اور پوچھنے والا سعید جو حیی بن اخطب کا چچا تھا، اس نے حیی بن اخطب کے خزانے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَذْهَبَتْهُ النَّفَقَاتُ وَالْحُرُوْبُ

مال خرچ ہو گیا اور لڑائیاں لے گئیں۔

اس نے کہا آپ سے ابھی تو معاہدہ ہوا اور معاہدہ کی رو سے یہ مال بہت زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعید کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے اس کو سزا دی، راوی کہتا ہے کہ میں نے حیی بن اخطب کو فلاں خرابے میں گھومتے دیکھا ہے، لوگ وہاں پہنچے، اور خرابے کو گھوم پھر کر دیکھا، ٹٹولا تو بہت سا مشک اس خرابے سے نکلا۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی ذمی تھا، اور ذمی کو بغیر گناہ اور حق کے عقوبت وسزا نہیں دی جاتی۔ اور یہ حکم ہر واجب اور ضروری چیز کو چھپانے والے کا ہے، جبکہ وہ واجب وضروری چیز کے بتلانے میں کوتاہی کرے، ترکِ واجب کی بنا پر اُسے سزا دی جائے گی۔

وہ مال جو والیان اموال ﴿کسٹم و انکم ٹیکس افسر، لے﴾ لے، مسلمانوں کا مال بغیر حق، بلا استحقاق لے لیا ہو۔ ولی الامر عادل ﴿حکمران﴾ کا فرض ہے کہ اس مال کو اُن سے وصول کرے، مثلاً وہ ہدایا (تحفے) اور تحفے جو اُنہوں نے اپنے عمل اور عہدے کے ذریعہ حاصل کئے ہیں، چنانچہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

هَدَايَا الْعُمَّالِ غُلُوْلٌ

عمال (یعنی افسروں) کے (لئے) ہدایہ (تحفے تحائف لینا) غلول وغبن ہیں۔

اور ابراہیم حربی رحمہ اللہ اپنی کتاب الہدایا میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ہَدَایَا الْاُمَرَاءِ غُلُوْلٌ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُمراء ﴿حکام اور اہل اختیار﴾ کے ہدایا اور تحفے غلول وغبن ہیں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد کے ایک آدمی کو جس کا نام ابن اللتبیہ تھا، صدقہ وزکوۃ وصول کرنے پر عامل ﴿تحصیلدار﴾ مقرر کیا، اس نے آکر مال پیش کیا اور کہنے لگا: یہ مال آپ کا ہے اور یہ مجھے ہدیے میں ملا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا بَالُ الرَّجُلِ نَسْتَعْمِلُهٗ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانَا اللّٰهُ فَيَقُوْلُ هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا اُهْدِيَ اِلَيَّ فَهَلَّا جَلَسَ فِيْ بَيْتِ اَبِيْهِ اَوْ بَيْتِ اُمِّهٖ فَيَنْظُرَ اَيُهْدٰى اِلَيْهِ اَمْ لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَاْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهٗ عَلٰى رَقَبَتِهٖ اِنْ كَانَ بَعِيْرًا لَهٗ رُغَاءٌ اَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ اَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَاَيْنَا عُفْرَةَ اِبْطَيْهِ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا

اس شخص کا کیا حال ہے جس کو ہم عمل اور کام سپرد کرتے ہیں اور وہ آکر کہتا ہے، یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیے میں ملا ہے، کیوں وہ باپ یا ماں کے گھر میں نہ بیٹھا رہا پھر دیکھتا کہ یہ تحفے اور ہدایا اسے ملتے ہیں؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چیز بھی وہ لے گا قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگی، اگر اونٹ ہے تو وہ چلّا رہا ہوگا، اگر گائے ہے تو وہ بلبلاتی چیختی ہوگی، اور بکری ہے تو وہ میں میں کرتی ہوگی، اسکے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے اتنے اٹھائے کہ آپ کی بغل ہم نے دیکھی اور فرمایا: اے اللہ میں نے پہنچا دیا، اے اللہ میں نے پہنچا دیا۔ تین دفعہ آپ نے یہ فرمایا۔

یہی حکم ان والیان امر ﴿با اختیار افسران و اعلیٰ سول و فوجی حکام﴾ کا ہے جو معاملات میں ہدایا اور تحفے لے کر کسی کی امداد و اعانت کریں مثلاً ﴿ٹھیکہ جات﴾ بیع و شراء ﴿خرید و فروخت﴾، مواجرۃ ﴿سرکاری ملازمتیں اور نوکری﴾، مضاربت ﴿پارٹنر شپ﴾، مساقات ﴿نہروں و دریاؤں وغیرہ کا پانی کسانوں کو کھیتوں کے لیے دینا یا دلانا کہ کسی کی باری پہلے کر دی کسی کی بعد میں یا کسی کو پانی کم دیا اور کسی کو زیادہ﴾، مزارعۃ ﴿زمین کی ٹھیکہ داری، بیج و کھاد کی فراہمی﴾ وغیرہ۔ اس قسم کے معاملات میں کسی قسم کا بھی ہدیہ اور تحفہ لے کر کام کریں، تو اس کا بھی یہی حکم ہے، اور اسی بنا پر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بعض عمال ﴿گورنر، افسران اور حکام﴾ سے کہ جن کے پاس مال بھی تھا، اور قرض بھی تھا، مگر خیانت کا الزام بھی نہیں تھا، آدھا آدھا کر دیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض عمال کے ساتھ ایسا سلوک اس لیے کیا کہ اُنہوں نے ولایت امر ﴿با اختیار اور مجاز افسر و گورنر، ڈائریکٹر وغیرہ ہونے﴾ کی حیثیت سے تحفے تحائف لیے تھے۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو والی و عامل مقرر کیا تھا، اور یہ امر اس کا مقتضی بھی تھا۔ کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ امام عادل تھے، اور مال کی صحیح تقسیم انہی کا کام تھا۔

﴿آج افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ مساجد اور مدارس میں خوشامد اور چاپلوسی کی بیماری اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہے۔ مساجد کی انتظامیہ تو اُس امام، خطیب، قاری، خادم اور مؤذن کو برداشت ہی نہیں کرتیں جو اُن کی خوشامد نہیں کرتے، ہاں میں ہاں نہیں ملاتے بلکہ اُلٹا ان کے طعنے اور القابات سے نوازا جاتا ہے﴾۔

جب امام اور رعایا دونوں میں تغیر آجائے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق اپنے فرض کو انجام دے، حرام کو چھوڑ دے، اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے مباح کی ہے اُسے حرام نہ کرے۔

کبھی لوگ والیان ملک ﴿سول و فوجی حکام﴾ سے اس لیے ابتلاء و مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں کہ یہ ہدایا اور تحفے نہیں دیتے کہ ہدایا اور تحفے دے کر ان کے مظالم سے چھوٹیں۔ اور جو فرض والی امر ﴿گورنر و افسر﴾ کا ہے، وہ چھوڑ دیتا ہے، پھر بھی کف ظلم کے عوض ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا

ان کے نزدیک محبوب ہے۔ اور باوجود اس کے کف ظلم کے عوض وہ مال لیتا ہے۔ اور اپنی آخرت دوسرے کی دنیا کے لیے بیچتا ہے۔ اس کا تو فرض یہ تھا کہ حسبِ قدرت و طاقت ظلم کو روکتا، اور لوگوں کی حاجتیں اور ضرورتیں پوری کرتا۔ ان کی مصلحتوں کو ملحوظ رکھتا، سلطان ﴿یعنی حاکمِ وقت﴾ تک ان کی حاجتیں اور ضرورتیں پہنچاتا، اور سلطان کو ان اُمور سے آگاہ و باخبر کر دیتا۔ ان کے مصالح سے بھی آگاہ کر دیتا، اور ان کو مفاسد سے بچاتا، اور اس بارے میں مختلف طریقے لطیف و غیر لطیف اختیار کرتا، جس طرح کہ کاتب، منشی وغیرہ اپنی اغراض کے لیے کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ میں ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَبلِغُوْنِی حَاجَةَ مَنْ لَا یَسْتَطِیْعُ اِبْلَاغَهَا فَاِنَّهٗ مَنْ اَبْلَغَ ذَا السُّلْطَانِ حَاجَةَ مَنْ لَا یَسْتَطِیْعُ اِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَیْهِ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تُزِلُّ الْاَقْدَامُ

ان لوگوں کو جو اپنی حاجتیں اور ضرورتیں مجھ تک نہیں پہنچا سکتے، مجھ تک پہنچا دو کیونکہ جو شخص صاحب سلطنت تک ایسے لوگوں کی حاجتیں پہنچائیں جو خود نہیں پہنچا سکے تو اللہ تعالیٰ پل صراط پر اُسے ثابت قدم رکھے گا کہ جس دن بڑوں بڑوں کے قدم لڑکھڑا جائیں گے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے، اور سنن ابی داؤد میں ابی امامہ باھلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَةً فَاهْدٰی لَهٗ عَلَیْهَا هَدْیَةً فَیُقْبَلُهَا فَقَدْ اَتٰی بَابًا عَظِیْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبَا

جس نے اپنے کسی بھائی کی سفارش کی، اور اس کے بدلہ اس نے ہدیہ/تحفہ بھیجا، اور اس نے اسے قبول کرلیا، تو وہ سود کے بڑے دروازے میں داخل ہوگا۔

اور ابراہیم حربی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کسی آدمی نے کسی سے اپنی ضرورت پوری کرنے کو کہا، اور اس نے اس کی ضرورت پوری کر دی، اور دوسرے نے ہدیہ بھیجا اور اس نے قبول کرلیا تو یہ حرام ہے۔

جناب مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے ابن زیاد سے کسی مظلمہ کے متعلق بات چیت کی،

اورانہوں نے ظلم کو دفع کر دیا۔ اس نے تحفہ میں ایک غلام دیا۔ انہوں نے اُسے مسترد کر دیا اور کہا میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ جس نے مسلمان کا ظلم دور کیا، اور اس نے اس کے مقابلہ میں تھوڑا یا بہت کچھ دیا تو یہ حرام ہے، تو وہ کہتے ہیں میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہم تو سخت رشوت کے سوا کسی چیز کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا ''رشوت تو کفر ہے''۔

پس اگر والی، امیر، اپنے لیے ایسی چیز عمال سے نکلواتا ہے جو انہوں نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے مخصوص کر رکھی ہے، تو اس صورت میں دونوں میں سے کسی کی اعانت نہیں کرنی چاہیئے، دونوں کے دونوں ظالم ہیں، جس طرح کہ ایک چور دوسرے چور کا مال چرالیتا ہے، یا دو گروہ عصبیت اور ریاست کے لیے لڑتے ہیں تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ آدمی ظلم کی اعانت و امداد کرے، کیونکہ تعاون و امداد دو طرح کی ہے، ایک نیکی اور تقویٰ میں تعاون و امداد مثلاً جہاد کرنا، حدود قائم کرنا، حقوق العباد دلوانا، مستحق اور حقداروں کے حقوق دلوانا وغیرہ، ایسی اعانت و امداد ایسا تعاون تو مامور من اللہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا تعاون فرض قرار دیا ہے۔ ﴿صد افسوس! آج اسی چیز کو بنیاد پرستی، دقیانوسی، شدت پسندی، دہشت گردی، ترقی کی راہ میں رکاوٹ اور ''علماء'' کی زبان میں ''تکفیری ٹولہ'' وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے﴾ اور اگر ڈر کے مارے نیکی اور نیک کام سے رک جائے، اور ظالم سے ڈر جائے مظلوم کی اعانت و امداد نہ کرے تو یہ بھی فرض عین یا فرضِ کفایہ کا تارک ہے، اور تارکِ فرض کا مجرم ہے، اگر چہ اپنی خوش فہمی سے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں ورع ﴿یعنی انتہائی زیادہ عبادت﴾ و تقویٰ کا پابند ہوں۔ اس لیے کہ اکثر جبن ﴿یعنی کم ہمتی و﴾ بزدلی، اور ورع و تقویٰ میں اشتباہ ﴿یعنی شبہ﴾ ہو جاتا ہے، اور جبن و بزدلی اور ورع دونوں میں **انسان حق کی اعانت سے رُک جاتا ہے۔**

دوسرا تعاون ''اثم و عدوان'' کا تعاون ہے مثلاً معصوم بے گناہ کا خون کیا جائے، یا اس کا مال لے لیا جائے۔ اور جو مار کا حقدار نہیں اسے مارا پیٹا جائے، یہ اور اس قسم کے گناہوں میں اعانت و امداد کرنا ''اثم و عدوان'' کی اعانت و امداد ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی اعانت و امداد کو حرام قرار دیا ہے۔

البتہ جب کسی کا مال بلا استحقاق لے لیا گیا یا چھین لیا گیا، اور مال کے مالکوں تک اس کا پہنچانا کسی وجہ سے دشوار ہے مثلاً سلطانی مال کہ ایسا مال مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرنا چاہئے جیسے جہاد، اور لڑائی کے مورچے ﴿چوکیاں، چیک پوسٹیں، چھاؤنیاں﴾ وغیرہ قائم کرنے پر خرچ کیا جائے، یا مجاہدین اور جنگ کرنے والوں پر خرچ کیا جائے تو یہ نیکی وتقویٰ کی اعانت وامداد ہوگی، کیونکہ سلطان ﴿حاکم وقت﴾ پر واجب ولازم ہے کہ اس قسم کا مال جبکہ اصل مالکوں کی وجہ سے نہ پہنچا سکے، اور نہ دے سکے، اور اس کے وارثوں کو نہ دے سکے تو سلطان کا فرض ہے کہ اگر اسی نے ظلم کیا ہے تو پہلے توبہ کرے، اور پھر مال کو مسلمانوں کی مصلحتوں پر مسلمانوں کے کاموں میں خرچ کرے، اور یہ جمہور علماء کا قول ہے، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں، اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا منقول ہے، اور شرعی دلائل بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ دوسری جگہ منصوص ہے۔

اگر وہ مال دوسروں نے لے لیا ہے تو سلطان کا فرض ہے کہ وہ اس مال کو اسی طرح خرچ کرے، اگر وہ مال جو سلطان نے کسی وجہ سے اصل مالک کو نہ دیا ہو تو مالک مال کی مصلحتوں پر خرچ کرنے میں اعانت کرے، کیونکہ مال ضائع کرنے کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرنا اولیٰ اور بہتر ہے، اس لیے کہ شریعت کا دارومدار اللہ کے اس قول پر ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تغابن:16)

مسلمانو! جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

جو۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (آل عمران:102) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ کی تفسیر کرتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے اس قول پر دارومدار ہے:

اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اخرجاه فی الصحیحین)

جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو تم اپنی طاقت کے مطابق اُسے انجام دو۔

اور اس قول پر دارومدار ہے، ''مصالح کی تحصیل وتکمیل کرنا''۔ اور مفاسد کو کلیۃً دور کرنا یا کم کرنا واجب وضروری ہے۔

جب مصالح اور مفاسد میں باہم ٹکر ہو تو دو مصلحتوں میں سے جو بڑی ہو اختیار کی جائے۔ اور ادنیٰ کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جو بڑا مفسد ﴿فسادِ اکبر﴾ ہو اسے دُور کیا جائے، ادنیٰ مفسد ﴿چھوٹا فساد﴾ کے احتمال کے مقابلہ میں، یہی مشروع ﴿عمل﴾ ہے [1]۔

اور اثم عدوان کی اعانت کرنے والا وہ ہے جو ظالم کی اعانت کرے، لیکن وہ شخص جو مظلوم کی اعانت ﴿و مدد﴾ کرتا ہے یا جو ظلم ہو رہا ہے اس میں کمی ہو اس کی اعانت کر رہا ہے، یا جو ظلم ہوا ہے اس کا بدلہ دلوانے کی کوشش کر رہا ہے تو یہ مظلوم کا وکیل ہو گا نہ کہ ظالم کا۔ اور یہ بمنزلہ اس شخص کے ہو گا جس نے قرض دیا۔ یا ظالم کے ظلم سے بچانے کے لیے کسی کے مال کا وکیل ہوا۔ مثلاً یتیم کا مال، یا وقف کا مال ہے، اور یتیم اور وقف کے مال میں سے کسی ظالم نے خواہ مخواہ طلب کیا، اور اس کے ولی نے بوجہ مجبوری کم سے کم دینے کی کوشش کی، ظالم کو دیا، یا ظالم نے دلوایا، اور ولی نے پوری پوری کوشش کر کے کم سے کم

---

[1] اصلاح کے لیے پہلے اصول اصلاح کی اعانت فرض ہے، جب کوئی شخص کسی غیر مشروع منکر کی اصلاح کا قصد کرے تو پہلے اسے سوچ لینا چاہئے کہ غیر مشروع منکر کس درجہ کا ہے، اگر اس کی اصلاح کی گئی تو کیا اس کی بجائے کوئی دوسرا غیر مشروع منکر تو نہیں پیدا ہوتا، جو اس سے بڑھ کر ہو۔ اگر اس سے بڑھ کر نہیں تو پھر اس کے مساوی اور باعتبار ثمرات و مفاسد اس سے بڑھ کر تو نہیں ہے، ان ہر دو صورتوں میں اصلاح کا قصد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ایک فساد کی جگہ اس سے بڑھ کر فساد پیدا ہو رہا ہے، جیسے کہ نبی کریم ﷺ کعبۃ اللہ کی اصلاح کا ارادہ رکھتے تھے، حطیم کے حصہ کو کعبۃ اللہ میں داخل کر کے پورا کر لینا چاہتے تھے، اور دو دروازے بنانا چاہتے تھے ایک سے کعبۃ اللہ میں داخل ہوں دوسرے نکل جائیں لیکن اس اصلاح سے مفاسد پیدا ہونیکا اندیشہ تھا۔ تو مسلم لوگ طرح طرح کے خیالات دوڑانے لگتے اور بری طرح کی خرابیاں پیدا ہونیکا اندیشہ تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اصلاح کا خیال ترک فرما دیا۔

اگر اصلاح کی یہ صورت ہے کہ اس کی اصلاح سے دوسرا منکر اس کے مساوی پیدا ہوتا ہے، لیکن باعتبار مفاسد اس سے کم درجہ رکھتا ہے، یا اس کی جگہ کم درجہ کا فساد پیدا ہوتا ہے یا جو مفاسد پیدا ہوئے ہیں کم درجہ کے ہوتے ہیں یا امر مستحسن پیدا ہوتا ہے، ان تین صورتوں میں اصلاح کے لیے اقدام فرض ہے اور اقدام میں کوتاہی کرنا گناہ ہے۔ (ابوالعلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ لہٗ)

دیا تو یہ محسن ہوگا۔ وَمَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (توبہ:91)۔

اور اس حکم میں وہ وکیل بھی داخل ہیں جو مال ادا کرانے میں شہادت دیتے ہیں۔ اور اس کے لکھنے میں شریک ہیں۔ اور جو عقد (ڈیلنگ) میں قبضہ کرنے میں اور مال دلوانے میں شریک ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

اس ظلم کے متعلق جو کسی آبادی، قریہ، راستہ، بازار، یا کسی شہر پر کیا جائے اور کوئی محسن شخص اس ظلم کو دفع کرنے میں درمیانگی کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے، اور ہر امکانی کوشش عدل و انصاف کے ساتھ برتنے، اور بقدر طاقت بلا خوف، بلا لومتہ لائم ﴿طعن و تشنیع اور لعن طعن سے بے خوف و بے پرواہ﴾، بغیر رشوت لیے مال دلوانے اور دینے میں کوشش کرے تو وہ بھی محسن ہوگا۔

لیکن آج کل غالب یہ ہے کہ جو شخص بھی مداخلت کرتا ہے ظالم لوگوں ہی کی وکالت کرتا ہے، ان سے ڈرتا ہے اور جو رشوت ملتی ہے، اس پر فخر کرتا ہے، اور جن سے جو چاہتا ہے لیتا ہے، اور یہ اکثر و بیشتر ظالم ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے، ان کے اعوان و مددگار بھی جہنمی ہیں، یقیناً ایسے لوگ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔

باب 9 (Chapter) کے مضامین

مال کی تقسیم اہم فالاہم کے اصول کے مطابق ہونی چاہئے۔ اہلِ نصرت و جہاد سب سے زیاد مستحق ہیں۔ مال فئے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ تمام مصالح مسلمین میں خرچ کیا جائے یا خاص مجاہدین کے لیے ہے۔ نبی کریم ﷺ مؤلفۃ القلوب کو بھی فئے سے دیا کرتے تھے "اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلَیٰٓ اَهْلِهَا" (نساء:58) کی صحیح راہ۔

مال کے مصارف اور اس کی تقسیم مسلمانوں کے مصالح میں ہونی چاہئے۔ اور اہم فالاہم کے اصول کو مدنظر رکھنا واجب اور ضروری ہے، مثلاً عام مسلمانوں کو عمومی نفع اور فائدہ پہنچے، انہی لوگوں میں اربابِ نصرت و جہاد بھی ہیں، اور مال فئے میں سب سے زیادہ مستحق مجاہدین اسلام ہیں، کیونکہ مجاہدین کے بغیر مال فئے کا حاصل ہونا ناممکن ہے، انہی مجاہدین کے ذریعہ ہی یہ مال وصول ہوتا ہے، اور اسی لیے فقہاء اسلام نے اختلاف کیا ہے کہ مال فئے انہی مجاہدین پر صرف کیا جائے یا یہ کہ ہر قسم کے مصالح ﴿اصلاحی کام﴾ میں صرف کیا جائے؟ مال فئے کے علاوہ جس قدر بھی مال ہے اس میں تمام مسلمان، اور مسلمانوں کے تمام مصالح شامل ہیں، اور اس میں سب کا اتفاق ہے۔ اور یہ کہ صدقات، زکوٰۃ، اور مالِ غنیمت کو مخصوص کر دیا ہے، اور مستحقین و حقدار یہ لوگ ہیں۔

عاملین ﴿اکٹھا کرنے والے﴾، صاحب ولایت ﴿حکام﴾ وغیرہ، مثلاً والیان امر ﴿گورنر و مجاز افسر﴾۔ قضاۃ/جج، علماء اور وہ لوگ جو مال جمع کرنے، اس کی حفاظت اور تقسیم وغیرہ جن کے سپرد ہے، یہاں تک کہ نماز کے امام اور مسجدوں کے مؤذن وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں، اسی طرح وہ اُجرت بھی اس میں داخل ہے جس سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے، مثلاً سرحدوں پر مورچے باندھنا، اسلحہ وغیرہ کے لیے خرچ کرنا۔ اور وہ عمارتیں بنوانا جن کی تعمیر ضروری ہے، لوگوں کے لیے راستے درست و ہموار کرنا، چھوٹے بڑے پل تعمیر کرنا، پانی کے راستے ہموار کرنا، نہریں ڈیم وغیرہ بنوانا، یہ تمام چیزیں مال کے مصارف میں شامل ہیں۔ صاحب ضرورت اور مستحق لوگ بھی اس میں شامل ہیں۔

فقہاء نے اختلاف کیا ہے کہ صدقہ وزکوٰۃ کے علاوہ مال فئے وغیرہ میں ضرورت مند لوگوں کو مقدم رکھا جائے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب میں دو قول ہیں، کچھ لوگ ان کو مقدم رکھتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں نہیں بلکہ اسلام ﴿کے کاموں﴾ کا استحقاق رہے گا۔ یہ لوگ سب کو مشترک اور برابر کے حقدار مانتے ہیں، جس طرح کہ وارث میراث وترکہ میں مشترک ہیں۔

لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ ضرورت مندوں کو مقدم رکھا جائے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاجتمندوں کو مقدم رکھتے تھے، مثلاً بنی نضیر کے مال میں حاجتمندوں اور ضرورت مندوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدم رکھا تھا، چنانچہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَيْسَ اَحَدٌ اَحَقُّ بِهٰذَا الْمَالِ مِنْ اَحَدٍ اِنَّمَا هُوَ الرَّجُلُ وَسَابِقَةٌ وَالرَّجُلُ وَ عِنَايَتُهُ وَالرَّجُلُ وَ بَلَائُهُ وَالرَّجُلُ وَحَاجَتُهُ

یہ مال سب میں مشترک ہے یہ مال اس آدمی کو ملے گا جس نے جہاد میں سبقت کی اس کو ملے گا جس نے مشقت برداشت کی، اس آدمی کا حق ہے جو ابتلاء میں پھنس گیا، اور وہ حقدار ہے جو ضرورت مند ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مال چار قسم کے لوگوں پر تقسیم فرمایا:

1۔ سوابق پر جن کی مسابقت کی وجہ سے مال وصول ہوا ہے۔

2۔ ان لوگوں پر جو مسلمانوں کے لیے خاص قسم کی سعی وکوشش کرتے ہیں، مثلاً والیان امر ﴿حکام﴾، اور وہ علماء جو لوگوں کو دین ودنیا کے منافع حاصل کرنے کے راستے بتلاتے ہیں اور جو نقصان اور ضرر کی مدافعت کے لیے مصائب برداشت کرتے ہیں۔ مثلاً مجاہدین فی سبیل اللہ جو اسلام کے لشکر میں موجود ہیں۔

3۔ اور وہ خاص خاص لوگ جو جہاد وقتال کے طریقے بتلاتے ہیں اور انہیں وعظ ونصیحت کرتے ہیں، اور ان کے مثل۔

4۔ وہ لوگ جو حاجت مند اور ضرورت مند ہیں۔

جس وقت ان چار قسم کے لوگوں کی جانب سے اطمینان ہو جائے گا تو سمجھ لو اللہ تعالیٰ نے اس مال سے لوگوں کو غنی کر دیا، اس کے بعد کفایت کے مطابق دیا جائے، یا اس کے عمل کے مطابق۔

جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ مال باعتبار آدمی کی منفعت اور بلحاظ اس کی ضرورت و حاجت کے دیا جائے گا اور یہ مال وہ ہو گا جو مسلمانوں کے لیے ہے۔ صدقہ وزکوٰۃ کا بھی یہی حال ہے، اور اگر اس سے زیادہ مال ہے، اس میں بھی اسی قدر استحقاق ہے جس قدر اس جیسے مال میں حقداروں کا حق ہے مثلاً مالِ غنیمت، اور مالِ میراث، ان کے حقدار بھی متعین و مقرر ہیں۔

امام المسلمین ﴿حاکمِ وقت﴾ کو کسی طرح یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے نفس کی خاطر یا قرابت کی وجہ سے یا دوستی اور محبت کی وجہ سے غیر مستحق و غیر حقدار کو کچھ دیدے، چہ جائیکہ حرام میں خرچ کرے مثلاً مخنث/خسروں لڑکوں اور امرد آزاد غلاموں کو دیا جائے، طوائف بازاری عورتوں، ادارکار، اداکاراؤں، گلوکاروں، سنگرز، مسخروں کو دیا جائے، یا ہاتھ دیکھنے والوں، کاہنوں، نجومیوں وغیرہ کو دیا جائے، ہاں تألیف قلبی کے لیے ایسا شخص ہے کہ اس کے لیے یہ مال لینا حرام و نا جائز ہے، قرآن مجید میں مؤلفۃ القلوب کے لیے صدقہ وزکوٰۃ دینا بھی مباح کر دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی مؤلفۃ القلوب کو فئے کے مال میں سے دیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو بھی دیا جائے جو اپنے قبیلہ کے مانے ہوئے سردار ہوں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اقرع بن حابس سردار بنی تمیم، اور عیینہ بن حصن سردار بنی فزارہ، اور زید الخیر الطائی سردار بنی نبہان، اور علقمہ بن علاثہ سردار بنی کلاب کو دیا تھا، اور جیسا کہ سرداران قریش اور خلفاء وغیرہ کو دیا تھا۔ مثلاً صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان بن حرب، سہیل بن عمرو بن ہشام رضی اللہ عنہم اور بہت سے لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے دیا تھا، چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے ایک سونے کا ہار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، نبی کریم ﷺ نے اس ہار کو چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔ اقرع بن حابس الحنظلی، عیینہ بن حصن فزاری، علقمہ بن علاثۃ العامری، اور بنی کلاب کے آدمی زید الخیر الطائی جو بنی نبہان کا سردار تھا۔ وہ کہتے ہیں اس تقسیم سے قریش اور انصار بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے، آپ ﷺ صنادید نجد کو دیتے ہیں، اور ہمیں چھوڑ دیتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے جواب دیا یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ ان کی تألیف قلبی مقصود ہے، اس وقت ایک آدمی آیا جس کی داڑھی بہت گھنی تھی، رخسار اُٹھے ہوئے، آنکھیں چمکدار، پیشانی بڑی، اور سر منڈا ہوا تھا، کہنے لگا:

اِتَّقِ اللّٰهَ يَا مُحَمَّدُ ﷺ اے محمد (ﷺ) اللہ سے ڈرو!

آپ ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ اِنْ عَصَيْتُهُ أَيَا مَنِنِىْ اَهْلُ الْاَرْضِ وَلَا تَاْمَنُوْنِىْ

اگر میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہوں تو پھر کون اس کی اطاعت کرتا ہے؟ کیا سارے اہل زمین مجھے امین سمجھیں اور تم مجھے امین نہ سمجھو۔

راوی کہتا ہے یہ آدمی اتنا کہہ کر چلتا ہو گیا، اس وقت قوم میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا کہ اسے قتل کر دے، صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں یہ آدمی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، غیرتِ اسلامی اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے اٹھے اور نبی کریم ﷺ سے اُسے قتل کرنے کی اجازت مانگی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَنَّ مَنْ ضِنْضِئِ هٰذَا قَوْمًا يَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ اَنْ لَا يُجَاوِزَ حُنَاجِرَهُمْ فَيَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَ يَدْعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنْ رَمْيِهِ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ

اس کی نسل میں سے ایک قوم ہو گی جو قرآن پڑھے گی لیکن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، مسلمانوں سے جنگ کریں گے اور بت پرستوں کو دعوت دیں گے، اسلام سے وہ اس طرح نکل بھاگیں گے جس طرح کمان سے تیر نکل بھاگتا ہے۔ اگر میں انہیں پاؤں گا تو انہیں اسی طرح قتل کروں گا جس طرح قوم عاد قتل ہوئی تھی۔

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، اور اقرع بن حابس رضی اللہ عنہم کو سو سو اونٹ دیے، اور عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کو کچھ کم دیے تھے، عباس بن مرداس نے یہ اشعار پڑھے:

اَتَجْعَلُ نَهْبِىْ وَنَهْبَ الْعُبَ

يْدِ بَيْنَ عُيَيْنَه وَ وَالْاِقْرَعِ

کیا آپ میری اور میرے گھوڑے عبید کی لوٹ (یعنی مالِ غنیمت) عیینہ اور اقرع کو دیتے ہیں

وَ مَا كَانَ حَصْنٌ وَ لَا حَابِسٌ

يَفُوْقَانِ مَرْدَاسَ فِي الْمَجْمَعِ

حصن اور حابس اجتماع میں مرداس سے فوقیت نہیں لے جاتے تھے۔

وَ مَا كُنْتُ دُوْنَ امْرِءٍ مِنْهُمَا

وَ مَنْ يَخفِضُ اليَوْمَ لَا يُرْفَعِ

ان دونوں میں میں کسی سے کم تھا؟ وہ پلّہ جو اٹھایا نہیں جاتا کس نے جھکا دیا؟

یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ نے اُسے بھی سو اونٹ دے دیئے۔ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے اور عبید، مرداس کے گھوڑے کا نام تھا۔

مؤلفۃ القلوب دو قسم کے ہیں، کافر اور مسلمان۔ کافر کی تألیف یہ ہے کہ اس سے فائدہ کی اُمیدیں وابستہ کی جائیں، کہ یہ اسلام لے آئیں گے، یا جو نقصان ان سے پہنچتا ہے وہ کم ہو جائے گا کہ دیئے بغیر یہ نقصان دُور نہیں ہوتا۔

مسلمان مؤلفۃ القلوب وہ ہیں جنہیں دینے سے فائدہ کی اُمیدیں وابستہ ہوں۔ مثلاً وہ مسلمان ہیں مال دیا جائے گا، پختہ اسلام سچے مسلمان بن جائیں گے، یا ان جیسے لوگ اسلام میں پختہ اور اچھے بن جائیں گے، یا دشمنوں کو ڈرا کر ان سے مال نکلوائیں گے۔ یا جن مسلمانوں کو نقصان اور ضرر پہنچ رہا ہے اس سے بچا لیں گے، کہ دیئے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔

اس قسم کے عطیات گو بظاہر رئیسوں اور مالداروں کو دیئے جاتے ہیں، اور ضعیف اور کمزور چھوڑ دیئے جاتے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کا دستور ہے، لیکن نیتیں مختلف ہوتی ہیں کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اگر دینے سے دینی مصلحت، اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود مقصود ہے تو یہ دینا اسی قبیل سے ہوگا جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء دیا کرتے تھے، اور اگر اس دینے سے مقصود علو فی الارض کبر وغرور اور فساد مقصود ہے تو یہ دینا اُسی قبیل سے ہوگا جیسا کہ فرعون اپنے لگے بندھے لوگوں کو دیا کرتا تھا۔

ان عطیات کو وہی لوگ بُرا سمجھتے ہیں جو فاسد دین رکھتے ہیں۔ اور بدنیت ہوتے ہیں جیسے ذی الخویصرہ کہ اس آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے عطیے کو بُرا سمجھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے اُس کے حق میں جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا، اور بدعا کی۔ اور جیسا کہ اس کے گروہ خوارج نے امیر المؤمنین سیدنا علی

رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حکم (یعنی ثالث) بنا کر فیصلہ کیا۔ کسی مصلحت کی بنا پر کیا تھا، لیکن خوارج کھڑے ہو گئے، بگڑ گئے اور بغاوت شروع کر دی، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام تک اس تحکیم و فیصلہ سے مٹا دیا۔ مسلمانوں کی عورتوں، بچوں کو اسیر بنا کر لے گئے۔ یہی لوگ تھے جن کے خلاف جہاد و جنگ، قتال اور لڑائی کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کیونکہ اُن کے پاس فاسد اور باطل دین تھا، جس سے نہ ان کی دنیا درست ہوتی تھی نہ آخرت۔

بسا اوقات ورع ﴿انتہائی زیادہ عبادت﴾ اور جُبن و بُزدلی اور بخل میں اشتباہ ﴿شبہ﴾ ہو جاتا ہے، کیونکہ ترکِ عمل دونوں میں پایا جاتا ہے۔ خشیتِ الٰہی سے فساد کو ترک کرنے اور بوجہ جبن و بزدلی اور بخل کے جہادِ مامور میں خرچ نہ کرنے میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

شَرُّ مَا فِي الْمَرْءِ شُحٌّ هَا لِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ (قال الترمذی حدیث صحیح)

آدمی میں بُری سے بُری بدی بخل اور حرص اور جبن (کم ہمتی) و بزدلی ہے۔

اسی طرح بسا اوقات انسان عمل ترک کر دیتا ہے، اور گمان کرتا ہے، یا ظاہر کرتا ہے کہ یہ ورع و تقویٰ ہے حالانکہ یہ کبر و غرور اور اپنے آپ کو بلند درجہ پر لے جانے کا قصد ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں نبی کریم ﷺ نے ایک ایسا جامع کامل، مکمل جملہ فرمایا ہے جو ترازو کا حکم رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

اعمال نیتوں کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔

عمل کے لیے نیت ایسی چیز ہے جیسی جسم کے لیے روح، اگر ایسا نہیں ہے تو ایک شخص اللہ کے سامنے سجدہ کرتا ہے، دوسرا شخص سورج اور چاند کے سامنے سجدہ کرتا ہے، کیا فرق ہے؟ دونوں اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں، دونوں کی صورت اور وضع ایک ہی ہے، غور کرو کہ اللہ کے سامنے پیشانی ٹیکنے والا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اقرب الخلق ہے، اور سورج و چاند کے سامنے ٹیکنے والا اللہ سے بعید سے بعید ہے، یہ نیت ہی کا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ (سورۂ بلد: 17)

اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے اور نیز ایک دوسرے کو رحم کرنے کی ہدایت

کرتے رہے۔

اور اثر میں ہے:

اَفْضَلُ الْاِیْمَانِ السَّمَاحَةُ وَالصَّبْرُ بہترین ایمان سماحت اور صبر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کی نگرانی، رعایا پروری، ان کی سیاست بغیر جود و سخاوت کے جسے عطیات کہتے ہیں اور بلا تجدد و شجاعت، بہادری و دلیری کے ہو ہی نہیں سکتی، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ دین و دنیا کی اصلاح، فلاح و بہبود ان دو چیزوں کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، پس جو شخص ان دو چیزوں میں قائم اور مستقیم نہیں ہے اس سے امر و حکومت اور ولایت چھین لینی چاہیئے اور دوسرے کو دے دینی چاہیے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (توبہ:39)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے نکلو تو تم زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو، کیا آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر قناعت کر بیٹھے ہو، اگر یہ بات ہے تو یہ تمہاری سخت غلط فہمی ہے کیونکہ آخرت کے فائدوں کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کے فائدے محض بے حقیقت ہیں۔ اگر تم بلائے جانے پر بھی اللہ کی راہ میں لڑنے کیلئے نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں بڑا دردناک عذاب دیگا، اور تمہارے بدلے دوسرے لوگوں کو لا کھڑا کرے گا، اور تم اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ[1] (حدید:10)

تم مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں مال خرچ کئے اور دشمنوں سے لڑے وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے یہ لوگ درجے میں ان مسلمانوں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کئے ہیں اور حسن سلوک کا وعدہ تو اللہ نے سب ہی سے کر رکھا ہے۔

[1] فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور جہاد کرنے کا اجر وثواب اس لیے بہت بڑا تھا کہ اسلام صرف مدینہ طیبہ ہی میں محدود تھا۔ اور مدینہ طیبہ بھی منافقوں اور اسلام کے دشمنوں سے بھرا ہوا تھا پس اللہ تعالیٰ نے اعظم ترین درجہ کو انفاق وسخاوت، قتال و جنگ، شجاعت و بہادری کے ساتھ معین کر دیا۔ مدینہ کی ہجرت سے پیشتر کفار مکہ آپ ﷺ کے خلاف جیسی جیسی سازشیں کرتے تھے وہ ظاہر ہے۔ مجبوراً طائف کا ارادہ کرتے ہیں کہ وہاں کچھ کامیابی نصیب ہو، لیکن وہاں کے لوگوں کی سرکشی سے مایوس ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے رفقاء کا بائیکاٹ کیا گیا شعب ابی طالب (یعنی غار) میں تین سال نظر بند رکھا گیا۔ چند صحابہ کو مجبوراً ہجرت حبشہ کی اجازت دی، تو کفار مکہ کا وفد ان کے خلاف بھیجا گیا۔ کفار مکہ دارلندوہ میں جمع ہو کر آپ کے خلاف تدبیریں سوچا کرتے ہیں اور بالآخر سرداران مکہ آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ہجرت کے لیے مجبور ہوتے ہیں ہجرت کرتے ہیں تو آپ ﷺ کی گرفتاری کے لیے بڑے بڑے انعامات کے وعدے ہوتے ہیں۔ مکہ میں آپ اور آپ ﷺ کے رفقاء اللہ کی عبادت بھی کھلی طور پر نہیں کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ باہر تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے ہیں تو آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے کفار = (بقیہ صفحہ آئندہ)

= کے نمائندے چلے جاتے ہیں اور آپ ﷺ کے خلاف آوازیں کستے ہیں، جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے ہیں تو یہود و نصاریٰ اور منافقوں سے آپ ﷺ کو پالا پڑتا ہے۔ یہ لوگ شب و روز مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، کفار مکہ کو روزانہ یہاں کی خبریں بھیجتے ہیں، کفار مکہ دارلندوہ میں جمع ہو کر آپ ﷺ کے خلاف سازشیں سوچا کرتے ہیں۔ غزوہ بدر، غزوہ احد ان کی سازشوں کا ادنیٰ سا شاخسانہ تھا۔ غرض! اسلام محدود تھا۔ اور مسلمان ہر طرح بے بس تھے، مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ کھانے پینے کے سامان سے بھی قاصر تھے۔ اور سارا ملک یہ سوچ رہا ہے کہ اسلام کو کس طرح مٹا دیا جائے، فتح مکہ سے پہلے اسلام کا خاتمہ صرف

یہی ہے کہ صرف چند مسلمان ہیں ان کو ختم کر دیا جائے، اسلام عام طور پر پھیلا نہیں تھا۔ کہ اگر ایک جگہ کے مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے تو دوسری جگہ باقی ہیں، آج اگر چین میں ختم کر دیے جائیں تو ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور ملک کے دوسرے خطوں میں موجود ہیں لیکن فتح مکہ سے قبل یہ صورت نہیں تھی۔ کفار یہ چاہتے تھے اسلام کا خاتمہ کر دیں، اور وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ چند نفر (مٹھی بھر لوگ) ہیں ان کو مٹانا کیا دشوار ہے؟ لیکن اللہ ان کی حمایت کر رہا تھا، مسلمان پیغمبر اسلام کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اسلام کی سربلندی کے لیے کوشاں تھے۔ کفار یہ یقین کئے بیٹھے تھے کہ ان چند مسلمانوں کو مٹا دینا اور اسلام کا خاتمہ کر دینا کیا مشکل ہے اگر آج نہیں تو کل ہم انہیں ختم کر دیں گے، لیکن اللہ کی امداد و اعانت مسلمانوں کے ساتھ تھی۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ○ (توبہ:33)

(اللہ) وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے گو مشرکوں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔

غرض ان حالات میں ایسی بے بسی و بے کسی میں جہاد کرنا جہاد کے لیے خرچ کرنا، جان و مال کی بازی لگا دینا، جس قدر دشوار اور قابل قدر ہو سکتا ہے، وہ ظاہر ہے اور یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جہاد کرنے والوں، خرچ کرنے والوں کا درجہ بہت بڑا ہے اللہ رب العزت ان سربلندوں، اور بزرگوں، ایمان و یقین اور احسان کے ستونوں کے نقش قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق دے۔ ان بزرگوں کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ آج ہم انہیں کی کوششوں کی وجہ سے اسلام کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ اور قیامت تک دنیا میں اسلام کو قائم کر دیا۔ اور اسلام ہمیشہ باقی رہے گا۔ سربلند رہے گا۔ کوئی اسے مٹا نہیں سکتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ پھلتا پھولتا ہی رہے گا۔ اور انہیں بزرگوں کی کوششوں کی وجہ سے پھلتا پھولتا رہے گا۔ (ابو العلاء محمد اسمٰعیل کان اللہ لہٗ)

اور قرآن مجید میں بہت سے مقامات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا جاتا ہے:

وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (توبہ:2)

اور اپنے جان و مال سے اللہ کے رستے میں جہاد کیے۔

اور بخل کو کبیرہ گناہ کہا ہے۔ ارشادی باری تعالیٰ ہے:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (آل عمران:180)

اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل وکرم دیا ہے اور وہ اسے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں، وہ اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے حق میں بدتر ہے کیونکہ جس مال کا بخل کرتے ہیں عنقریب قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان گلے میں پہنایا جائے گا۔

دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (توبہ:34)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو روزِ قیامت کے دردناک عذاب کی خوش خبری سُنا دو۔

اسی طرح جبن اور بزدلی کی مذمت فرمائی ہے مثلاً فرمایا جاتا ہے:

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (انفال:16)

اور جو شخص ایسے موقع پر کافروں کو اپنی پیٹھ دکھائے گا تو سمجھنا وہ اللہ کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت بری جگہ ہے مگر لڑائی کے لیے پینترا بدلنا ہو، یا اپنے لوگوں میں جا شامل ہونے کے لیے پھر جائے تو مضائقہ نہیں۔

اور فرمایا ہے:

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ ط وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ (توبہ:56)

اور مسلمانو! یہ منافق تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ بھی تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ بزدل لوگ ہیں۔

اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے اندر بیشمار جگہ اس چیز کا بیان ہے اور یہ تو ایک ایسی چیز ہے کہ روئے زمین کے بسنے والے اس پر متفق ہیں۔ یہاں تک کہ عام ضرب المثل ہوگئی ہے کہ:

لَا طَعْنَةَ وَ لَا جَفْنَةَ

نہ نیزہ چلانا جانتا ہے نہ سخی مرد ہے۔

اور کہا کرتے ہیں:

لَا فَارِسَ الْخَیْلِ وَلَا وَجْهَ الْعَرَبِ

نہ گھوڑے کی سواری جانتا ہے نہ عرب کا وجیہ انسان ہے۔

یہاں ﴿بیوروکریسی میں﴾ تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جن پر دنیا کی محبت غالب ہے۔ ان کا مقصد صرف اللہ کی زمین پر اپنی برتری، علو اور بڑائی، غرور، تکبر، فساد و افساد ہے۔ آخرت کا انہیں مطلقاً خیال نہیں ہے۔ اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ عطیہ اور انعام و اکرام کے بغیر ان کی سلطنت باقی نہیں رہ سکتی، اور یہ اس کی قدر نہیں رکھتے، اور اس لیے وہ حرام مال وصول کرنا اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ایسے لوگ غارتگر، اور لٹیرے بن جاتے ہیں، اور کہتے ہیں:

”ولایت و امارتِ سلطنت و حکومت اسی کو ملتی ہے جو کھاتے کھلاتے، دیتے دلاتے رہتے ہیں۔ عفیف، پاک دامن لوگ قطعاً محروم رکھے جاتے ہیں اور اس پر اس کے امراء رؤسا خفا ہو جاتے ہیں، بگڑ جاتے ہیں اور اُسے معزول کر دیتے ہیں“

ایسے لوگ دنیائے عاجل کو دیکھتے ہیں اور کل آنے والی دنیا کو بھول جاتے ہیں۔ اور آخرت کو بھی بھول جاتے ہیں۔ اگر انہیں توبہ نصیب نہ ہوئی، اصلاح آخرت کی توفیق میسر نہ آئی تو خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق بن کر رہ جاتے ہیں۔

دوسرا فریق ﴿بیوروکریسی میں﴾ وہ ہے جو اللہ کا خوف رکھتا ہے۔ مخلوق و رعایا پر ظلم کرنا بُرا سمجھتے ہیں۔ حرام مال سے بچنے کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ عمدہ سے عمدہ اور اچھا سے اچھا فرض ہے۔ باوجود اس کے وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ

سیاست پوری طرح انجام نہیں پاتی جب تک حرام نہ لیا جائے اور حرام نہ کھایا جائے اور اس لیے وہ سیاست ہی سے علیحدہ ہو جاتے

ہیں۔اور اس قسم کے کاموں سے مطلقاً علیحدہ رہتے ہیں۔

اور بسا اوقات ان میں قدرتی جبن ﴿کم ہمتی﴾ بزدلی اور مخلوق اللہ سے چڑ ہو جاتی ہے۔کیونکہ ان کے پاس ایسا دین ہوتا ہے کہ واجب کو ترک کر دیتے ہیں۔اور یہ ترک بعض محرمات سے زیادہ مضر ہوا کرتا ہے،فرض چیز کو چھوڑ دینا،اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے رک جانا،ترکِ جہاد کے مترادف ہوا کرتا ہے۔ کبھی یہ لوگ غلط تاویل کر لیتے ہیں،اور تاویل کر کے اچھے اور فرض کام سے رُک جاتے ہیں۔

اور کبھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں اس کام سے انکار واجب ہے۔اور یہ انکار قتال و جنگ کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔اور اس لیے وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بھی قتال و جنگ کر لیتے ہیں۔جیسا کہ خوارج نے کیا،یہ ایسے لوگ ہیں جن سے نہ دنیا بنتی ہے اور نہ دین بنتا ہے۔لیکن کبھی کبھی ان لوگوں سے دین کے بعض گوشے،اور بعض اُمورِ دنیا،اصلاح پزیر ہو جاتے ہیں۔اور کبھی ان کی اجتہادی غلطی معاف بھی ہو جاتی ہے۔ان کا قصور اور خطا بخش دی جاتی ہے۔اور کبھی ایسے لوگ سب سے زیادہ نقصان اور گھاٹے میں پڑ جاتے ہیں۔اور یہ وہ لوگ ہوا کرتے ہیں جن کی سعی و کوشش ضلالت و گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔اور یہ طریقہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو نہ تو اپنے لیے کچھ حاصل کرتے ہیں نہ غیر کو کچھ دیتے ہیں،صرف فاسق فاجر لوگوں کی تالیف قلبی کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ مولفۃ القلوب کو دینا ایک قسم کا ظلم و جور ہے۔ان کو دینا حرام ہے۔

﴿بیوروکریسی میں﴾ تیسرا گروہ اُمت وسط کا ہے،اور یہ دین محمدی اور خلفاء کا ہے جو خواص و عوام اور ساری اُمت کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔اور وہ یہی ہے کہ مال خرچ کیا جائے اور رعایا کے فائدہ کے لیے خرچ کیا جائے۔مال دیا جائے اگرچہ وہ جن کو مال دیا جاتا ہے رؤسا اور مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔ان کی ضرورت اور احتیاجات پوری کی جائیں۔اور حالات کی اصلاح اور اقامتِ دین و دنیا عفت نفس کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی ضروریات و احتیاجات پوری کرنی چاہیے۔بلا استحقاق مال نہ لیا جائے۔اور تقویٰ اور احسان دونوں کو جمع کر لیا جائے کیونکہ سیاست شرعیہ ﴿شرعی حکومت﴾ ان دو کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی،دین و دنیا کی اصلاح ان کے بغیر ناممکن ہے۔اللہ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ (نحل:128)

کیونکہ جولوگ پرہیز گاری کرتے ہیں اور جو حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اللہ انکا ساتھی ہے اور یہ وہی ہے کہ لوگوں کی روٹی کپڑے کا انتظام کیا جائے۔ ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں۔ اور خود حلال وطیب کھائیں۔ اور یہ کہ اوپر کے لوگ (یعنی حاکم و بااختیار لوگ) خرچ کم کردیں کیونکہ قدرتی بات ہے کہ اوپر کے بسنے والے سے لوگ لینے کی تمنا زیادہ رکھتے ہیں، عفیف (سفید پوش) سے اتنی تمنا نہیں رکھتے[1] اور جس قدر عفیف سے لوگ اپنی اصلاح کر لیتے ہیں غیر عفیف سے نہیں کر سکتے۔

[1] مثلاً سلاطین اور بادشاہ وزراء اور ان کے نائب، گورنر اور ان کے نائب۔ اگر آج کل کی نمائشی جمہوری حکومت کے صدر۔ غرض طبقہء بالا کا پورے ملک پر، پوری سلطنت پر اثر پڑا کرتا ہے، اگر اوپر کا طبقہ صالح ہے تو سارا ملک ساری سلطنت صالح ہو جائے گی۔ اور برا ہے تو ساری سلطنت پر اس کا اثر پڑے گا۔ رعایا پروری کا اقتضاء یہ ہے کہ رعیت کی فلاح و بہبود کو سب سے زیادہ پیش نظر رکھا جائے شیخ سعدی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے۔

گو سپند از برائے چوپان نیست بلکہ چوپان برائے خدمت اوست

اگر بالائی طبقہ کے لوگ لیں گے، کھائیں گے تو ماتحتوں سے کفایت شعاری کی امیدیں بیکار ہیں۔ سب لیں گے، کھائیں گے شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا اچھا کہا ہے۔

بہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد زنند لشکر یانش ہزار مرغ بسیخ!

غرض یہ کہ رعایا پروری کا تقاضا یہ ہے کہ رعیت کا پورا پورا خیال رکھا جائے شیخ سعدی رحمہ اللہ نے کیا اچھا کہا ہے۔

بر رعیت ضعیف رحمت کن تا از دشمن قوی زحمت نہ بنی ضعیف و کمزور رعیت پر رحم کرو تا کہ قوی دشمن سے زحمت نہ اٹھاؤ

اور سچ تو یہ ہے کہ زمین اللہ کا ملک ہے، اس پر اللہ ہی کا دستور اور حکومت چلنی چاہیئے۔ اسی سے دنیا و آخرت درست ہو سکتی ہے اور سب کی ذمہ داری دو گروہوں پر ہے، اور وہ امراء اور علماء ہیں۔ اگر یہ دونوں گروہ درست ہیں تو ساری مخلوق اور معاشرت درست ہو جائے گی، اگر یہ ناہموار ہیں تو ہر چیز (مثلاً معاشرت، معیشت، دولت و حکومت) ناہموار ہوگی۔

کیونکہ قدرت و امکان کے ساتھ عفت سے کام لینا، یہی تقویٰ اور دین کی حرمت ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابوسفیان بن حرب سے روایت ہے کہ ہرقل شاہ روم نے ابوسفیان کو جواب دیتے ہوئے کہا یہ پیغمبر کیا تعلیم دیتے ہیں؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا وہ ہمیں نماز پڑھنے کو کہتے ہیں، سچائی و پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم کرتے ہیں۔

اور ایک اثر میں ہے، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی اتاری کہ اے ابراہیم تمہیں خبر

ہے کہ میں نے تم کو اپنا خلیل کیوں بنایا ہے؟ اس لیے بنایا ہے کہ تم کو دینا زیادہ محبوب ہے اور لینا کم محبوب ہے۔

اور ہم عطا اور بخشش دینے کا ذکر کر چکے ہیں کہ سخاوت اور قومی فوائد کو پیش نظر رکھنا ہر حال میں ضروری ہے، اور صبر وغضب میں دفعِ مضرت کا خیال رکھنا شجاعت و بہادری ہے اسے پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اور غضب وغصہ کے بارے میں لوگ تین قسم کے ہیں، ایک وہ جو اپنے لیے اور پروردگار عالم کے لیے غضب وغصہ کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو نہ اپنے لیے غضب وغصہ کرتے ہیں نہ پروردگار عالم کے لیے۔ تیسرے وہ جس کو امت وسط کہتے ہیں **ان کا غضب وغصہ صرف پروردگار عالم کے لیے ہی ہوتا ہے، اور اس لیے وہ غضب وغصہ سے آشنا ہی نہیں** ہوئے، جیسا کہ صحیحین میں اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں:

مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهٖ خَادِمًا لَهٗ وَلَا امْرَأَةً وَلَا دَابَّةً وَلَا شَيْئًا قَطُّ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْئٌ فَانْتَقَمَ لِنَفْسِهٖ قَطُّ اِلَّا اَنْ تَنْتَهِكَ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَاِذَا انْتَهَكَ حُرُمَاتِ اللّٰهِ لَمْ يَقُمْ لِنَفْسِهٖ شَيْئٌ حَتّٰى يَنْتَقِمَ لِلّٰهِ

نبی کریم ﷺ نے نہ کبھی اپنے خادم کو مارا، نہ عورت کو، نہ جانور کو، اور نہ کسی اور کو، مگر جہاد فی سبیل اللہ کے وقت، اور آپ کو نہیں دیکھا گیا کہ اپنے لیے آپ ﷺ نے انتقام لیا ہو، مگر ہاں جب حدود اللہ کا مذاق اُڑایا جائے، جب تو آپ ﷺ کا غصہ کوئی تھام نہیں سکتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا انتقام لے لیتے۔

جس کا غضب وغصہ اپنے لیے اپنی جان کے لیے ہے، پروردگارِ عالم کے لیے نہیں یا جو اپنے لیے وصول کرتا ہے، پروردگار عالم کے لیے نہیں اور دوسروں کو نہیں دیتا تو یہ چوتھی قسم کے لوگ مخلوق میں شریر ترین لوگ ہیں۔ نہ ان سے دین کی اصلاح ممکن ہے نہ دنیا کی۔

صالح اور نیک بندوں کی سیاست کامل تھی، ان کا طریقہ یہ تھا کہ واجبات پر پورا پورا عمل کرتے تھے، محرمات سے قطعاً بچتے تھے، یہ

ایسے مقدس لوگ تھے کہ ان کے عطیہ سے دین کی اصلاح ہوتی تھی۔
اور وہی چیز وہ لیتے تھے جو اُن کے لیے مباح تھی۔ اُن کا غضب وغصہ
رب العالمین کے لیے ہوتا تھا اور اس وقت ہوتا تھا جبکہ حدود اللہ
توڑی جاتی تھیں اور اپنا حصہ، اپنا حق معاف کر دیتے تھے۔

یہ اخلاق نبوی تھے، مال خرچ کرنے میں مال کے لینے میں اور جو کچھ آپ کرتے تھے کامل اور مکمل تھا۔ اور جو شخص ان اخلاق کے قریب ہوگا وہ افضل وبرتر ہوگا، پس مسلمانوں کا فرض اوّلین ہے کہ پوری پوری کوشش کریں اور طریق نبوی ﷺ کے قریب تر ہو جائیں اور کوشش کے بعد اپنے قصور تقصیر اور خطا کی معافی کے لیے بارگاہ الٰہی میں توبہ واستغفار کریں۔ اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین دے کر نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے کامل ومکمل ہے۔ اور یہ اُمور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں موجود ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا [1] (نسا:58)

مسلمانو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت رکھوانے والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔

[1] یہ ہے وہ اسلامی حکومت جسے اللہ کی حکومت کہا جاتا ہے۔ اور ''سروری در دین ما خدمت گریست'' اسی کا نام ہے۔ آج کرۂ زمین پر بڑی بڑی حکومتیں قائم ہیں، لیکن کھوج لگاؤ کہ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا کا وجود بھی ملتا ہے؟ اسلامی سلطنتوں پر نگاہ ڈالو کہ کہیں بھی لا لنفسه ولكن لربه حکومت ہوئی ہے؟ ساری دنیا ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ ساری دنیا پر آج وہی رنگ چڑھا ہوا ہے جو اسلام سے قبل روم وعجم پر چڑھا ہوا تھا بلکہ اس سے کہیں زیادہ۔

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ کے اندر باب ارتفاقات واصلاح الرسوم میں رومیوں اور عجمیوں کا حال لکھا ہے، ہم اس کی تلخیص یہاں پیش کرتے ہیں، اس پر غور کیجئے اور ''اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا'' کی بحث سامنے لے آئیے، اور غور کیجئے کہ اللہ کیا چاہتا ہے، اور دنیا کدھر جا رہی ہے؟ اور دنیا کس قسم کا انقلاب چاہتی ہے، شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

رومیوں اور عجمیوں کو جب خلافت ملی اور طویل مدت تک وہ اس منصب پر سرفراز رہے، تو لذات دنیا میں گم ہو کر رہ گئے، اور شیطان ان پر ایسا مسلط ہو گیا کہ زیادہ سے زیادہ اسباب عیش فراہم کرنا اور ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنی خوش حالی ونمائش کرنا۔ ان کی زندگی کا مقصد قرار پا گیا۔ عقل وحکمت کا استعمال بھی ان کے یہاں بس

یہی تھا کہ معاشی فوائد کے چھوٹے سے چھوٹے وسائل تلاش کیے جائیں، اور پھر ان سے لطف اندوزی کے عجیب عجیب طریقے نکالے جائیں، ان کے رؤسا اپنی شان ریاست کے اظہار میں جس طرح دولت صرف کرتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص کا شمار رئیسوں میں ہوتا اس کے لیے دو لاکھ درہم سے کم قیمت کا تاج پہننا عار کی بات تھی، اس کے لیے ضروری تھا کہ ایک عالی شان محل میں رہے، جس کے ساتھ آبزن (پانی کے فوارے)، حمام اور باغ بھی ہوں۔ غلاموں کی ایک فوج اس کی خدمت میں اور قیمتی گھوڑوں کی ایک کثیر تعداد اس کے اصطبل میں ہو۔ اس کا دستر خوان نہایت وسیع ہو اور بہتر سے بہتر کھانے اس کے باورچی خانے (کچن) میں ہر وقت تیار رہیں۔ غرض یہ کہ یہی چیزیں ان کے اصول معاش میں گھس گئیں اور ایسی جم گئیں کہ دلوں سے ان کا نکلنا محال ہو گیا۔ یہ ایک بیماری تھی جو اُن کے تمدن کی رگ رگ میں اتر گئی۔ اس کے اثرات بازاروں اور گھروں تک میں پھیل گئے مزدور اور کسان تک ان سے نہ بچ سکے۔ اس نے چند محلوں میں عیش و عشرت کے سامان جمع کرنے کے لیے ملکوں اور اقلیموں کی بے شمار مخلوق کو مصائب میں مبتلا کر دیا۔ اس لیے کہ یہ سامان جمع نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ ان کے لیے پانی کی طرح روپیہ نہ بہایا جائے۔ اور اتنی کثیر دولت فراہم کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ تاجروں اور کاشتکاروں اور دوسرے محنت پیشہ طبقوں پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگائے جائیں۔ پھر اگر ٹیکسوں کی زیادتی سے تنگ آ کر یہ غریب طبقے روپیہ دینے سے انکار کریں تو ان کو فوجوں سے پامال کرایا جائے، اور اگر طاقت سے ڈر کر وہ اطاعت میں سر جھکا دیں تو ان کو گدھوں اور بیلوں کی طرح محنت میں جوت دیا جائے کہ وہ دن رات رئیسوں کے لیے دولت پیدا کریں اور ان کو دم لینے کی بھی فرصت نہ ملے، کہ خود اپنی سعادت دنیا اور آخرت کے لیے بھی کچھ کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لاکھوں کروڑوں کی آبادی میں مشکل ہی سے کوئی ایسا شخص ملتا تھا جس کی نگاہ میں دین و اخلاق کی کوئی اہمیت ہو، وہ بڑے بڑے کام جن پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے، اور جن پر انسانی فلاح و ترقی کا مدار ہے قریب قریب معطل ہو گئے تھے، لوگ زیادہ تر یا تو ان صنعتوں میں لگ جاتے تھے جو روساء کے لیے لوازم عیش پیدا کرنے کے لیے ضروری ہیں یا پھر ان فنون اور ان پیشوں کو اختیار کرتے تھے جن سے رئیسوں کو عموماً دلچسپی ہوا کرتی ہے، اس لیے کہ ان کے بغیر کوئی شخص روساء کے ہاں مقام حاصل نہیں کر سکتا تھا، اور رؤساء کے ہاں مقام حاصل کرنے کے لیے سوائے خوشحالی کے دوسرا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ایک اچھی جماعت شاعروں، مسخروں، نقالوں، گلوکاروں، رنڈیوں، مصاحبوں، شکاریوں اور اسی طرح کے لوگوں کی پیدا ہو گئی تھی جو درباروں سے وابستہ رہتی تھی، اور ان کے ساتھ اگر اہل دین تھے بھی تو وہ حقیقت میں دیندار نہ تھے، بلکہ کسب معاش کے لیے دین کا پیشہ کرتے تھے، تاکہ اپنے زُہد کی نمائش سے یا شعبدوں سے یا اپنے مکر و فریب سے کچھ کما کھائیں۔ اس طرح یہ مرض ان ممالک میں انسانی جماعت کو اوپر سے نیچے تک گھن کی طرح کھا گیا تھا۔ اس نے پوری پوری قوموں کے اخلاق

گرادئے تھے۔ اوران کے اندر رذیل خصلتیں پیوست کردی تھیں۔ اس کی نحوست کی وجہ سے ان کی سرزمین میں اتنی صلاحیت ہی نہ رہی تھی کہ عبادت الٰہی اور مکارم اخلاق کا بیج اس کے اندر جڑ پکڑ سکے۔ جب روم وعجم کے ممالک پر یہ مصیبت حد سے بڑھ گئی اور حد سے متجاوز ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھا۔ اور اس نے اس مرض کا علاج کرنے کا فیصلہ کردیا کہ مرض کی جڑ کاٹ ڈالی جائے۔ چنانچہ ایک نبی اُمی (ﷺ) کو مبعوث فرمایا جو رومیوں اور عجمیوں سے گھلا ملا نہ تھا۔ اور جس تک ان کی عادات اطوار، خصائل کا کوئی اثر نہ پہنچا تھا۔ اس کو صحیح اور غلط، صالح اور فاسد، میں امتیاز کرنے والی میزان بنادیا۔ اس کی زبان سے عجمی اور رومی عاداتِ قبیحہ کی مذمت کرائی۔ حیاتِ دنیا میں استغراق اور لذات دینوی میں انہماک کو مردود ٹھہرایا، عجمی عیش پرستی کے ارکان میں سے ایک ایک کو چن چن کر حرام کیا مثلاً سونے اور چاندی کے برتن، سونے جواہرات کے زیور، ریشمی کپڑے، تصاویر اور مجسمے وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی اُمی ﷺ کی سرداری سے روم وعجم کی سرداری کا استیصال کردیا اور اعلان کرادیا کہ: هَلَكَ كِسْرىٰ فَلَا كِسْرىٰ بَعْدَهٗ. وَ هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ. (انتهى ملخصاً از باب اقامته الارتفاقات و اصلاح الرسوم)

غرض! بعثتِ نبوی ﷺ کے وقت جو حال ایران وروم کا تھا کہ معمورۂ دنیا پر چھائے ہوئے تھے، ساری دنیا انہی دو سلطنتوں کی غلامی کے شکنجہ میں کسئی ہوئی تھی، آج دنیا امریکہ اور یورپی یونین کی غلامی کے شکنجہ میں کسی ہوئی ہے۔ کہنے کو آزاد ہیں، لیکن حقیقت میں غلام ہیں۔ انہی کی غیر صالحہ سیاست کو سیاست سمجھتی ہے، انہی کے مفرطانہ عیش پرستی، عیش کوشی کو زندگی کا ڈھانچہ سمجھتی ہے، انہی کے اخلاق وکردار کی غلامی میں زندگی گذارتی ہے، اور آج انہی کی سائنس نے دنیا کو عذاب الیم میں مبتلا کررکھا ہے۔

اگر دنیا آج اپنے لیے امن چاہتی ہے، روٹی چاہتی ہے، امن وسکون کی زندگی گذارنا چاہتی ہے۔ دنیا اور آخرت بنانا چاہتی ہے، دنیا میں امن وچین سے رہ کر اللہ کو یاد کرنا چاہتی ہے، دنیا اور آخرت دونوں بنانا چاہتی ہے، تو اسلام کے دستور کو اپنائے، کہ یہ آسمانی دستور ہے، قرآنی دستور العمل ہے، ملک اللہ کا ہے تو حکومت بھی اللہ کی ہونی چاہئے ''اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ'' (یونس:67) قواعد وضوابط بھی اللہ ہی کے نافذ ہونے چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین نے انہی قواعد وضوابط کی طاقت سے ایسا انقلاب پیدا کردیا کہ دنیا کا نقشہ تبدیل کردیا۔ روم وایران کا تختہ الٹ دیا اور دنیا پر اللہ کی حکومت قائم کردی۔ نصف صدی بھی نہ گذرنے پائی تھی کہ قرآنی حکومت دنیا پر قائم کردی۔ اور دنیا کے لیے رحمت ورافت، امن وچین، رحمت وسکون کی حکومت کھڑی کردی۔ اور ''اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا'' کی ہمہ گیر طاقت ساری دنیا پر چھا گئی۔ کاش مسلمان جاگیں اور رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی پیروی کریں تو پھر یہ دنیا والوں کے لیے جنت بن جائے۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ اَمْرًا (طلاق:1) (ابوالعلاء محمد اسمٰعیل گودھروی کان اللہ لہٗ)

باب 10 (Chapter) کے مضامین

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔ حدود و حقوق کسی ایک قوم کے لیے خاص خاص نہیں ہیں۔ حدود میں سفارش حرام و ناجائز ہے۔ رشوت دینے والا رشوت لینے والا اور رشوت دینے دلانے والا دلال سب گناہ گار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (نساء:ع:8)

اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

لوگوں کو حکم ﴿فیصلہ﴾ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حدود و حقوق میں حکم ﴿یعنی فیصلہ﴾ کیا جائے۔ یہ حدود و حقوق دو قسم کے ہیں۔ حدود و حقوق کی ایک قسم وہ ہے جو کسی ایک خاص قوم کے لیے معیّن اور خاص نہیں ہے بلکہ اس کی منفعت مطلقاً مسلمانوں کے لیے ہے، مثلاً قطاع الطریق ﴿راستے کاٹنے والے﴾ ڈاکو، راہزن، چور، زانی وغیرہ پر حد جاری کرنا۔ مثلاً اموالِ سلطانی، اموالِ اوقاف اور وصایا، کہ یہ کسی ایک قوم کے لیے متعین اور مخصوص نہیں ہیں۔ اور یہ چیزیں حکومت، ولی الامر اور حاکم ﴿وقت﴾ کے لیے خاص توجہ کے محتاج ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے اسی لیے فرمایا ہے:

لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اِمَارَةٍ بَرَّةً كَانَتْ اَوْ فَاجِرَةً

لوگوں کے لیے امارت قائم کرنا ضروری ہے نیک ہو یا بری۔

لوگوں نے کہا: اے امیر المومنین نیک تو ٹھیک ہے۔ برا امیر کیوں مقرر کیا جائے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

يُقَامُ بِهَا الْحُدُوْدُ وَتَاْمَنُ بِهَا السُّبُلُ وَ يُجَاهَدُ بِهَا الْعَدُوُّ وَ يُقْسَمُ بِهَا الْفِيْئُ

اس امارت سے حدود اللہ کا اجراء ہوتا ہے، راستوں میں امن ملتا ہے، دشمنوں سے اس کے ذریعہ جہاد کیا جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ مال فئے تقسیم ہوا کرتا ہے۔

یہ وہ قسم ہے کہ والیانِ ملک ﴿حاکمِ وقت﴾، امراء ولایت ﴿قاضی و جج﴾ پر اس سے بحث کرنا، اس پر غور کرنا فرض ہے اور بلا کسی دعویدار کے دعویٰ اور مطالبہ کے ﴿یعنی حاکم اور کورٹ کو از خود نوٹس لیتے ہوئے﴾ یہ حدود قائم کرنی چاہئیں۔ اور یہی حکم شہادت (گواہی) کا ہے، بغیر کسی کے دعوی کے لینی چاہیئے۔ اگرچہ فقہاء نے چور کے ہاتھ کاٹنے میں اختلاف کیا ہے کہ جو مال چوری ہو گیا، کیا اس کے مطالبہ کی ضرورت ہے کہ جس کا چوری ہوا ہے وہ اپنا مال طلب کرے تو چور پر حد جاری ہو گی ورنہ نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ مطالبہ کے بغیر حد جاری نہیں کی جائے گی، لیکن سب فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جس کی چوری ہوئی ہے، ﴿چور پر﴾ حد جاری کرنے کے لیے اس کے مطالبے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض علماء مال کے مطالبہ کی شرط لگاتے ہیں تاکہ چور کو کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔

یہ جرائم کی وہ قسم ہے کہ جس میں حدود جاری کرنا واجب ﴿یعنی فرض﴾ ہے، شریف ہو یا کمین، اونچے خاندان اور بڑی برادری والا ہو یا نہیں۔ طاقتور ہو، یا ضعیف، سب پر حد جاری کرنا فرض ہے۔ جو ﴿حاکم، جج یا قاضی﴾ کسی کی شفاعت و سفارش سے، یا ہدیہ اور تحفہ لے کر، یا کسی دوسری وجہ سے حد کو معطل اور ساقط کرے گا تو اُس پر اللہ اور اس کے رسول، اور فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہو گی۔ اس میں کسی کی سفارش مقبول نہیں ہو گی۔ اور سفارش کرنے والا اس قبیل سے ہو گا۔ مَنِ اشْتَرٰی بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا. (اللہ کی آیتوں کو تھوڑے داموں بیچتا ہے)۔

اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهٗ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ فِیْ اَمْرِهٖ وَمَنْ خَاصَمَ فِیْ بَاطِلٍ وَهُوَ یَعْلَمُ لَمْ یَزَلْ فِیْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰی یَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِیْ مُسْلِمٍ مَا لَیْسَ فِیْهِ حُبِسَ فِیْ رَدْغَةِ الْخَبَالِ حَتّٰی یَخْرُجَ مِمَّا قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا رَدْغَةُ الْخَبَالِ قَالَ عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ (رواہ ابوداؤد)

جس کی شفاعت وسفارش حدود اللہ میں سے کسی حد کے آڑے آئی تو وہ اللہ کا مقابلہ کرتا ہے اور جو شخص باطل پر جھگڑتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ باطل ہے تو وہ اللہ کی خفگی میں رہے گا۔ یہاںتک کہ وہ اس جھگڑے کو چھوڑ دے، اور جس نے کسی مسلمان کے خلاف ایسی بات کہی جو اس میں نہیں ہے، تو ایسے لوگ ردغة الخبال میں قید ہوں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ردغة الخبال کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل دوزخ کا نچوڑا ہوا خون اور پیپ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکام، گواہوں اور جھگڑنے والوں کا ذکر اسی لیے فرمایا ہے کہ یہی لوگ حکم ﴿یعنی فیصلے﴾ کے اصل ارکان ہیں اور فیصلہ انہی کی منصفی (یعنی بیانات) پر ہوتا ہے۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، سفارش وشفاعت کے بارے میں مہتم بالشان واقعہ اس عورت کا ہے جو بنی مخزوم میں سے تھی۔ جس نے چوری کی تھی۔ کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، گفتگو کرنا چاہی تو لوگوں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کون کرے گا؟ گفتگو کی جرأت وہمت سوائے اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے کوئی نہیں کرسکتا، چنانچہ سیدنا اُسامہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللهِ ۔ اِنَّمَا هَلَكَ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَ اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ فَا طِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا

کیا حدود الٰہی میں شفاعت وسفارش کررہے ہو؟ بنی اسرائیل اسی لیے ہلاک ہوئے ہیں کہ جب ان میں کوئی ''شریف آدمی'' (یعنی سیاستدان، بیوروکریٹ، چوھدری، وڈیرا، فوجی افسر، پولیس افسر، وزیر، مشیر، بزنس مین وغیرہ) چوری کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے، جب کوئی ضعیف کمزور آدمی چوری کرتا تو اُس پر حد جاری کرتے، قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

یہ واقعہ بڑا عبرت انگیز، نصیحت آموز ہے کیونکہ قریش میں اشرف ﴿افضل﴾ ترین خاندان دو

بطن دو خاندان ہی تھے۔ بنو مخزوم اور بنو عبد مناف، جب اس پر ہاتھ کاٹنا واجب ٹھہرا، اور ایسی چیز کے عوض کہ بعض علماء کے نزدیک عاریت ﴿یعنی ادھار﴾ لی گئی تھی اور بعض کے نزدیک خاص چوری کی گئی تھی۔ تو بدیگر چہ رسد۔ یہ قبیلہ سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ سب سے زیادہ شریف ﴿یعنی افضل﴾۔ اور خاص رسول اللہ ﷺ کے خادم اور دوست سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے سفارش کی تھی۔ ان پر رسول اللہ ﷺ خفا ہوئے۔ اس شفاعت وسفارش سے سخت برہم ہوئے اور کہا، تم ایک حرام و ناجائز بات لے کر آئے ہو۔ یہ حدودِ الٰہی کے بارے میں سفارش ہے۔ اور پھر آپ نے مثال میں اپنی بیٹی سیدة النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مثال پیش کی کہ اگر یہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کٹوا دیتا۔

روایت کی گئی ہے کہ جس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا تھا، اس نے توبہ کی تھی۔ اور ہاتھ کٹنے کے بعد یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ اس کی کوئی حاجت ہوتی تو پوری فرما دیا کرتے تھے۔ اور روایت کی گئی ہے:

اِنَّ السَّارِقَ اِذَا تَابَ سَبَقَتْهُ يَدُهُ اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنْ لَمْ يَتُبْ سَبَقَتْهُ يَدُهُ اِلَى النَّارِ

چور جب توبہ کر لے گا تو وہی ہاتھ جو کاٹا گیا ہے جنت میں داخل ہونے میں سبقت کرے گا۔ اور اگر اس نے توبہ نہیں کی تو اس کا یہی ہاتھ دوزخ کی طرف سبقت کرے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی مؤطا میں روایت کی ہے۔ ایک جماعت نے ایک چور کو پکڑ لیا تا کہ اُسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچائیں، راستے میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ ملے، ان لوگوں نے درخواست کی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ اس کی شفاعت وسفارش کر دیں۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب حدود کا معاملہ جج یا حاکم وسلطان تک پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والے پر اور جس کے لیے سفارش کی جائے اس پر لعنت بھیجتا ہے"۔

سیدنا صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں سوئے ہوئے تھے۔ ایک چور آیا اور اُن کی چادر لے کر چلتا بنا۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے اُسے پکڑ لیا اور خدمت نبوی ﷺ میں اُسے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے مقدمہ سن کر چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کیا میری چادر میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا؟ میں اسے بخش دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فَهَلَّا قَبْلَ اَنْ تَأْتِيَنِيْ بِهٖ عَفَوْتَ عَنْهُ ثُمَّ قَطَعَ يَدَهٗ (رواہ اھل السنن)

کیوں میرے پاس لانے سے پہلے اُسے معاف نہیں کر دیا؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے اُس کا ہاتھ کٹوا دیا۔

جس سے رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اگر میرے پاس لانے سے پہلے تم معاف کر دیتے تو ایسا ہو سکتا تھا۔ جب میرے پاس لے آئے تو اب تعطیل حد کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ نہ معاف کرنے سے ممکن ہے، نہ سفارش سے نہ بخشش سے۔ میرے علم کے مطابق علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ راہزن، ڈاکو، لٹیرے اور چور وغیرہ جب ولی الامر یعنی حاکمِ وقت، جج یا قاضی وغیرہ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں اور پھر ڈاکو، چور توبہ کرے تو حد ساقط نہیں ہوگی بلکہ حد قائم رکھنا اور جاری کرنا فرض ولازم ہے۔ اگر ان لوگوں نے توبہ کی اور یہ اپنی توبہ میں سچے تھے تو یہ حد ان کے لیے کفارہ بن جائے گی۔ اور توبہ میں استقامت ان کی توبہ کو استوار اور مضبوط کر دے گی، اور یہ چیز حقدار کے حقوق کا پورا پورا قصاص و بدلہ۔ اور بدلہ کی قدرت پانے کے برابر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس کی اصل موجود ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا o (نساء:85)

اور جو شخص نیک بات کی سفارش کرے اس نیک کام کے اجر میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے، اس کے وبال میں وہ بھی شریک ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ضابط ہے۔

کیونکہ شفاعت کے معنی ہی طلب اعانت کے ہیں۔ شفیع ﴿سفارش کرنے والا﴾ اور شفع ﴿جس کے لیے سفارش کی جائے﴾ دو کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں وتر آتا ہے۔ تو شفیع اس وتر کے ساتھ ہو گیا تو گویا ایک تھا، دو ہو گئے، پس اگر نیکی اور تقویٰ کی اعانت کرو گے تو یہ شفاعت حسنہ ہوگی۔ اگر اثم گناہ اور عدوان کی شفاعت و سفارش کرو گے تو یہ شفاعت سیئہ ﴿بری شفاعت﴾ ہوگی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نیکی اور تقویٰ میں شفاعت اور سفارش کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور اِثم و گناہ کی شفاعت و سفارش سے تمہیں روکا گیا ہے۔

پس اگر وہ اپنے عمل میں کاذب اور جھوٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے فریب دل کو پھلنے پھولنے نہیں دے گا۔

اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَائِنِيْنَ ○ (سورۂ یوسف:52)

بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں کو چلنے نہیں دیتا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْآ اَوْ يُصَلَّبُوْآ اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذَالِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ط فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (مائدہ:33-34)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے لڑنے اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیئے جائیں یا ان کو سولی دے دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے (یعنی سیدھا ہاتھ تو الٹا پاؤں یا الٹا ہاتھ اور سیدھا پاؤں) کاٹ دیے جائیں، یا ان کو دیس نکالا ﴿یعنی جلاوطن کر﴾ دیا جائے، یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے، مگر جو لوگ اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کر لیں تو جانے دو کہ اللہ معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے جو قدرت پانے (یعنی گرفتار ہونے) سے پہلے تائب ہو گئے ہیں۔ ولی الامر ﴿جج یا﴾ حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے جو توبہ کر چکا ہو فقط وہی مستثنیٰ ہے۔ جو قدرت پانے کے بعد اور حاکم کے سامنے پیش ہونے کے بعد توبہ کرے تو اس پر حد کا اجراء فرض اور ضروری ہے۔ اس پر حد جاری کی جائے گی۔ آیت کا عموم اور اس کا مفہوم اور علت جو اللہ نے بیان کی ہے، اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ بینہ ﴿دلیل﴾ اور گواہ سے جرم ثابت ہو اور یا جب خود مجرم اپنے جرم کا اقرار کر لے۔ اور اگر وہ خود آ کر جرم و گناہ کا اقرار کر لے اور اس سے پہلے توبہ بھی کر لی ہے، تو اس میں اختلاف ہے جو دوسرے مقام پر مذکور ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا

ظاہر مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت میں حد جاری نہیں ہوگی۔ ہاں خود بخود حد کا طالب ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اور اگر وہ چلا گیا، اور حد جاری کرانا نہیں چاہتا تو حد اس پر جاری نہیں کی جائے گی۔ اور سیدنا ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث اسی پر محمول ہے، جس وقت صحابہ نے رجم کے وقت کی ان کی کیفیت بیان کی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ

ان کو تم نے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟

اس کے علاوہ دیگر احادیث وآثار بھی پائے جاتے ہیں کہ جن سے ثابت ہے کہ قدرت پانے سے پہلے، جج، حاکم یا قاضی کے سامنے پیش ہونے سے پہلے توبہ کر چکا ہے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔

اور سنن ابی داؤد، اور سنن نسائی میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تَعَافُوا الْحُدُوْدَ فِيْمَا بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَغَنِيْ مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ **(ابوداؤد۔نسائی)**

تم آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دیا کرو، کیونکہ جب میرے سامنے معاملہ پیش کر دیا جائے گا تو حد کا جاری کرنا واجب ہو جائے گا۔

اور سنن نسائی، اور ابن ماجہ میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حَدٌّ يُعْمَلُ بِهِ فِي الْأَرْضِ خَيْرٌ لِأَهْلِ الْأَرْضِ مِنْ أَنْ يُمْطَرُوْا أَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا

زمین پر (ایک) حد جاری کرنا، چالیس دن برسات برسنے سے (پیدا ہونے والے معاشی و علاقائی فوائد سے) زمین والوں کے لیے بہتر ہے۔

اور یہ اس لیے کہ گناہ و معاصی: **کمی رزق اور دشمن سے خوف کا سبب ہیں۔** جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول ﷺ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ جب حدود کا اجراء وقیام ہوگا اور اطاعت الٰہی غالب اور ظاہر ہو جائے گی تو گناہ، معاصی اور اللہ کی نافرمانی کم ہو جائے گی۔ اور جب معاصی اور گناہ کم ہو جائیں گے تو رزق بھی خوب ملے گا اور اللہ کی نصرت و امداد بھی نصیب ہوگی۔

اور زانی، چور اور شرابی، راستے کاٹنے والے راہزن وغیرہ سے ﴿رشوت کا﴾ مال لے کر حد کو معطل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے، نہ بیت المال میں شامل کرنا جائز ہے نہ کسی اور کے لیے لینا جائز

ہے۔ اور جو مال بھی تعطیل حد، اور حد ساقط کرنے کے لیے لیا جائے گا سُحت ﴿رشوت﴾ اور حرام ﴿مال﴾ ہوگا۔ اگر ولی الامر ﴿جج، قاضی یا﴾ حاکم نے ایسا کیا تو اس نے دو خرابیاں جمع کرلیں۔ ایک تو یہ کہ اس نے حد ساقط کردی اور حرام مال لیا۔ دوسری یہ کہ اُس نے فرض ترک کیا۔ اور حرام چیز کا مرتکب ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○ (مائدہ:63)

ان کو ان کے مربی یعنی مشائخ اور علماء جھوٹ بولنے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے، البتہ بہت ہی بُری ہے وہ درگذر جو ان کے مشائخ اور علماء کرتے رہے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ یہود کی کیفیت بیان فرماتا ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ:42)

یہ لوگ جھوٹی باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرنے والے اور (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں۔

کیونکہ یہودی سُحت ﴿یعنی رشوت﴾ حرام اور خبیث مال لیا کرتے تھے، رشوت کھاتے تھے، جس کا نام اُنہوں نے ''برطل'' رکھا تھا۔ اور جسے ہدیہ ﴿یعنی تحفہ﴾ وغیرہ کہا کرتے تھے۔

جب جج، قاضی یا حاکم ﴿رشوت کا﴾ حرام مال لے گا تو ضرور وہ جھوٹی گواہی وغیرہ بھی لے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ وَالرَّائِشُ الْوَاسِطَةُ الَّذِيْ يَمْشِيْ بَيْنَهُمَا

رشوت لینے والا رشوت دینے والا اور جو دونوں کے درمیان ذریعہ (Middle man) ہے سب برابر کے گنہگار ہیں۔ (رواہ اہل السنن)۔

اور صحیح بخاری، اور صحیح مسلم میں ہے دو آدمیوں نے اپنا جھگڑا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا فیصلہ کتاب اللہ سے فرما دیجئے۔ دوسرا آدمی ذرا ہوشیار تھا، اُس نے بھی کہا ہاں یا رسول اللہ کتاب اللہ سے ہمارا فیصلہ فرما دیجئے۔ اور مجھے کچھ کہنے کی

اجازت دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا کہو۔ وہ بولا میرا لڑکا اس کے گھر پر اُجرت پر کام کیا کرتا تھا، اُس سے اس کی عورت کے ساتھ زنا ہوگیا ہے۔ اُس کی جانب سے میں نے سو بکریاں جرمانہ میں دے دی ہیں اور ایک غلام بھی آزاد کر دیا ہے۔ میں نے علماء سے مسئلہ پوچھ کر ایسا کیا ہے، آپ ﷺ نے جواب دیا: تمہارے لڑکے کے لیے سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی ہے اور اس کی عورت کے لیے رجم کی حد جاری ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَاَ قْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بِکِتَابِ اللّٰہِ اَلْمِائَۃُ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَیْكَ وَ عَلَی ابْنِكَ جَلْدُ مِائَۃٍ وَ تَغْرِیْبُ عَامٍ واغد یَا اُنَیْسُ عَلَی امْرَأَۃِ ھٰذَا فَاسْئَلْھَا فَاِنِ اعْتَرَفَتَ فَارْجُمْھَا فَسَئَلَھَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَھَا

قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں کتاب اللہ سے تمہارا فیصلہ کروں گا: سو بکریاں اور خادم تم واپس لے لو۔ تمہارے لڑکے کو سو کوڑے لگیں گے۔ اور ایک سال جلا وطن رہے گا۔ اے انیس رضی اللہ عنہ تم صبح ہوتے ہی اس عورت کے پاس جاؤ اور پوچھو۔ اگر وہ گناہ کا اعتراف کرے تو تم اُسے رجم کر دو۔ جب پوچھا گیا تو اُس نے زنا کا اعتراف کر لیا تو اُسے رجم کر دیا گیا۔

غور کیجیے کہ مسلمانوں کو، مجاہدین اسلام کو، فقراء و مساکین کو مال مل رہا تھا لیکن آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا، اور حد ساقط نہیں فرمائی۔

چنانچہ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تعطیل حد، یعنی حد ساقط کرنے کے لیے مال وغیرہ لینا جائز نہیں ہے۔ اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ زانی، چور، شراب خور، ڈاکو اور راستے کاٹنے والے قطاع الطریق، راہ زن وغیرہ سے حد ساقط کرنے کے لیے جو مال لیا جائے وہ حرام اور خبیث ہے۔ اور عام طور پر بیشمار لوگوں کے اُمور فاسد اور خراب ہی ہوا کرتے ہیں ﴿یعنی وہ﴾ مال و دولت اور جاہ جلال اور قوت و طاقت کے ذریعہ حدود ساقط کرا دیتے ہیں۔ اور دیہات، قصبے، شہر، دیہاتی اعراب، ترکمان، کرد، فلاحین اور اہل ہوا و نفس ﴿نفس و خواہشات کی پیروی کرنے والے﴾۔ مثلاً قیس و یمن اور شہر

کے رؤساء، امراء، غریبوں اور فقیروں کو بڑی بڑی امداد دینے والے، ان کے سردار اور مقدم، عوام اور لشکروں کی خرابی کا موجب ہوتے ہیں۔ اور یہی چیز ولی الامر / قاضی اور حاکم وقت کی عزت و حرمت بھی ختم کر دیتی ہے۔ دونوں سے اس کی عزت و حرمت ختم ہو جاتی ہے۔ اور جج، قاضی، ولی الامر اور حاکم کی حکومت بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے جبکہ وہ رشوت لیتا ہے۔ اور رشوت لے کر حد ساقط کر دیتا ہے۔ جب ایک کی حد ساقط کر دی تو دوسروں پر حد جاری کرانا اس کے لیے دشوار ہو جاتا ہے۔ حد جاری کرنے میں اس کا دل، اس کا ضمیر بالکل کمزور ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ ملعون یہودیوں کے قبیل سے ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک اثر کے اندر ہے:

اِذَا دَخَلَتِ الرِّشْوَةُ مِنَ الْبَابِ خَرَجَتْ اَمَانَةٌ مِّنْ كُوَّةٍ

جب رشوت ایک دروازے سے داخل ہوتی ہے تو دوسرے راستے سے امانت چلی جاتی ہے

یہی حال اس مال ﴿یعنی ٹیکس﴾ کا ہے جو دولت و سلطنت باقی رکھنے کے لیے لیتے ہیں۔ جس کا نام ان لوگوں نے تادیبات ﴿ٹیکس و جرمانہ﴾ رکھا ہے۔ یہ مال قطعاً حرام ہے۔ تم ان اعراب و بدو و گنوار مفسدوں کو دیکھو جب یہ اپنے لیے یا کچھ لوگوں کے لیے کچھ کر لیتے ہیں تو جج، قاضی، ولی الامر یا حاکم وقت کے یہاں کس شان سے پہنچتے ہیں۔ اور یہ گھوڑے (اور آجکل بڑی بڑی گاڑیاں) پیش کرتے ہیں۔ اس پیش کش کے بعد طمع، لالچ اور فساد کا جذبہ کس قدر بڑھ جاتا ہے، یہ لوگ ولایت و سلطنت اور حکومت کی حرمت و عزت کس طرح توڑ دیتے ہیں۔ اور رعایا کیسی خراب ہو جاتی ہے۔ یہی حال فلاحین کسانوں کا ہے۔ اسی طرح شراب نوش لوگوں کا ہے۔ جب کوئی شرابی پکڑا جاتا ہے اور کچھ مال پیسہ رشوت میں دے دیتا ہے تو وہ کیسی کیسی اور کس کس قسم کی امیدیں قائم کر لیتا ہے؟ ہر شرابی کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جب ہم پکڑے جائیں گے تو کچھ دے دلا کر چھوٹ جائیں گے۔ پس جو مال جج، قاضی، ولی الامر یا حاکم وقت لیتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی اور فساد بدستور قائم اور موجود رہتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی بڑا آدمی صاحب عزت و جاہ کسی کی حمایت کرتا ہے اور اس کو حد جاری کرنے سے بچا لیتا ہے۔ مثلاً بعض فلاحین ﴿خوشحال﴾ وکسان ﴿زمیندار﴾ کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کے بعد جج، قاضی، نائب سلطان (آئی۔ جی۔ پولیس، بڑے بڑے سول و فوجی افسروں) یا امیر ﴿حاکم وقت﴾

کے پاس پہنچتے ہیں، اور اللہ اور رسول ﷺ کے مقابلہ میں وہ مجرم کی حمایت و سفارش کرتے ہیں اور مجرم کو چھڑا کر لے جاتے ہیں، تو وہ وہی سفارش و حمایت ہے جس پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدِثًا فَكُلُّ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا مِنْ هٰؤُلَاءِ الْمُحْدِثِيْنَ فَقَدْ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ ﷺ

جس شخص نے کوئی بدعت ایجاد کی یا جو شخص گناہ گار کو پناہ دے تو جو مجرم کو پناہ دے گا تو اللہ اور رسول ﷺ کی اس پر لعنت ہوگی۔

اور رسول اللہ ﷺ یہ تو فرما ہی چکے ہیں:

مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُوْنَ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّ اللّٰهَ فِيْ حُكْمِهٖ

جس کی شفاعت و سفارش حدود جاری کرنے میں آڑے آئی تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اللہ کا مقابلہ کرتا ہے۔

پس بتایئے کہ جن کے ہاتھ میں حدود کے اجراء و قیام کے اختیارات ہیں وہ ان مجرموں گنہگاروں سے معاوضہ لے کر چھوڑ دیں، اور ان کا جرم معاف کر دیں تو کتنا بڑا افساد برپا ہوگا؟ اور بڑے سے بڑا افساد تو یہ ہے کہ وہ معتدین، ظالموں کی حمایت کر رہا ہے۔ کسی کے جاہ و مرتبہ اور اثر و رسوخ کی وجہ سے حمایت کی جائے یا مال اور رشوت لے کر ﴿مجرم کو اسلامی سزا نہ دینے والا جج اور مجرم﴾ دونوں برابر ہیں۔ اور پھر یہ کہ جو مال ان سے لیا جاتا ہے، وہ بیت المال کا مال ہوتا ہے، یا والی ﴿قاضی، جج یا حاکم وقت﴾ کا۔ اور والی حاکم ﴿حاکم یا قاضی و جج﴾ مخفی طور پر کبھی لیتا ہے اور کبھی اعلانیہ۔ اور ظاہر ہے کہ سب کا سب حرام مال ہے، اور اس کی حرمت پر سارے مسلمانوں کا اجماع ہے۔ مثلاً خمر و شراب کی دوکانوں کی ضمانت (یعنی پرمٹ) وغیرہ کہ جو شخص بھی اس کی قدرت رکھتا ہے، اور اس کو جگہ دیتا ہے، یا دلواتا ہے، یا اس کی کسی قسم کی امداد و اعانت کرتا ہے، یا مال اور رشوت لے کر اُسے اجازت دیتا ہے، یہ سب کے سب مجرم ہیں اور سب کے سب ایک ہی جنس کے لوگ ہوں گے اور یہ مہر بغی ﴿یعنی﴾ زنا کی اُجرت و

معاوضہ کے برابر ہیں۔ کاہن اور کتے کی قیمت، اور حرام معاملہ کرانے والے قواد اور دلال کے مشابہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيْثٌ وَمَهْرُ الْبَغِي خَبِيْثٌ وَ حَلْوَانُ الْكَاهِنِ خَبِيْثٌ (بخاری)

کتے کی قیمت حرام اور ناپاک ہے، زنا کا معاوضہ لینا خبیث حرام و ناپاک ہے اور کاہن، نجومی، ہاتھ دیکھنے والے، فال نکالنے والے وغیرہ (ان سب) کی اُجرت حرام و ناپاک ہے

زنا کی اُجرت، متعہ کی اُجرت و معاوضہ، قحبہ عورتوں ﴿طوائفوں، نائٹ کلب میں ناچنے گانے والی عورتوں﴾ کی اُجرت و معاوضہ لینا قطعاً حرام ہے۔ اور یہی حکم ہے مخنث لڑکوں کا، ہیجڑوں کا خواہ آزاد ہوں یا غلام اور ان کے ساتھ فسق و فجور کرنے والوں کا اور کاہن، ہاتھ دیکھنے والے، اور نجومیوں کا۔ ان حرام کاموں کے عوض مال لینا قطعاً حرام ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ جو ولی الامر، جج، قاضی، حکمران، ٹریفک پولیس وغیرہ منکرات و جرائم کو روکے گا نہیں، اور حدود کا اجراء نہیں کرے گا اور مال لے کر چھوڑ دے گا تو اس کا حال حرامیوں اور چوروں کے سردار کا سا ہوگا۔ اور یہ بمنزلہ فحش کام کرنے والوں کے دلال کے ہیں جو دو زانیوں کو باہم ملا دیا کرتا ہے۔ اور ان سے مال لیا کرتا ہے۔ اس کا حال وہی ہوگا جو لوط علیہ السلام کی بڑھیا عورت کا ہوگا، جو فاسق و فاجر لوگوں کو لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر دیتی تھی جس کے انجام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاَنْجَيْنَاهُ وَاَهْلَهٗ اِلَّا امْرَأَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِيْنَ ۝ (اعراف:83)

پس ہم نے لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو عذاب اور عذاب پانے والی قوم سے نجات دی مگر ایک اُن کی بی بی کہ پیچھے رہ جانے والوں میں وہ بھی رہی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ (ھود:81)

تو تم اپنے اہل و عیال کو لے کر کچھ رات رہے سے نکل بھاگو۔ اور پھر تم میں سے کوئی مڑ کر بھی ادھر کو نہ دیکھے۔ مگر تمہاری بی بی کہ وہ بے دیکھے رہنے کی نہیں، اور جو عذاب ان لوگوں پر نازل

ہونے والا ہے وہ اس پر بھی ضرور نازل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بدترین بڑھیا کو جو دلالی کرتی تھی اِسی عذاب میں مبتلا کیا جو اس بدترین قوم خبیث و جرائم پیشہ لوگوں کو دیا۔ اور یہ اس لیے کہ یہ سب کا سب اثم وعدوان ﴿ گناہِ کبیرہ ﴾ ہے، اور اس پر مال لینا اثم وعدوان ﴿ گناہوں ﴾ کی اعانت وامداد ہے۔ اور ولی الامر ﴿ حاکم ﴾ اسی لیے قائم کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دے یہی ولایت وحکومت کا اصل مقصود ہے۔ ولی الامر ﴿ قاضی، جج یا ﴾ حاکم مال لے کر، رشوت وصول کر کے کسی منکر کو پھلنے پھولنے دے گا ﴿ جیسا کہ پاکستان کا ہر حکمران اپنے ''آقاؤں'' کے اشاروں پر کرتا چلا آ رہا ہے ﴾ تو یہ عمل اصل مقصود کے خلاف اور اس کی ضد ہوگا۔ اور یہ اس کے مثل ہوگا کہ تم نے کسی کو دشمن کے خلاف لڑنے کو بھیجا اور وہ تمہارے خلاف تمہارے دشمن کی اعانت وامداد کر رہا ہے۔ اور بمنزلہ اس مال کے ہوگا کہ تم نے کسی کو جہاد میں خرچ کرنے کو دیا اور وہ اُسے مسلمانوں کے قتل کرنے میں خرچ کر رہا ہے۔

اس کی مزید توضیح کے لیے یہ سمجھ لیجئے کہ بندوں کی اصلاح، فلاح و بہبود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہوتی ہے۔ اس لیے کہ بندوں کی معاش ومعاشرت اور اس کی فلاح و بہبود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہے۔ اور یہ اُسی وقت پوری ہوتی ہے جبکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جائے۔ اسی امر بالمعروف، نہی عن المنکر سے یہ اُمت خیر الامم اور بہترین اُمت کہی گئی ہے جو دنیا جہان کی اصلاح کے لیے کھڑی کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ

لوگوں کی رہنمائی کے لیے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں ان میں تم مسلمان سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔ **(آل عمران:110)**

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (آل عمران:104)

اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیئے جو لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلائے، اچھے کام

کرنے کو کہے اور برے کاموں سے منع کرے۔

اور اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کی حالت بیان فرماتا ہے:

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ (مائدہ:79)

جو گناہ وہ کر بیٹھتے تھے اس سے باز نہیں آتے تھے البتہ بہت ہی برے فعل تھے جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔

اسی طرح فرمایا:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ (اعراف:165)

تو جب ان نافرمانوں نے وہ نصیحتیں جو ان کو کی گئی تھیں بھلا دیں تو جو لوگ برے کاموں سے منع کرتے تھے ان کو ہم نے بچا لیا۔ اور جو شرارت کرتے رہے ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں ہم نے ان کو سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ جب اللہ کا عذاب اُتر چکا تو اللہ نے ان لوگوں کو نجات دی جو گناہوں سے بچتے رہے، اور بدعمل ظالموں کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی ﷺ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، اثناء خطبہ ﴿یعنی خطبہ کے دوران﴾ میں فرمایا: مسلمانو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور غلط مراد لیتے ہو:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ

مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو، جب تم راہ راست پر ہو تو کسی کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ (مائدہ:105)

حال یہ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے:

اَنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوْا اَوْشَكَ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِّنْهُ

جب لوگ منکر، ناجائز کام کو دیکھیں اور اس کی اصلاح نہ کریں تو قریب ہے ان پر عذاب الٰہی عام ہو جائے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

اِنَّ الْمَعْصِیَۃَ اِذَا اُخْفِیَتْ لَمْ تَضُرَّ اِلَّا صَاحِبَھَا وَلٰکِنْ اِذَا ظَھَرَتْ فَلَمْ تُنْکَرْ ضَرَّتِ الْعَامَّۃَ

معصیت و گناہ مخفی طور پر کیا جائے تو معصیت و گناہ کے اثر سے کرنیوالے ہی کو نقصان پہنچتا ہے لیکن جب کھلے طور پر کیا جائے اور اس کی اصلاح نہ کریں تو عام لوگوں کو نقصان ہوتا ہے

اور اسی قسم کو ہم نے حدودِ الٰہی، اور حقوق اللہ کے اندر پیش کیا ہے جس کا بڑے سے بڑا مقصود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

اور امر بالمعروف مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، صدقہ و امانت، والدین کے ساتھ نیکی اور بھلائی، صلہ رحمی، اہل و عیال اور پڑوسیوں سے حسن معاشرت وغیرہ۔ پس ولی الامر ﴿سردار، چودھری، افسر وغیرہ﴾، حاکم ﴿وقت﴾ کا فرض ہے کہ جن پر قدرت رکھتا ہے انہیں فرض نماز کا حکم کرے۔ اور تارکِ نماز کو عقاب و عذاب دے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اگر تارکِ نماز باغی و ہٹ دھرم و سرکش گروہ ہے تو ان کے خلاف جہاد کرے، اس پر بھی مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ اور روزے ترک کرنے والوں کے خلاف بھی جہاد کیا جائے۔ یہی حکم ہے ان محرمات کا جن پر اجماع ہے۔ ان محرمات کو حلال جاننے والوں کے خلاف بھی جہاد کیا جائے۔ مثلاً محارم سے نکاح کرنا، اللہ کی زمین پر فساد پھیلانا وغیرہ۔ ان کے خلاف جہاد فرض ہے۔ ہر مضبوط اور سخت گروہ اگر التزامِ شریعت اور شرائع اسلام جو ظاہر اور متواتر ہیں، ان کا انکار کرے تو ان کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے یہاں تک کہ تمام دین اللہ تعالیٰ کا دین ہو جائے۔ اس مسئلہ پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اگر تارکِ نماز ایک شخص ہے تو اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اُسے سزا دی جائے، مار ماری جائے، قید و حبس میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ نماز کا پابند ہو جائے۔ اور جمہور علماء اس پر ہیں کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ اور اُسے قتل کرنا واجب ہے جبکہ وہ نماز ترک کرنے پر اڑ جائے۔ پہلے اُسے کہا جائے کہ توبہ کرو۔ اگر وہ توبہ کر لے اور نماز پڑھنے لگے تو بہتر ورنہ قتل کر دیا جائے۔ اب اس کے بارے میں یہ فیصلہ باقی ہے کہ آیا یہ کافر ہو گیا اس لیے قتل کر دیا جائے، یا فاسق ہے اس لئے؟ اس مسئلہ میں دو قول

ہیں۔اور سلف کی اکثریت اس پر ہے کہ وہ کافر ہو گیا اس لیے قتل کر دیا جائے۔اور یہ اس وقت ہے جبکہ وجوب کا اقرار کرتا ہو۔لیکن جب وجوب ہی کا انکار کرے تو تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ وہ اس انکار کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔یہی حال تمام واجبات اور محرمات کا ہے جن کے خلاف اقدام کرنے پر اُسے قتل کرنا واجب ہوگا۔کیونکہ ترک واجبات اور فعل محرمات کی عقوبت وسزا جہاد فی سبیل اللہ کا اصل مقصود ہے۔اور یہ جہاد اُمت مسلمہ پر بالاتفاق واجب ہے جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول ﷺ اس پر دلالت کرتی ہیں۔اور یہ جہاد بندوں کا بہترین عمل ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے درخواست کی کہ:

يَا رَسُوْلَ اللهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ يَعْدِلُ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ قَالَ لَا تَسْتَطِيْعُهٗ اَوْ لَا تُطِيْقُهٗ قَالَ اَخْبِرْنِيْ بِهٖ قَالَ تَسْتَطِيْعُ اِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ اَنْ تَصُوْمَ وَلَا تَفْطُرَ وَ تَقُوْمَ وَلَا تَفْتِرَ قَالَ وَمَنْ يَسْتَطِيْعُ ذٰلِكَ فَذَا الَّذِيْ يَعْدِلُ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ

یارسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا عمل بتلایئے جو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا: تم ایسے عمل کی طاقت نہیں رکھتے۔اُس نے کہا مجھے بتلا تو دیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ مجاہد جہاد کے لیے نکلے، اُس وقت سے تم روزہ رکھو اور کبھی ناغہ نہ کرو۔اور رات بھر نماز پڑھو اور کبھی نہ چھوڑو۔پھر فرمایا اس کی طاقت کون رکھتا ہے؟ پھر فرمایا یہ عمل جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو سکتا ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمِأَةَ دَرَجَةٍ بَيْنَ الدَّرَجَةِ اِلَى الدَّرَجَةِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَعَدَّ اللهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ

جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان آسمان وزمین کا فاصلہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار رکھے ہیں۔

یہ دونوں حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہیں۔اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رَاْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَ عُمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ وَ ذِرْوَةُ سِنَامِهِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ

اسلام راس الامر ہے۔ اور اس کا ستون نماز ہے۔ اور اس کی بلندی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات:15)

پس سچے مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے، پھر کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیا۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہے۔ حقیقت میں یہی سچے مسلمان ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ o اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ o يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ o خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام (یعنی بیت اللہ) آباد رکھنے کو اس شخص جیسا سمجھ لیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لاتا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، اللہ کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا، یہ لوگ اللہ کے ہاں درجے میں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی لوگ منزل مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی اور باغوں میں رہنے کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائش ملے گی، ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، بیشک اللہ کے ہاں ثواب کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ (سورۂ توبہ: 19 تا 22)۔

باب 11 (Chapter) کے مضامین

قطاع الطریق یعنی راہزنوں، ڈاکوؤں، لٹیروں کی عقوبت وسزا۔ جب نبی کریم ﷺ کسی کو جہاد کے لیے بھیجتے تو نصیحت فرماتے کہ کافروں کو قتل کرو لیکن غلو ﴿یعنی حد سے تجاوز﴾ نہ کرنا۔ اپنا وعدہ اور عہد پورا کرنا۔ ناک کان وغیرہ کاٹ کر مثلہ نہ کرنا۔ چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرنا۔ جو اپنے اپنے گھروں میں اسلحہ اور ہتھیار لے کر بیٹھے ہوں ان کو قتل نہ کرنا۔ اگر کافر مسلمانوں کو مثلہ کریں تو مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ بھی ایسا کریں۔ لیکن نہ کرنا بہتر ہے

محارب ﴿لڑائی کرنے والا، جنگی مجرم، کرائے کے قاتل یا دہشتگرد﴾، قطاع الطریق، راہزن، ڈاکو، جو راستوں وغیرہ میں مسافروں، راہ چلنے والوں کو لوٹا کرتے ہیں اور ان کا مال چھینا کرتے ہیں، اب وہ اور اعراب اور بدو، دیہاتی ہوں یا ترکمان، فلاحین کسان یا بدمعاش سپاہی، فوجی ہوں یا نوجوان شہری ہوں خواہ کوئی بھی ہوں، ان کی عقوبت وسزا کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (المائدۃ:34)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے لڑتے اور فساد کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں، ان کی سزا تو بس یہی ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیے جائیں یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے (یعنی دایاں ہاتھ تو بایاں پاؤں اور بایاں ہاتھ تو دایاں پاؤں) کاٹ ڈالے جائیں یا ان کو جلاوطن کر دیا جائے یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب تیار ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اپنی سنن میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے قطاع الطریق راہزنوں، ڈاکوؤں اور لٹیروں

کے متعلق فرماتے ہیں:

اِذَا قَتَلُوْا وَاَخَذُوا الْمَالَ قُتِلُوْا وَصُلِبُوْا وَاِذَا قَتَلُوْا وَلَمْ يَاخُذُوا الْمَالَ قُتِلُوْا وَلَمْ يُصَلِّبُوْا وَاِذَا اَخَذُوا الْمَالَ وَلَمْ يَقْتُلُوْا قُطِعَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَاِذَا اَخَافُوا السُّبُلَ وَلَمْ يَاْخُذُوا الْمَالَ نُفُوْا مِنَ الْاَرْضِ

جب وہ قتل کریں اور مال ومتاع لوٹ لیں تو انہیں قتل کیا جائے اور سولی پر چڑھا دیا جائے اور جب وہ قتل کریں اور مال ومتاع نہیں لوٹا تو انہیں قتل کیا جائے اور سولی پر چڑھایا جائے، اور جب مال لوٹ لیں اور قتل نہ کریں تو ان کے ہاتھ اور پاؤں، ایک ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں، اور جب یہ لوگ مال ومتاع نہیں لوٹتے اور صرف ڈراتے ہیں تو انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔

یہی قول اکثر علماء کا ہے، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے قریب ہے۔

اور انہیں لوگوں میں بعض ایسے بھی ہوں گے جن کے متعلق امام وامیر ﴿حکام اور جج یا قاضی﴾ کو اجتہاد اور غور کرنا ہوگا۔ قتل کرنے اور نہ کرنے کی مصلحت سامنے رکھنی ہوگی۔ اگر رئیس وسردار، پیشوائے مطاع (مریدوں اور حُروں کا ''پیر'') ہے تو اُسے قتل نہ کیا جائے۔ دوسروں کو مصلحت دیکھ کر قتل کرا دے اگرانہوں نے مال نہیں لوٹا لیکن وہ شجاع اور بہادر اور قوی ہے، اور قوت وطاقت سے مال لے سکتا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہے۔

بعض کا قول ہے کہ اگر اس نے مال لوٹا ہے تو اُسے قتل کر دیا جائے، اور اُس کے ہاتھ کاٹے جائیں اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ پہلا قول اکثر علماء کا ہے۔

جو محارب ﴿کرائے کے قاتل یا دہشتگرد﴾ ہیں اور انہوں نے قتل بھی کیا ہے، تو امام وامیر، اور حاکم ان پر حد جاری کرے، اور انہیں قتل کرا دے۔ ایسے لوگوں کو معاف کرنا اور درگذر کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اور کسی حال میں جائز نہیں ہے۔ ابن المنذر کہتے ہیں اس پر علماء کا اجماع ہے۔ مقتول کے ورثاء پر اس کا دارومدار نہیں ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ کسی آدمی نے کسی باہمی عداوت وجھگڑے کی وجہ

سے یا کسی اور وجہ خاص اور اسباب کی وجہ سے قتل کیا ہے تو مقتول کے اولیاء اور ورثاء کو اختیار دے دیا جائے، یہ چاہیں تو اُسے قتل کر دیں، چاہیں معاف کر دیں۔ اور چاہیں تو دیت وخون بہا لے لیں۔ کیونکہ غرض خاص اور وجہ مخصوص کی بنا پر قتل کیا گیا ہے۔

محارب ﴿لڑائی کرنے والے، جنگی مجرم، کرائے کے قاتل اور دہشت گرد﴾ سب کے سب قتل کر دیئے جائیں کیونکہ انہوں نے مال لوٹا ہے، اور ان کا ضرر ونقصان عام ہے۔ یہ بمنزلہ چوروں کے ہیں اور انہیں قتل کرنا حد کی بنا پر ہوگا۔ اور یہ مسئلہ تمام فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اگر مقتول کفومن قاتل کے برابر نہیں ہے مثلاً قاتل حُر وآزاد ہے اور مقتول غلام ہے، یا قاتل مسلمان ہے اور مقتول غیر مسلم ذمی یا جسے امان دی گئی ہے تو فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ محارب ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے۔ اور قوی قول یہی ہے کہ قتل کر دیا جائے کیونکہ فساد عام کے اعتبار سے بربنائے حد قتل کیا جائے گا۔ جس طرح کہ لوگوں کا مال لینے کی وجہ سے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں اور لوگوں کے حقوق کی بنا پر حبس وقید میں رکھا جاتا ہے۔

اگر محارب راہزنوں اور چوروں کی ایک جماعت ہے اور ان میں سے ایک قتل کا مرتکب ہے اور دوسرے اس کے معاون ومددگار ہیں تو کہا گیا ہے کہ جو شخص قتل کا مرتب ہے فقط اُسے قتل کیا جائے۔

اور جمہور علماء کا قول ہے کہ سب کو قتل کر دیا جائے، اگر چہ ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہو۔ خلفاء راشدین سے یہ ماثور ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے محارب لوگوں کے اس نگران کو جو بلند مقام پر بیٹھ کر مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیا کرتا تھا اور کافروں کو اطلاع دیا کرتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا، قتل کرا دیا تھا۔ اس لیے کہ قتل کرنے والا ان کی معاونت وامداد سے قتل کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اور ان کی اعانت وامداد سے ظفریاب اور متمتع ہوتا ہے۔ اور اس لیے ثواب وعقاب میں سب کے سب مشترک ہوں گے جیسے کہ مجاہدین ثواب اور مال میں سب مشترک ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَاءُ دِمَائُهُمْ وَ يَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى سِوَاهُمْ وَ يُرَدُّ متسَرِيهِمْ عَلٰى قَاعِدَتِهِمْ

تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور ادنیٰ آدمی کا ذمہ بھی پورا کیا جائے گا۔ اغیار کے مقابلہ

میں سب ایک ہاتھ کی مانند ہیں۔ اور مسلمان سریہ ﴿فوجی جنگی دستہ﴾ بھیجیں تو اُس سریہ میں مال ﴿واسبابِ جنگ﴾ بھیجنے والے، بیٹھے رہنے والوں کے برابر ہیں۔

یعنی جب مسلمانوں کا لشکر چند آدمیوں کو بطور سریہ بھیجیں اور اس سریہ نے مال غنیمت حاصل کیا تو اُس میں مسلمانوں کا لشکر بھی شریک رہے گا۔ کیونکہ اسی کے بل بوتے پر غالب رہے ہیں۔ اور انہی کی قوت و تمکنت سے قدرت پائی ہے۔ ہاں کچھ نُفل یعنی زائد دیا جائے تو یہ دوسری ﴿بہتر﴾ بات ہے۔ نبی کریم ﷺ نے نُفل اور زائد سریہ ﴿فوجی دستے﴾ کو دیا ہے۔ ابتداء میں خمس کے بعد ایک ربع دیا تھا۔ جب لوگ وطن واپس لوٹے اور وطن سے سریہ بھیجا تو خمس کے بعد ایک ثلث یعنی تہائی حصہ دیا تھا۔

اسی طرح اگر فوج ولشکر مال غنیمت حاصل کرے تو سریہ کو شریک کر لیا جائے کیونکہ سریہ ﴿فوجی دستہ﴾ مسلمانوں کی فوجی، لشکری مصلحتوں کی وجہ سے بھیجا گیا ہے۔ جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے جنگ بدر میں سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ اس لیے کہ لشکر اسلام اور مسلمانوں کی فوجی مصلحت کی وجہ سے یہ بھیجے گئے تھے، تو اس گروہ کے معاونین وانصار معاون و مددگار وہی فائدہ اٹھائیں گے جو ﴿دوسرے﴾ لوگ اٹھا رہے ہیں۔ جو اُن کے لیے ہوگا ان کے لیے بھی ہوگا اور جو اُن پر ہوگا وہ ان پر بھی ہوگا۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو باطل پر لڑے مرے اور بلا تاویل کے قتل ہوئے مثلاً قبائلی عصبیت یا جاہلیت کی دشمنی کی بناء پر باہم لڑے اور قتل ہوئے۔ جیسے کہ قبیلہ قیس اور قبیلہ یمن وغیرہ۔ دونوں کے دونوں ان میں سے ظالم تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا التقى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ

جب دو مسلمان باہم تلواریں سونت لیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں (بخاری ومسلم)

ان میں سے ہر گروہ دوسرے گروہ کی جان و مال تلف کرنا چاہتا تھا۔ گو قاتل اور مقتول نہیں جانتے تھے کہ کون مرتا ہے اور کون مارتا ہے۔ ہر طائفہ، ہر گروہ اپنی مدافعت کرتا تھا اور دوسرے کو مارتا تھا۔

لیکن اگر صرف مال لوٹ لیا ہے قتل نہیں کیا جیسا کہ اکثر اعراب ﴿بدوؤں﴾ کا دستور ہے تو اس صورت میں ہر ایک کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ مثلاً امام ابو

حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اور یہ اللہ کا فرمان بھی ہے۔

اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ (المائدۃ:34)

یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں۔

ہاتھ کاٹا جائے جس سے وہ پکڑتے اور چھینتے تھے۔ اور پاؤں کاٹا جائے جس سے یہ چلتے تھے۔ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد کھولتے ہوئے زیتون کے تیل میں داغ دیئے جائیں تا کہ خون بند ہو جائے اور اُس کی جان تلف نہ ہو۔ چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں اُن کا بھی یہی طریقہ ہے۔

اور یہ عمل یعنی ہاتھ پاؤں کاٹنا ایسا عمل ہے کہ قتل سے زیادہ موجب زجر و توبیخ ﴿عبرتناک﴾ ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اعراب و فساق، لشکری غیر لشکری (اور آبادیوں میں رہنے والے) ہمیشہ کٹے ہوئے ہاتھ اور پاؤں دیکھا کرتے ہیں اور باہم مذاکرہ کرتے رہتے ہیں کہ فلاں جرم کے عوض میں یہ سزا ملی ہے۔ اور اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بخلاف قتل کے کہ اکثر اسے بھول جایا کرتے ہیں۔ اور اسی لیے بعض لوگ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے مقابلہ میں قتل ہونے اور مرنے کو پسند کرتے ہیں۔ یقیناً چوروں وغیرہ کے لیے یہ سزا نہایت عبرت آموز ہے۔

اور اگر چہ لوگ اسلحہ نکال لیں۔ مگر کسی کو گزند نہیں پہنچائی اور نہ مال وغیرہ لوٹا ہے۔ اور پھر تلواریں نیام میں کرلیں یا بھاگ گئے۔ یا لوٹ مار اور جنگ چھوڑ دی تو ایسے لوگوں کو جلاوطن کر دیا جائے۔ کہا گیا ہے جلاوطن کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایک شہر اور آبادی میں اجتماعی حیثیت سے انہیں نہ رہنے دیا جائے۔ بعض کہتے ہیں انہیں حبس و قید میں رکھا جائے یہی ان کے لیے جلاوطنی ہے، بعض کہتے ہیں جلاوطن کرنے کے معنی یہ ہیں کہ امام و امیر اور حاکم جس بات کو قوم کے حق میں اصلح ﴿زیادہ بہتر﴾ سمجھے وہ کرے، خواہ جلاوطن کرے یا حبس و قید میں رکھے یا جو طریقہ بھی مناسب ہو معلوم کرے۔

اور شرعی قتل یہ ہے کہ تلوار یا کسی دوسری تیز چیز سے انسان کی گردن کاٹ دی جائے۔ کیونکہ قتل کا آسان ترین طریقہ یہی ہے۔ اللہ نے آدمی، بہائم اور چوپایوں کو اسی طرح قتل کرنا مشروع فرمایا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ و اذا ذبحتم

فاحسنوا الذبحة وليحد احدكم شفرته وليرح ذبيحته (رواہ مسلم)

بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے جب تم کسی کو قتل کرو تو اچھے طریقے پر قتل کرو جب کسی جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے پر ذبح کرو۔ اپنی چھری تیز کر لیا کرو اور ذبیحہ کو جلد سے جلد راحت پہنچاؤ۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

ان اعف الناس قتلة اهل الايمان

بیشک اہل ایمان قتل (یعنی ذبح) کرنے میں سب سے زیادہ باعافیت ہوتے ہیں۔

سولی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کو اونچی جگہ لٹکا دیا جائے تا کہ لوگ اُسے دیکھیں اور مشتہر ہو جائے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ قتل کرنے کے بعد ہوا کرتا ہے اور بعض علماء کا قول ہے پہلے سولی پر لٹکا دیا جائے پھر قتل کر دیا جائے۔

اور جو لوگ قتل کئے جائیں تو اُنہیں مثلہ کرنا، یعنی ناک، کان وغیرہ کاٹنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ ہاں قصاص و بدلہ کی صورت میں جائز ہے چنانچہ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے جب کبھی ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا تو صدقہ و خیرات کا حکم فرمایا۔ اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ کفار کو ہم قتل کریں تو اُن کو بھی مثلہ کرنے سے ہم کو منع فرمایا ہے۔ قتل کے بعد اُن کو مثلہ نہیں کیا کرتے تھے اُن کے ناک اور کان نہیں کاٹتے تھے اور نہ ہی ان کے پیٹ چیرا کرتے تھے ہاں اگر مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے ایسا کیا تو ہم بھی ایسا کرتے تھے لیکن پھر بھی چھوڑ دینا بہتر سمجھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (نحل 126-12)

مسلمانو! مخالفین کیساتھ سختی بھی کرو تو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہو اور اگر صبر و کرو تو بہر حال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہے اور اے پیغمبر (ﷺ) تم صبر کرو اور اللہ کی توفیق کے بغیر تم صبر کر ہی نہیں سکتے۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی ہے جب سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور شہداءِ اُحد کے ساتھ کفار نے ایسا کیا، اُن کو مثلہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی رنج کے مارے کہا:

لَئِنْ اَظْفرنی اللہ بھم لامثلن بضعفی ما مثلوا بنا

اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ظفریاب ﴿فتح یاب﴾ کیا تو میں اُن میں سے دُگنے آدمیوں کو مثلہ کروں گا جیسا کہ اُنہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ گو اس سے پہلے مکہ معظمہ میں یہ آیت نازل ہو چکی تھی جس طرح کہ یہ آیت دوبارہ نازل ہوئی ہے:

وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل:85)

اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! کفار آپ سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو کہہ دو کہ روح میرے رب کا ایک حکم ہے۔

اور یہ آیت:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ

اے پیغمبر! دن کے دونوں سرے صبح و شام اور اوائل شب نماز پڑھا کرو بیشک نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ (ہود ع10)۔

وغیرہ آیتیں دوبارہ نازل ہوئی ہیں، پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں پھر ضرورت پیش آئی تو پھر نازل کی گئیں۔ غرض! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فرمایا:

بَلْ نَصْبِرُ بلکہ ہم صبر کریں گے۔

اور صحیح مسلم میں بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی کو امیر سریہ یا امیر لشکر بنا کر بھیجتے تو اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو خاص نصیحت فرماتے اور تقویٰ و پرہیز گاری کی ہدایت فرماتے اور پھر فرماتے:

اغذوا بسم اللہ و فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ لا تغلوا ولا تعذروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا (رواہ مسلم)

اللہ کا نام لے کر جہاد کرو اور اللہ کی راہ میں لڑو اور جو لوگ کفر کرتے ہیں اُن کو قتل کرو غلو مت کرو اور غدر نہ کرو اور مثلہ نہ کرو اور چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرو۔

اگر کفار مال و متاع لوٹنے کی غرض سے بڑی آبادیوں میں اسلحہ، ہتھیار لے کر چڑھ دوڑیں تو انہیں محارب کہا جائے گا یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں وہ محارب نہیں کہے جائیں گے بلکہ وہ بمنزلہ اُچکوں اور ڈاکوؤں کے ہوں گے کیونکہ شہری آبادی میں امداد و اعانت طلب کی جائے تو لوگ امداد کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔

اور اکثر لوگوں کا قول ہے کہ آبادیوں اور صحراء کا ایک ہی حکم ہے اور یہ قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے اور امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے اکثر شاگردوں کا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں کا ہے: بلکہ شہروں میں لوٹ و غارت گری کرنے والے صحراء میں لوٹ و غارت گری کرنے والوں کے مقابلہ میں زیادہ عقوبت و سزا کے حقدار ہیں کیونکہ شہری آبادیاں امن و اطمینان کے اعتبار سے زیادہ محفوظ ہوا کرتی ہیں باہم ایک دوسرے کی نصرت و امداد اور تعاون زیادہ حاصل ہوا کرتا ہے اور ایسی جگہ اقدام کرنا سخت ترین محاربہ اور سخت ترین غلبہ کی دلیل ہے ان کا جتھہ بہت قوی اور مضبوط ہے اور اسی لیے وہ شہر اور آبادیوں پر حملہ آور ہوئے ہیں اور ان کے گھروں میں گھس کر سلب و غارت گری اور لوٹ مار کر رہے ہیں ان کا مال ان کا اندوختہ لوٹ رہے ہیں اور مسافر کیساتھ سارا مال و متاع نہیں ہوا کرتا بلکہ کچھ مال ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں یہی مسلک صحیح صواب ہے خصوصاً وہ گروہ جنہیں شام و مصر والے مفسر اور بغداد والے عیار کہا کرتے ہیں۔

اگر یہ لوگ لاٹھیوں اور پتھروں سے جنگ کریں تو یہ لوگ بھی محارب ہی کہے جائیں گے فقہاء سے نقل کیا گیا ہے ''لا محاربة الا بالمحدود'' محاربہ تیز چیز سے ہوا کرتا ہے بعض لوگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ محاربہ تیز چیز اور بھاری چیز کے پھینکنے سے ہو اور پھر اس بارے میں اختلاف و نزاع ہو یا نہ ہو صحیح مسلک جس پر عام مسلمانوں کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص نے مال لوٹنے کی غرض سے قتل و غارت گری شروع کی تو وہ کسی قسم کی بھی جنگ کریں محارب ڈاکو لٹیرے کہے جائیں گے جس طرح کہ مسلمانوں سے جنگ کرنے والے کفار کو حربی کہا جاتا ہے خواہ کسی قسم کی بھی جنگ کریں اور کسی

طرح بھی لڑیں خواہ تلوار اور تیزوں سے یا پتھر اور لاٹھیوں سے کافروں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ کی تو وہ حربی ہوں گے اور مسلمان مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے۔

وہ لوگ جو پراسرار اور مخفی طریقوں سے قتل کرتے ہیں اور مال لینے کے لیے جانیں لیتے ہیں مثلاً دکانیں، مسافر خانے راستوں میں مسافروں کے نام سے بنوا کران میں مسافروں کو ٹھہراتے ہیں جب کوئی مسافر ہتھے چڑھ جاتا ہے اور ان لوگوں میں تنہا پھنس جاتا ہے تو اُسے قتل کر کے اس کا سارا مال لے لیا جاتا ہے یا بعض لوگوں کا پیشہ ہوتا ہے کہ طبیب ڈاکٹر کو اُجرت دے کر اپنے گھر لے آتے ہیں اور موقع پا کر اُسے قتل کر دیتے ہیں اور اس کا مال وغیرہ لوٹ لیتے ہیں اور مکر و فریب سے لوٹ لیتے ہیں اور جب یہ مال لوٹ لیا گیا تو اب اُن کو محارب سمجھا جائے گا یا نہیں؟ یا ان پر قصاص کا حکم جاری ہوگا؟ اس میں فقہاء کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ محارب ہوگا کیونکہ حیلہ سے قتل کرنا اور کھلے طور پر قتل کرنے سے زیادہ مضرت رساں اور زیادہ خطرناک ہوتا ہے کھلے طور پر قتل کرنے والے سے بچاؤ اور حفاظت کی جاسکتی ہے لیکن حیلہ اور دھوکہ سے قتل کرنے والے سے حفاظت و بچاؤ مشکل ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ محارب اُسے کہیں گے جو کھلے طور پر قتل کرنے پر اُتر آئے اور پھر یہ کہ اس دھوکہ باز حیلہ ساز کا معاملہ مقتول کے ورثاء کے ہاتھ میں ہے مگر پہلا قول اُصولِ شریعت کے زیادہ موافق ہے کیونکہ اس کا نقصان اور ضرر بہت سخت ہوا کرتا ہے بمقابلہ محارب کے۔

اگر کوئی شخص سلطان ﴿حاکمِ وقت﴾ کو قتل کر دے تو اُس کا کیا حکم ہے؟ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے مثلاً سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو اُن کا حکم محاربین کا ہوگا؟ ان پر حد جاری ہوگی یا ان کا معاملہ اولیاء الدم ﴿مقتول کے ورثا﴾ کے ہاتھ میں ہوگا۔ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کو قتل کرنے میں عام فساد کا اندیشہ ہے۔

باب 12 (Chapter) کے مضامین

سلطان کو قتل کرنے والے محارب ہوں گے جن پر حد جاری کی جائے گی یا ان کا معاملہ مقتول کے ورثاء کے اختیار میں ہوگا؟ جب سلطان ﴿حاکمِ وقت﴾ یا اُس کا نائب حد جاری کرنے کے لیے قاتل کو طلب کرے اور اس کے قبیلہ اور خاندان کے لوگ اس کی حمایت کریں اور لڑنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عام مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ ان سے قتال و جنگ کریں یہاں تک کہ مسلمان اس پر قابو پالیں۔

یہ تمام باتیں اس وقت ہیں جبکہ ان پر قدرت و قابو پاسکیں۔ جب سلطان یا نائب سلطان اور حاکم بغیر کسی قسم کی زیادتی کے قاتلینِ سلطان پر حد جاری کرنا چاہیں اور اُنہیں حاضر ہونے کا حکم دیں اور دوسرے لوگ ان کی حمایت و طرفداری کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو عام مسلمانوں پر واجب و فرض ہے کہ ان کے مقابلہ میں جہاد و قتال اور جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں یہاں تکہ کہ مسلمان ان سب پر قابو پالیں ﴿اور﴾ تمام علماء امت کا اس پر اتفاق ہے۔

اور اگر قتل کے بغیر وہ اطاعت قبول نہیں کرتے اور اس کی نوبت ہی آ جائے تو یہ بھی کر گذریں اور پورا پورا مقابلہ کریں، ان کو قتل کریں ﴿اور اُن﴾ سب کو قتل کیا جائے اور جیسے بھی ممکن ہو اُن کی گردنیں اُڑادیں اور جو بھی اُن کی حمایت اور اعانت و امداد کریں اُنہیں ﴿بھی﴾ قتل کرنا شروع کردیں۔ یہ قتال و جنگ ہے اور وہ حد جاری کرنے کا مسئلہ ہے۔ شرائع اسلام کا مقابلہ کرنے والوں کا مسئلہ زیادہ اہم اور زیادہ مؤکد ﴿ضروری﴾ ہے۔ یہ لوگ گروہ بندی اور جتھہ سازی میں اس لیے مشغول ہو گئے ہیں کہ لوگوں کو خراب کریں، لوگوں کا مال لوٹیں، زراعت اور نسل انسانی کو ہلاک کریں۔ ان کا مقصود یہ نہیں کہ دین کو قائم کریں اور ملک و ملت کی خدمت کریں۔ ان لوگوں کا وہی حکم ہے جو محاربین کا ہے، جو کسی قلعے یا کسی غار یا کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی وادی وغیرہ میں پناہ لے کر گذرنے والوں پر ڈاکہ ڈالتے ہیں،

راہزنی کرتے ہیں۔ جب انہیں ولی الامر اور حاکم کی فوج کہتی ہے کہ اطاعت کرلو اور توبہ کرو، معافی مانگو اور مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جاؤ، حد قائم و جاری کرنے میں سلطان، ولی الامر اور حاکم کی اطاعت کرو، تو یہ لوگ قتل و جنگ شروع کر دیتے ہیں اور مدافعت پر اُتر آتے ہیں۔ ان لوگوں کا حال ایسا ہی ہے جو حاجیوں وغیرہ کو راستوں میں لوٹتے ہیں اور ان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں، راہزنی کرتے ہیں۔ یا اُن لوگوں کا سا ہے جو پہاڑوں وغیرہ میں چھپے رہتے ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں یا غاروں میں راہزنی ڈکیتی کی غرض سے چھپ کر بیٹھتے ہیں۔ جیسے وہ گروہ جو قطع طریق اور راہزنی کی غرض سے شام و عراق کے درمیان چھپے بیٹھے ہیں لیکن پھر بھی ان لوگوں کے مقابلہ میں جنگ وقتال ایسا نہیں ہے جیسا کفار کے مقابلہ میں جنگ وقتال ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ کفار نہیں ہیں، ان کا مال نہ لوٹا جائے جب تک کہ وہ ناحق نہ لوٹیں۔ اگر وہ لوگ لوٹیں تو ان پر ضمان لازم آئے گا اور اسی قدر ان کا مال لیا جائے گا جس قدر انہوں نے لوٹا ہے، اگرچہ معین طور پر لوٹنے والے ہاتھ نہ آئیں۔ اگر لوٹنے والے متعین طور پر معلوم ہو جائیں کہ فلاں شخص نے لوٹا ہے تو اصل لوٹنے والا اور اُس کی مدد کرنے والے، اُس کے حامی سب برابر ہیں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ لیکن جب متعین طور پر ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص ہی نے مال لوٹا ہے تو اس پر ضمان لازم ہوگا اور جو کچھ لوٹا گیا ہے اُن کے مالداروں پر لادا جائے گا۔ اگر مال وغیرہ اُن سے حاصل کرنا مشکل و دشوار ہے تو مصالح مسلمین کے لیے جو گروہ قتل و جنگ میں مصروف ہے ان کا رزق اور روزینہ مقرر کر دیا جائے کیونکہ یہ مقابلہ اور جنگ اقامتِ حدود، حد جاری کرنے اور زمین میں فساد روکنے کی غرض سے ہے۔ اگر ان لوگوں میں سے کوئی سخت مجروح ﴿زخمی﴾ ہو جائے تو اُس کا علاج کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ اگر وہ لوگ بھاگ جائیں اور عوام الناس اُن کے شر سے محفوظ ہو جائیں تو ان کا تعاقب اور پیچھا نہ کیا جائے۔ ہاں اگر کسی پر حد جاری کرنا واجب ہے یا یہ کہ اُس کے بھاگنے سے خطرہ ہے تو تعاقب اور پیچھا کرنا لازمی و ضروری ہے۔

اور جو لوگ ان میں سے اسیر و قید ہوئے ہیں اُن پر حد جاری کی جائے، جیسی دوسروں پر جاری کی گئی ہے۔ بعض فقہاء نے اس سے زیادہ سختی کی ہے کہ مال غنیمت اُن سے لیا جائے اور اُس کا خمس الگ نکالا جائے۔ لیکن اکثر فقہاء اس کے خلاف ہیں۔ لیکن اگر ان لوگوں نے کسی دوسری مملکت کی پناہ لی جو

شریعت اسلامیہ سے خارج ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں اس کی اعانت وامداد کی ہے تو بوجہ اس کے کہ ان لوگوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ وقتال کیا ہے، ان کو قتل کیا جائے گا۔

لیکن اگر ایسے لوگ ہیں کہ ڈکیتی، راہزنی نہیں کرتے، بلکہ قافلوں کی پاسبانی اور نگہبانی کے معاوضہ میں بطور خراج وٹیکس کے مقررہ رقم وصول کرتے ہیں جو مسافروں، جانوروں اور اونٹوں وغیرہ پر لیتے ہیں تو اُن لوگوں کا معاملہ چنگی وصول کرنے والوں جیسا ہوگا۔ اور چنگی وصول کرنے والوں جیسی عقوبت وسزا ہوگی۔ فقہاء نے ایسے لوگوں کو قتل کرنے کے جواز میں اختلاف کیا ہے کیونکہ وہ قطاع الطریق، ڈاکو اور راہزن نہیں ہیں۔ لیکن ان کے بغیر بھی راستہ جاری اور چالو رہتا ہے۔ باوجود اس کے ایسے لوگ ''اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ'' ہوں گے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک غامدیہ عورت کے بارے میں فرمایا ہے:

لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَلَهٗ

اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر چنگی ٹیکس وصول کرنے والا ایسی توبہ کر لے تو اُس کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔

اور ایسے لوگ جن کا مال برآمد کرتا ہے، اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت ان کی پشت پر ہے، اور محارب لوگوں سے لڑتی ہے، ان کے لیے مال قطعاً خرچ نہ کیا جائے جبکہ جنگ وقتل ان سے ممکن ہو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ حُرْمَتِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ

جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہوا وہ شہید ہے، جو شخص اپنی جان بچانے میں قتل ہوا وہ شہید ہے، جو شخص اپنا دین بچانے میں قتل ہوا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل وعیال کی حرمت بچانے میں قتل ہوا وہ بھی شہید ہے۔

فقہاء نے اس جگہ ''الصائل'' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بلا تاویل، بلا ولایت و حکومت کے ظلم کرتا ہے۔

جب اس کا دفعیہ بغیر جنگ وقتال کے نہیں ہوسکتا تو ان سے جنگ وقتال کیا جائے ،اگر جنگ وقتال نہ کیا جائے ،اور کچھ مال وغیرہ دے کر انہیں راضی کرلیا جائے تاامکان مال دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ کسی کی حرمت پر حملہ کیا جائے ،کسی کی محارم سے زنا کیا جائے ،یا کسی عورت یا مملوک ﴿غلام ﴾لڑکے سے فجور وبدکاری کی جائے تو جان ومال سے تاامکان اس کی مدافعت کی جائے ،اگر قتال وجنگ کرنا پڑے تو یہ بھی کرے ،لیکن کسی طرح ایسے کام کی اجازت نہ دے۔ بخلاف مال دینے کے کہ یہ جائز ہے ،کیونکہ مال کا خرچ کرنا جائز ہے اور اپنے ساتھ یا محارم عورتوں کے ساتھ فجور وبدکاری قطعاً جائز نہیں ہے۔

جب اس کا مقصود یہ ہو کہ کسی کو قتل کرے تو اس کے لیے اپنی جان کا بچانا لازم ہے اور یہ مدافعت اس پر واجب ہے ،اس میں علماء کے اور امام احمد کے اور دوسروں کے مذہب میں دو قول ہیں۔ یہ اس وقت جبکہ لوگوں کا سلطان موجود ہو لیکن اگر العیاذ باللہ عظیم فتنہ ہو ،مثلاً دو مسلم سلطان باہم جنگ کرتے ہیں اور ملک کے لیے جنگ کر رہے ہیں جبکہ ان میں سے ایک دوسرے کے ملک میں داخل ہوگیا ہے اور تلواریں باہم چل رہی ہیں ،ایسے فتنہ کے وقت اپنی جان بچانا ضروری ہے۔ تو ایسی صورت میں مسلمان کے لیے جائز ہے اپنی جان اُن کے حوالہ کردے اور دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہ دے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں اور دوسروں کے مذہب میں اس بارے میں دو قول ہیں۔

جب مسلمان حاکم وقت! محارب ﴿لڑائی کرنے والے ﴾حرامیوں ،چوروں اور راہزنوں پر کامیاب ہو اور وہ مال وغیرہ لوٹ چکے ہیں تو سلطان کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں سے مال نکلوائے اور جن کا ہو اُن کو دیدے۔ اور ان محاربین پر حد جاری کرے ،یہی حال اور یہی حکم چوروں کا ہے ،اگر یہ لوگ مال حاضر کرنے میں تامل کریں اور مال کا ثبوت سلطان کو مل چکا ہے تو سلطان اُن کو اسیر وقید اور حبس کرے اور مار مارے اور مناسب عقوبت (جیل وقید وبند) اور سزا دے یہاں تک کہ جو کچھ اُن لوگوں نے لیا ہے وہ حاضر کردیں ،یا کسی کو اپنا وکیل بنادیں کہ وہ لاکر مال حاضر کردیں ،یا جہاں مال چھپایا ہے اُس کی خبر دے دیں۔ جیسے حق واجب اور قابل ادا کو نہ دینے والے کو عقوبت وسزا دی جاتی ہے اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں عورت (بیوی) کو مارنے کا حکم دیا ،جب وہ مرد کا (خاوند کا) حق

ادا نہ کرے، اور عورت (بیوی) مرد سے سرکشی کرے۔ اور عقوبت وسزا صاحب مال کا حق ہے۔ تو یہ لوگ بدرجہء اولیٰ عقوبت وسزا کے حقدار ہیں اور زیادہ سزاوار عقوبت وسزا ہیں۔ اور پھر بھی اگر صاحبِ مال ان کو بخش دے یا مصالحت کر کے عقوبت وسزا کو معاف کر دے تو یہ اُسے اختیار ہے۔ بخلاف حد قائم اور جاری کرنے کے کہ حد قائم اور جاری کرنا فرض ہے اور اُسے حد معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کسی حال میں حق نہیں کہ وہ حد قائم کرنے سے روکے۔ اور امام، حاکم کے لیے یہ جائز نہیں کہ صاحبِ مال کی بات کو پکڑے رہے کہ اس نے اپنا حق چھوڑ دیا، یا معاف کر دیا۔ اور اگر مال وہ خرد برد کر چکا ہے، یا کسی اور طریقہ سے تلف اور ضائع ہو گیا تو اس مال کی ضمانت لی جائے گی جس طرح کہ غاصب لوگوں سے ضمانت لی جاتی ہے۔ اور یہ قول امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا ہے۔ اور جب تک اُسے عسرت و تنگی ہے آسانی اور سہولت ملنے تک مہلت دی جائے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے عزم اور قطع ید (ہاتھ کاٹنا) دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اور یہ قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں یہ ضمانت صرف آسانی تک ہوگی۔ اور یہ قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے، اور سلطان کے لیے جائز نہیں کہ مال کے مالکوں سے ان محاربین ﴿لڑائی کرنے والوں﴾ کے مقابلہ کے لیے عوض کچھ لے، سلطان کو اپنے لیے بھی لینا جائز نہیں، نہ لشکر اور فوج کے لیے کچھ لینا جائز ہے۔ بلکہ اُن کا مقابلہ کرنا جہاد ہے۔ اور جہاد و غزوات کے لیے جہاں سے اُن کا خرچ دیا جاتا ہے وہاں سے اُن کا خرچ بھی دے۔ اگر ان مجاہدین کو زمینیں دی گئی ہیں، یا حکومت کی جانب سے انہیں اتنا مل رہا ہے کہ اُن کے لیے کافی ہے تو بس کرنا ﴿یہی کافی﴾ ہے۔ اور اگر کافی نہیں ہے تو مصالحتِ قوم کے لیے جو صدقات وغیرہ جمع ہیں اُس میں سے بقدر کفایت ان کو کچھ دے دے کیونکہ یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

اگر مسافر پکڑے گئے ہیں اور ان پر زکوٰۃ باقی ہے، مثلاً وہ تاجر ہیں اور چوروں کے نرغے میں پھنس گئے ہیں تو امام اور حاکم ان سے مال کی زکوٰۃ ضرور وصول کرے۔ اور اس زکوٰۃ کے مال کو اس جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرے جس طرح کہ محارب لوگوں کے مقابلہ میں لڑنے والوں کے لیے خرچ کیا جاتا ہے۔

اور اگر یہ گروہ باشوکت وعظمت اور قوی ہے جن کی تالیف قلبی ضروری ہے تو امام ﴿یعنی گورنر﴾ و

حاکم ﴿وقت﴾ مالِ فئے اور جو مصالح معین کے لیے جمع ہے اس میں سے اور زکوٰۃ میں سے بعض رؤساء اور سرداروں کو دیدے تاکہ وہ باقی دوسروں ﴿سرکشوں﴾ کو حاضر کریں۔ یا یہ کہ وہ خود شرارت اور سرکشی چھوڑ دیں اور باقی میں ان لوگوں کا زور کم ہو جائے تو یہ اور اس جیسا کام کرنا امام ﴿یعنی گورنر﴾ و حاکمِ ﴿وقت﴾ کے لیے جائز ہے۔ اور یہ لوگ مؤلفۃ القلوب میں شمار کئے جائیں گے۔ اور امام احمد اور بہت سے ائمہ نے بھی یہی کہا ہے اور ظاہر کتاب وسنت اور اصول شریعت بھی یہی ہے۔

اور امام ﴿یعنی گورنر﴾ و حاکمِ ﴿وقت﴾ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو اُن چوروں، راہزنوں اور ڈاکوؤں کے مقابلہ میں نہ بھیجے جو ضعیف اور کمزور ہوں۔ اور نہ ایسے لوگوں کو بھیجے جو مسافر ہیں اور پکڑے گئے ہیں یا تاجر وسوداگر اور مال دار ہیں ان سے تو مال وغیرہ وصول کر لیا جائے۔ بلکہ قوی و مضبوط اور امین لوگوں کو بھیجے مگر ہاں جبکہ قوی اور مضبوط اور امین آدمیوں کا ملنا دشوار ہو تو اس صورت میں کوشش کرے اور امثل فالامثل کو بھیجے۔

بعض نائبین سلطان ﴿وزیر اعظم، گورنر اور وزراء وغیرہ﴾، روسأ ﴿بڑے بڑے جاگیردار، چوہدری اور خان﴾ و ﴿اعلیٰ سول و پولیس﴾ حکام اور سردار و سالار ﴿یعنی فوجی حکام﴾ ظاہر و باطن میں حرامی ﴿اسمگلروں﴾ چوروں، ڈاکوؤں اور راہزنوں سے ملے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ ظاہر یا باطن میں ان کو شہہ دیتے ہیں۔ جو مال حرامی ﴿اسمگلر﴾ چور، ڈاکو اور راہزن لوٹتے ہیں اس میں ان کا حصہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ ماخوذین ﴿جن کا مال لوٹا گیا ہے اُن﴾ کو کچھ مال دے کر راضی کر لیتے ہیں اور بوجہ مجبوری وہ اُسے منظور بھی کر لیتے ہیں ﴿لیکن﴾ یہ ایک ایسا عظیم ترین جرم ہے کہ حرامیوں چوروں، ڈاکوؤں راہزنوں کے مقدم ﴿یعنی پیشوا﴾ اور سردار سے بڑھ کر ہے کیونکہ اُن کی مدافعت ممکن ہے اور اس ﴿حاکم و بیوروکریٹ﴾ کی مدافعت نہیں ہوسکتی۔ اور ایسے لوگوں کے متعلق ہی کہا جائے گا کہ جو اُن کی مدد و معاونت کرتا ہے وہ عقوبت وسزا کا مستحق ہے۔ اگر یہ لوگ قتل کریں تو اُن کو قتل کیا جائے۔ یہی قول سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور اکثر اہل علم کا ہے۔ اگر یہ لوگ مال ﴿لے﴾ لیں تو سیدھا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے۔ اگر یہ لوگ قتل کریں اور مال لوٹیں تو انہیں قتل کیا جائے اور سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اہل علم کے ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور قتل کر دیا جائے اور

سولی پر لٹکا دیا جائے اور بعض کا قول ہے قتل اور سولی پر لٹکانے میں اُسے اختیار ہے کیونکہ اگرچہ اس ﴿بیوروکریٹ﴾ نے اس غارت گری اور لوٹ مار میں حصہ نہیں لیا اور نہ اسکی اجازت دی لیکن جب اُن ﴿دہشت گردوں اور ڈاکوؤں﴾ کو پکڑا گیا اور ان پر قدرت پالی گئی تو اُس وقت وہ ﴿بیوروکریٹ﴾ تقسیم مال میں شریک تھا اور بعض حقوق اور حدود کو اس نے بیکار کردیا۔ جو شخص ﴿یعنی حاکم، جاگیردار، بیوروکریٹ، اعلیٰ سول، پولیس یا فوجی حکام یا کوئی قاضی و جج﴾ محارب ﴿لڑائی کرنے والے، دہشتگرد﴾، چور یا قاتل وغیرہ کو جس پر حد جاری کرنا واجب ہے اللہ اور بندے کا حق ادا کرنا فرض ہے اور بلا عدوان زیادتی کے پورا پورا حق دیا جاسکتا ہے لیکن یہ ﴿صاحب﴾ ان کو پناہ دیتا ہے اس لیے کہ وہ مجرم ہے اور اُس کا شریک ہے جس پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدِثًا (رواہ مسلم)

اللہ نے اس ﴿شخص﴾ پر لعنت بھیجی ہے جو جرم و گناہ کرے یا مجرم گنہگار کو پناہ دے۔

جب یہ ظاہر اور ثابت ہو جائے کہ فلاں آدمی نے محدث ﴿یعنی مجرم﴾ کو پناہ دی ہے تو اُس سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مجرم کو حاضر کرے یا اُس کی خبر دے کہ فلاں جگہ فلاں جگہ و مقام پر ہے۔ اگر وہ حاضر کردے یا خبر اور اطلاع دیدے تو ٹھیک وگرنہ اُسے حبس کی سزا دی جائے، اُسے مارا پیٹا جائے، بار بار پیٹا جائے یہاں تک کہ اصل مجرم پر قدرت و قابو حاصل ہو جائے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اداءِ مالِ واجب سے روکنے والے اور نہ دینے والے کو عتاب و سزا دی جائے۔ پس جن لوگوں کا حاضر کرنا ضروری اور واجب ہے اور جنہوں نے مال لوٹا ہے اور اس کا واپس کرنا اور دینا ضروری ہے اور اس سے وہ ﴿حاکم، بیوروکریٹ، جج یا جاگیردار﴾ منع کرتا ہے یا روکتا ہے تو ایسے شخص کو عقوبت و سزا دی جائے۔

اگر کوئی شخص مال حق و مطلوب یا آدمی حق مطلوب کو جانتا ہے لیکن اسے روکتا اور چھپاتا نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ مال مطلوب اور شخص مطلوب کا پتہ بتلا دے کیونکہ اس کے لیے اس کا چھپانا قطعاً جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نیکی اور تقویٰ کا تعاون ہے اور نیکی و تقویٰ کا تعاون واجب ہے بخلاف اس کے کہ کوئی جان و مال باطل طریقہ پر مطلوب ہو تو اس کا بتلانا اور اس کی خبر دینا قطعاً جائز نہیں کیونکہ یہ اثم و

عدوان ﴿گناہ اور فسق و فجور﴾ کا تعاون ہے بلکہ اس کام کی مدافعت ﴿یعنی اس سے روکنا اور رُکنا﴾ واجب ہے کیونکہ مظلوم کی نصرت واعانت واجب ہے جیسا کہ صحیحین ﴿یعنی بخاری و مسلم﴾ میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوْمًا قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اَنْصُرُ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ اَنْصُرُ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذَالِكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ (بخاری ومسلم)

تم اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ میں نے کہا یارسول اللہ! مظلوم کی امداد تو ٹھیک ہے ظالم کی امداد ہم کیسے کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُسے ظلم سے روکو یہ تمہارے بھائی ظالم کی مدد ہے۔

صحیحین یعنی (بخاری و مسلم) میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات چیزوں کا حکم فرمایا اور سات چیزوں سے ہم کو منع فرمایا۔ ہم کو حکم دیا کہ ہم مریض کی عیادت کریں، جنازے میں شرکت کریں، چھینک کا جواب دیں، قسم کھائی ہو تو اُسے پورا کریں، کوئی دعوت دے تو اسے قبول کریں اور مظلوم کی نصرت وامداد کریں۔ اور ہمیں منع کیا ہے سونے کی انگوٹھی پہننے سے، چاندی کے برتن میں پینے، میاثرہ، ریشم، قسی، دیباج اور استبراق کے پہننے سے۔

پس اگر یہ جاننے والا جسے ٹھکانہ اور پتہ معلوم ہو اور وہ اُس کا ٹھکانہ اور پتہ بتلانے سے انکار کرتا ہے تو اُسے عقوبت وسزا دینا جائز ہے خواہ سزا حبس ہو یا کوئی دوسری سزا یہاں تک کہ وہ اُس کا پتہ بتلا دے کیونکہ حق واجب سے وہ انکار کرتا ہے جس میں کسی کی نیابت نہیں چل سکتی تو اُسے عقوبت وسزا دی جائے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

اور اُسے عقوبت وسزا دینا اُس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معلوم اور ثابت نہ ہو جائے کہ یہ جانتا ہے اور ٹھکانے کی وہ خبر رکھتا ہے۔ اور یہ حکم تمام حکام کے لیے ضروری ہے، والی ﴿یعنی گورنر﴾ ہو، یا قاضی، یا دوسرا کوئی ﴿سول، پولیس، فوجی افسر وغیرہ﴾ ہو، سب پر لازم ہے کہ واجب کو چھپانے، قول وفعل سے روکنے والے کی تحقیق کریں۔ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ تم پر حق اور واجب تھا اور اس پر نہیں تھا۔ نہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ ایک کی سزا دوسرے کو دی جائے جیسا کہ اس آیت کے اندر وارد ہے:

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ (النجم:38)

کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بار اپنی گردن پر نہیں لے گا۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلَىٰ نَفْسِهِ

آگاہ رہو کہ کوئی بھی مجرم گناہ نہیں کرتا مگر اپنی جان پر۔

جیسے کہ غیر واجب الادا مال کا کسی سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اُس کا وکیل ہے نہ ضامن اور نہ ہی مال اُس کے پاس ہے۔ یا یہ کہ کسی کو قرابت داری یا پڑوسی کے جرم میں عقوبت وسزا دی جائے ﴿جس طرح آجکل پاکستانی حکام و پولیس کر رہی ہے﴾۔ حالانکہ وہ خود کسی واجب کے ترک کرنے کا مجرم نہیں نہ اُس نے کوئی حرام کام کیا ہے۔ عقوبت وسزا اُس کو دی جائے جو اُس کا مستحق ہے جبکہ اُسے ظالم کا ٹھکانہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں چھپا ہے؟ اس کا اُسے علم نہیں تو عقوبت وسزا قطعاً جائز نہیں۔ ہاں اگر اُس کا پتہ اُسے معلوم ہے تو اُس پر حق ہے کہ وہ بتادے اور ولی ﴿قاضی وجج یا افسرِ اعلی﴾ اور حاکم کا فرض ہے کہ ہر ممکن طریقے سے اُسے منوائے یا جہاں مال رکھا ہے، جس سے مستحقین کے حقوق وابستہ ہیں اُس مقام کو وہ جانتا ہے اُس پر واجب ہے کہ وہ بتادے۔

یہ اعانت ونصرت کتاب وسنت کی رو سے اُس پر واجب ہے اور اجماع اُمت سے اس پر واجب ہے۔

اگر یہ اس لیے بچتا اور رکتا یا انکار کرتا ہے کہ اُس سے ڈرتا ہے یا ظالم کی اعانت کی غرض سے کہ اُس کی حمایت مقصود ہے اس لیے بتلانے سے انکار کرتا ہے جیسا کہ اہل عصبیت ایک دوسرے کے لیے کرتے رہتے ہیں یا مظلوم سے عداوت ودشمنی ہے اس لیے بتانے سے انکار کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (مائدۃ:8)

اور لوگوں کی عداوت تمہارے اس جرم کا باعث نہ ہو کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے سے اعراض کرتا ہے یا عدل وانصاف سے اعراض کرتا ہے یا جبن ﴿کم ہمتی﴾ و بزدلی اور انتشار کی وجہ سے یا توہین دین کی غرض سے اجتناب کرتا ہے جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس کے دین اور اس کی کتاب کے تارک کیا کرتے ہیں۔ جب ایسے لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اٹھو چلو اللہ کی راہ میں جہاد کرو تو وہ زمین پر چپک کر رہ جاتے ہیں۔ بہر تقدیر ایسے لوگ عقوبت وسزا کے مستحق ہیں اور تمام علماء اس پر متفق ہیں۔

جو لوگ اس راہ پر گامزن ہیں وہ حدودِ الٰہی کو معطل و بیکار کر رہے ہیں اور اللہ کے بندوں کے حقوق ضائع کر رہے ہیں، اور ﴿انہوں نے﴾ اپنی قوت وطاقت کو ضعیف کر رکھا ہے، یہ اُس شخص کے مشابہہ ہیں جس کے پاس کسی ظالم و باطل کا مال ہے اور وہ عادل حکمران کو دینے سے انکار کرتا ہے۔ عادل حکمران اپنا دینی فرض ادا کرنا چاہتا ہے، اُس پر واجب نان ونفقہ ہے اُسے ادا کرنا چاہتا ہے۔ مثلاً اہل و عیال، اقرباء اور غلاموں، چوپایوں، قریب کے رشتہ داروں پر جن کا نان ونفقہ اُس پر واجب ہے۔ اور مثلاً قاتل کے رشتہ داروں پر دیت واجب ہے، اُسے وصول کرنا۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے حقوق پر عادل حکمران خرچ کرنا چاہتا ہے اور یہ ﴿شخص﴾ اُس سے منع کرتا ہے، روکتا ہے۔ پس اس قسم کی تعزیر و عقوبت اُس شخص کو دی جائے جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کے پاس ایسا مال یا جان موجود ہے جس کا دینا اور عادل حکمران کے سپرد کرنا ضروری ہے لیکن وہ نہیں دیتا اور حاضر نہیں کرتا جیسے کہ قطاع الطریق ﴿یعنی﴾ راہزن، ڈاکو اور چور آپس میں ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کے لیے یہ عقوبت وسزا ہے اور عقوبت وسزا اُن لوگوں کے لیے ہے جن کے متعلق معلوم اور ثابت ہو کہ وہ اس قسم کے مال کو یا جان کو وہ جانتے ہیں کہ کہاں رکھا ہوا ہے اور کہاں چھپا ہوا ہے؟

لیکن اگر وہ اس لیے خبر نہیں دیتا یا حاضر نہیں کرتا کہ خود طالب اس پر تعدی اور ظلم کرے گا تو ایسا شخص محسن ہوگا اور وہ نیک کام کر رہا ہے لیکن اس کا امتیاز مشکل اور دشوار ہے کہ ناجائز حمایت کون سی ہے اور جو ظلم وتعدی سے بچنے کے لیے حمایت کی جاتی ہے وہ کونسی ہے؟ اس میں شبہ اور شہوت دونوں جمع ہوتے ہیں اور دونوں کا امکان موجود ہے۔ اس وقت حاکم کا فرض ہے کہ حق و باطل میں امتیاز حاصل کرے۔ اکثر ایسا رؤسا ﴿سرداروں﴾، دیہات اور شہر کے امراء میں ہوتا ہے۔ جب کوئی پناہ گیران

کے پاس پہنچتا ہے اور پناہ مانگتا ہے یا کوئی قرابت دار پناہ مانگتا ہے یا کوئی دوست واحباب میں سے پناہ چاہتا ہے تو اُن کی رگِ حمیت بھڑک اٹھتی ہے اور حمیت جاہلیہ اور اُوباش لوگوں میں عزت ورسوخ اس گناہ پر انہیں برانگیختہ اور آمادہ کر دیتا ہے اور وہ ان کی حمایت ونصرت کے لیے آستینیں چڑھا لیتے ہیں۔ اگرچہ وہ ظالم اور مظلوم دونوں کے حقوق پامال کر رہے ہیں خصوصاً جبکہ مظلوم کوئی رئیس وامیر ہو۔ جواُن کے ہم پلہ ہو تو مستجیر و پناہ گیر کو سپرد کرنا اپنے لیے عار اور موجب غیرت سمجھتے ہیں اور اپنی ذلت و توہین تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھنا اور ایسا تصور کرنا علی الاطلاق محض جاہلیت ہے اور ایسے لوگ ہی دین و دنیا کے فساد اور تباہی و بربادی کا بڑے سے بڑا سبب ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ جاہلیت کی اکثر لڑائیاں اسی سبب سے ہوئی ہیں مثلاً ''حرب البسوس'' جو بنی بکر اور بنی تغلب میں ہوئی، اسی قسم کے تعصب اور اسی قسم کی عصبیت کی وجہ سے ہوئی ہے اور اسی قسم کی ''عصبیت'' جاہلیت تھی جس کی وجہ سے ترک اور تاتاری دارالسلام میں داخل ہوئے اور ماوراء النہر اور خراسان وغیرہ کے سلاطین اور بادشاہوں پر غلبہ واقتدار پایا۔ اور یہی عصبیت جاہلیہ تھی جس کی وجہ سے ان لوگوں نے مسلمانوں کے ملک پر غلبہ واقتدار حاصل کیا اور ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے اور اس قسم کے طبقہ کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جو شخص اللہ کے لیے اپنی جان کو ذلیل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے عزت دیتا ہے جو شخص حق وانصاف کرتا ہے اور اپنی جان کو ہیچ سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے عزت واکرام سے نوازتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم الخلق وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ اور جو شخص ظلم و جور کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتا ہے اور حق کو پامال کرتا ہے وہ گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ذلیل کرتا ہے وہ خود اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرتا ہے، اپنی جان کو رسوا کرتا ہے اور اپنی توہین خود کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (فاطر:10)

جو شخص عزت کا خواہاں ہے تو عزت ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (منافقون:8)

یہ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینے لوٹ کر گئے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال باہر

کرے گا۔ حالانکہ اصل عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہے مگر منافق اس بات سے واقف نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (بقرہ:204تا206)

اے پیغمبر (ﷺ)! بعض آدمی بھی ایسے ہیں جن کی باتیں تم کو دُنیا کی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے دلی ارادے پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہیں اور وہ جب لوٹ کر جائیں تو ملک میں دوڑتے پھرتے ہیں تاکہ اس میں فساد پھیلائیں اور کھیتی باڑی کو اور آدمیوں اور جانوروں کی نسل کو تباہ کریں اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو غرور ان کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے پس ایسے لوگوں کو جہنم کافی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

پس واجب اور فرض ہے کہ جس کے پاس نوکر اور پناہ گیر پناہ کے لیے آئے وہ دیکھ لے اور تحقیق کر لے کہ واقعی وہ مظلوم ہے۔ اگر وہ مظلوم ہے تو اُسے پناہ دے۔ اور مظلوم ہونا، صرف دعوی کرنے سے کہ میں مظلوم ہوں، ثابت نہیں ہوتا۔ بسا اوقات ایک شخص ظالم ہوتا ہے اور وہ اپنے کو مظلوم بتاتا ہے اس لیے خصم ﴿یعنی جھگڑنے والوں﴾ سے دریافت کرے، دوسروں ﴿لوگوں﴾ سے معلوم کرے اور پوری تحقیق کرے۔ اگر تحقیق سے ثابت ہو کہ واقعی وہ مجرم ہے، ظالم ہے تو حکومت کے سپرد کر دے۔ اور ظلم سے اُسے روکے۔ اخلاق اور نرمی سے سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائے اور اگر صلح ممکن ہو دونوں میں صلح و آشتی کرا دے۔ اگر عدل و انصاف کے ساتھ حکم و منصف کے ذریعہ فیصلہ ممکن ہو تو اسکی کوشش کی جائے۔ اگر یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے تو قوت و طاقت سے کام لے۔

اگر معاملہ ایسا ہے کہ دونوں فریق ظالم ہیں اور دونوں مظلوم بھی ہیں جس طرح کہ نفس پرست، خواہشات کے پجاری ہوا کرتے ہیں، جیسے کہ قیس و یمن کے قبیلے۔ اور اکثر شہری اور دیہاتی دعویدار

ایسے ہی ہوتے ہیں۔ یا دونوں فریق ظالم نہیں ہیں بلکہ کسی شبہ یا تاویل یا غلطی کی وجہ سے باہم اُلجھ گئے ہیں، اگر ایسا ہے تو اس کی اصلاح کرے یا حکم ﴿وجج﴾ بنا کر فیصلہ کر لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَ تْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ o اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (حجرات:9تا10)

اور اگر تم مسلمانوں کے دوفرقے آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں صلح کرادو۔ پھر ان میں ایک فرقہ اگر دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اُس سے تم لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کریں۔ پھر جب وہ رجوع کر لیں تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کو ملحوظ رکھو بے شک اللہ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْمَعْرُوْفٍ اَوْاِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذَالِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (نساء114)

ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں مگر ہاں جو خیرات یا نیک کاموں میں یا لوگوں میں میل جول کی صلاح دے اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسے نیک کام کرے گا تو ہم اس کو بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

امام ابوداؤد اپنی سنن میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں، آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ بھی عصبیت جاہلیہ ہے کہ ایک شخص حق بات پر اپنی قوم اور قبیلے کی نصرت واعانت کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں''۔ اور فرمایا:

وَلٰكِنْ مِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يَنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ فِي الْبَاطِلِ (رواہ ابوداؤد)

عصبیت یہ ہے کہ آدمی باطل میں اپنی قوم کی اعانت وامداد کرے۔

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

خَيْرُكُمْ اَلدَّافِعُ عَنْ قَوْمِهِ مَالَمْ يَاثَمْ

تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنی قوم کی مدافعت کرے اور اس میں وہ گنہگار نہ ہو۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْ يَنْصُرُ قَوْمَهُ بِالْبَاطِلِ كَبَعِيْرٍ تُرَدِّيْ فِيْ بِئْرٍ فَهُوَ يَجُرُّ بِذَنْبِهٖ

جو شخص باطل پر اپنی قوم کی مدد کرتا ہے وہ مثل اُس اونٹ کے ہے جو کنوئیں میں گر پڑا اور اپنی دم ہلا رہا ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَمِعْتُمُوْهُ يَتَعَزّٰى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَعِضُّوْهُ هُنَّ اَبِيْهِ وَلاَ تَكْنُوْا

جس شخص کے متعلق تم سنو کہ اس نے جاہلیت کا جھنڈا بلند کیا ہے تو اُسے جڑ سے اُکھاڑ پھینکو کہ وہ پھولنے پھلنے نہ پائے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ بات جو دعوتِ اسلام اور دعوتِ قرآن وسنت سے خارج ہے، اب خواہ وہ نص کے اعتبار سے ہو، شہر اور آبادی کے لحاظ سے ہو یا جنس اور قوم یا مذہب کے اعتبار سے ہو۔ یا کسی دوسرے اعتبار سے ہو، وہ جاہلیت ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ جاہلیت کا جھنڈا لے کر کھڑا ہوتا ہے۔ بلکہ ایسا ہے جیسا کہ وہ آدمی مہاجر اور انصار میں باہم لڑ پڑے تو مہاجر پکار اٹھا یَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ! اور انصاری پکار اٹھا یَا لِلْاَنْصَارِ ! اور رسول اللہ ﷺ کو کہنا پڑا:

اَبِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَ اَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ

کیا تم دعوائے جاہلیت لے کر کھڑے ہو گئے اور ابھی تو میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔

اور آپ ﷺ ان پر سخت ناراض ہوئے اور غصہ کا اظہار فرمایا۔

باب 13 (Chapter) کے مضامین

چور کی چوری شہادت یا اس کے اقرار سے ثابت ہو جائے تو بلا تاخیر قید میں نہ رکھتے ہوئے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ جرمانہ وغیرہ لے کر نہ چھوڑا جائے۔

چور کا ہاتھ کاٹنا فرض ہے اور یہ کتاب اللہ، کتاب الرسول ﷺ ﴿یعنی صحیح احادیث مبارکہ﴾ اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ o وَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (مائدہ۔ع:6)

مسلمانو! مرد چوری کرے یا عورت چوری کرے تو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ حد اللہ کی جانب سے مقرر ہے اور اللہ زبردست واقف ہے تو جو اپنے قصور کے بعد توبہ کر لے اور اپنے آپ کو سنوار لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

جب شہادت، گواہوں یا اُس ﴿چور﴾ کے اقرار سے چوری ثابت ہو جائے تو اُس پر حد جاری کرنے میں کسی قسم کی تاخیر جائز نہیں نہ اُسے قید میں رکھا جائے نہ کسی قسم کا فدیہ ﴿یعنی ضمانت یا ضمانت قبل از گرفتاری کے مچلکے﴾ لے کر اُسے چھوڑا جائے۔ اور خاص و معظم وقت میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے کیونکہ حد قائم کرنا عبادات میں داخل ہے جیسا کہ جہاد فی سبیل اللہ عبادات میں داخل ہے۔ اور یہی سمجھا جائے کہ حد جاری کرنا بندوں کے حق میں ایک بہت بڑی رحمت و رافت ہے۔ پس والی ﴿یعنی جج﴾ اور حاکمِ ﴿وقت﴾ حد جاری کرنے میں سخت گیر ہونا چاہیئے کہ وہ کسی قسم کی رحمت و رافت سے کام نہ لے اور حد کو معطل نہ کرے۔ اور اس کا قصد و ارادہ یہ ہونا چاہیئے کہ میں حد اس لیے جاری کر رہا ہوں کہ یہ اللہ کی مخلوق پر رحمت و رافت ہے اور منکرات ﴿برائیوں﴾ سے لوگوں کو روک رہا ہوں۔ غصہ کی آگ

بجھانا، اللہ کی مخلوق پر اپنی بڑائی اور بلندی جتلانا مقصود نہ ہو، جس طرح کہ باپ اپنے بیٹے کو ادب دیتا ہے، ادب سکھاتا ہے۔ اگر وہ اپنے لڑکے، لڑکی کی تادیب ﴿یعنی سرزنش﴾ سے اپنے آپ کو باز رکھتا ہے اور اُس کی ماں کے حوالہ کر دیتا ہے اور اس کی ماں نرم طبیعت اور ممتا کی وجہ سے ایسا برتاؤ کرتی ہے کہ لڑکا بالکل خراب ہو کر رہ جاتا ہے۔ باپ اُس کو ادب سکھاتا ہے، اُس کی اصلاح چاہتا ہے اور یہ عین رحمت ورافت ہے، لڑکے کی اصلاح ہے۔ اس کی عین خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تادیب ﴿سرزنش﴾ ایسی ہو جائے کہ پھر کبھی وہ سر نہ اُٹھائے اور دوسری مرتبہ ادب سکھانے کی ضرورت نہ رہے۔

اور ﴿حد جاری کرنا﴾ بمنزلہ اُس طبیب کے ہے جو مریض کو کریہہ اور کڑوی دوا دیتا ہے۔ یا بمنزلہ اس عضو کے ہے جو سڑ رہا ہے اور اُسے کاٹنے سے وہ خود بچ جاتا ہے۔ یا بمنزلہ پچھنے لگانے کے ہے کہ رگوں کو اس لیے زخمی کیا جاتا ہے کہ اُسے آرام ملے۔ یا بمنزلہ فصد کھولنے کے ہے بلکہ بمنزلہ اُس انسان کے ہے جسے کریہہ اور کڑوی دوا پلانے کے لیے سختی کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے کہ مریض کو شفا اور آرام ملے اور اُسے راحت میسر آئے۔ یہی حال حدود جاری اور قائم کرنے کا ہے۔ محدود ﴿جس پر حد نافذ کی گئی اس﴾ کو راحت ملے، حدود مشروع اسی لیے کی گئی ہیں کہ محدود کو دنیا و عقبیٰ میں آرام و راحت میسر آئے۔

حدود جاری کرنے میں والی ﴿قاضی و جج﴾ اور حاکم ﴿وقت﴾ کی نیت، ارادہ اور قصد یہی ہونا چاہیئے کہ رعایا کی اصلاح ہو اور منکرات سے روکا جائے مخلوق اللہ کے لیے فائدہ پہنچانا اور نقصان سے بچانا مقصود ہو اور ﴿حد جاری کرنے والا﴾ حق سبحانہ وتعالیٰ سے حدود قائم اور جاری کرنے میں اللہ کی رضامندی و رضا جوئی اور خوشنودی کا قصد و ارادہ رکھے، اس کے حکم کی اطاعت و پیروی کا قصد و ارادہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے قلوب کو نرم کر دے اور محدود ﴿جس پر حد جاری کی گئی اس﴾ کے لیے اسبابِ خیر جمع کر دے اس کے لیے جو عقوبت و سزا اور شرعی حد قائم کی گئی وہ اس کے لیے کافی ہو، وہ اس سے راضی رہے کہ اس کی تطہیر (یعنی گناہ سے پاکی) ہو رہی ہے ایسا سمجھنا اور اس طرح حد کا جاری اور نافذ ہونا اللہ کا عین فضل و کرم ہے۔

جب حد نافذ کرنے والے حاکم و قاضی یا جج کی نیت خراب ہو، اس کی غرض غرور اور بڑائی ہو اور وہ

اپنی ریاست وحکومت ﴿کرسئ صدارت، وزارت یا چیف جسٹسی﴾ قائم کرنا چاہتا ہے کہ لوگ اُسے بڑا سمجھیں، اُس کی اطاعت کے سامنے لوگ سربسجود ہو جائیں، اس کے قصد وارادہ کے مطابق مال دیں اور ہر طرح کا ایثار کریں تو معاملہ بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔ اس کے اصل مقصد سے بہت دور ہو جاتا ہے اور سراسر حد جاری کرنے کے مقصد میں وہ غلط راہ اختیار کرتا ہے۔

روایت کی گئی ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلافت پر مامور ہونے سے پہلے مدینہ طیبہ میں ولید بن عبدالملک کے نائب ﴿یعنی گورنر﴾ تھے۔ رعایا اور عوام کی سیاست و اِصلاح بہت اچھی طرح کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف عراق سے مدینہ طیبہ پہنچا۔ عراق میں یہ بڑا عذاب اور سختی دیکھ کر آیا ہوا تھا۔ مدینہ طیبہ کے باشندوں کو اس نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعلق پوچھا ''کیف هيبة فيكم''؟ اس کی ہیبت تم میں کیسی ہے؟ لوگوں نے کہا: ان کی ہیبت کا کیا پوچھنا! ہم اُن کی طرف نگاہ بھر کے دیکھ بھی نہیں سکتے۔ حجاج نے پوچھا ''كيف محبتكم له''؟ اُس سے تمہیں کیسی محبت ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: ''هو احب الينا من اهلنا'' وہ ہمیں ہمارے اہل وعیال سے زیادہ محبوب ہیں۔ حجاج نے پوچھا ''فكيف ادبه فيكم'' وہ تمہیں ادب کیسے سکھاتے ہیں؟ تو اُنھوں نے کہا تین کوڑوں سے لے کر دس کوڑوں تک ادب سکھانے کے لیے مارا کرتے ہیں۔ حجاج نے کہا یہ محبت، یہ ہیبت اور یہ ادب آسمان سے اُتری ہوئی ہے، اللہ کا حکم یہی ہے۔

جب ہاتھ کاٹا جائے تو فوراً گرم تیل میں سینک دیا جائے۔ اور مستحب یہ ہے کہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے۔ اگر دوسری مرتبہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اور اگر تیسری مرتبہ چوری کرے تو صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعد کے علماء میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی مرتبہ میں بایاں پاؤں اور دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ یہ قول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور مذہب شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول امام احمد رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ اُسے قید کر دیا جائے۔ اور یہ قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور کوفیوں کا ہے۔ اور ایک قول امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی ہے۔

ہاتھ اس وقت کاٹا جائے جبکہ چوری کا نصاب پورا ہوا اور وہ ایک چوتھائی دینار یا تین درہم ہے۔

جمہور علماء اہل حجاز اور اہل حدیث کا یہی مسلک ہے۔ مثلاً امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ وغیرہ اور بعض علماء کا قول ہے: قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ایک دینار یا دس درہم ہے۔ اور صحیحین میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مجن (ڈھال) کی چوری میں جس کی قیمت تین درہم تھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

قَطَعَ سَارِقًا فِیْ مَجَنٍّ قِیْمَتُهٗ ثَلَاثَةَ دَرَاهِم ۔(رواہ مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری میں جس کی قیمت تین درہم تھی ایک چور کا ہاتھ کاٹا۔

اور اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَطْعُ الْیَدِ فِیْ رُبْعِ دِیْنَارٍ فَصَاعِدًا

چوتھائی دینار یا اس سے زائد میں ہاتھ کاٹا جائے۔

صحیح مسلم کی روایت یہ ہے:

لَا تُقْطَعُ یَدُ السَّارِقِ اِلَّا فِیْ رُبْعِ دِیْنَارٍ فَصَاعِدًا

چور کا ہاتھ اُس وقت تک نہ کاٹا جائے جب تک کہ ربع ﴿1/4﴾ دینار یا زائد نہ چرائے

بخاری کی ایک روایت میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِقْطَعُوْا فِیْ رُبْعِ دِیْنَارٍ وَلَا تَقْطَعُوْا فِیْمَا دُوْنَ مِنْ ذَالِكَ

ربع (چوتھائی) دینار میں ہاتھ کاٹو، اس سے کم میں نہ کاٹو۔ (رواہ البخاری)

اس وقت رُبع دینار کی قیمت تین درہم کے برابر ہوا کرتی تھی اور دینار کی قیمت بارہ درہم ہوا کرتی تھی۔

اور چور کو اس وقت تک چور نہیں کہا جاتا تھا کہ مال حفاظت میں رکھا ہوا نہ چرائے۔ جو مال کہ ضائع شدہ ہے، یا جنگل میں بلا احاطہ اور چار دیواری کے اس میں درخت لگے ہیں اور اس پر سے پھل پھول لیے جائیں یا جو چوپایہ بغیر چوپان کے ہو، اس کے مثل میں ہاتھ نہ کاٹا جائے لیکن لینے والے کے لیے تعزیر ضرور ہوگی۔ اور ڈبل جرمانہ دلوایا جائے گا، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

اور اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ زیادتی کتنی دلوائی جائے۔ اور یہی قول امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے۔ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے:

لَا قَطْعَ فِیْ ثَمْرَةٍ وَلَا كَثْر (رواہ اہل السنن)

پھل میں اور پکی کھجور میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اور عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ والد سے، دادا سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے قبیلہ بنی مزینہ کے ایک آدمی کو رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھتے سنا ہے: يَا رَسُوْلَ اللهِ جِئْتُ اَسْئَلُكَ عَنِ الضَّالَّةِ مِنَ الْاِبِلِ میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ سے گمشدہ اونٹ کے متعلق پوچھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَعَهَا حِذَائُهَا وَ سِقَئُهَا تَاْكُلُ الشَّجَرَةَ وَتَرِدُ الْمَاءِ فَدَعُهَا حَتّٰى يَاتِيُهَا بَاغِيُهَا

اس کے ساتھ اس کے کھانے پینے کا سامان موجود ہے، درخت کھائے گا اور پانی پر اترے گا، اُسے چھوڑ دو تا کہ اس کو ڈھونڈنے والا اس تک آ جائے۔

اس نے کہا:

فَا الضَّالَّةِ مِنَ الْغَنَمِ

گمشدہ بکری کے متعلق کیا ارشاد ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

لَكَ اَوْ لِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ تَجْمَعُهَا حَتّٰى يَاتِيُهَا بَاغِيُهَا

تیرے لیے ہوگا یا تیرے بھائی کے لیے یا بھیڑیئے کے لیے۔ اسے تم لے لو یہاں تک کہ اس کا تلاش کرنے والا آ جائے۔

اس نے کہا:

فَالْحَرِيْسَةُ الَّتِیْ تُوْخَذُ مِنْ مَرَاتِعِهَا

حریسہ جو چرواہے سے لیا جائے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

فِهَا ثَمْنُهَا مَرَّتَيْنِ وَضَرْبُ نَكَال وَمَا اُخَذَ مِنْ عَطْنِه فَفِيْهِ الْقَطْعُ اِذَا بَلَغَ مَا يُوْخَذُ مِن ذَالِكَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ

حریسہ میں دو چند قیمت اور تعزیر کی جائے اور جو اون اس سے لی جائے تو دیکھا جائے اگر وہ

ڈھال کی قیمت کو پہنچے تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے۔

اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ اگر پھل پھول لیے ہوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَخذَ مِنْهَا بِفَمِهِ وَلَمْ يَتَّخِذْ خُبْنَةً فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْئٌ وَ مَنِ احْتَمَلَ فَعَلَيْهِ ثَمَنُهُ مَرَّتَيْنِ وَضَرْبُ نَكَالٍ وَمَا أُخِذَ مِنْ اِجْرَانِه فَفِيْهِ الْقَطْعُ اِذَا بَلَغَ مَا يُؤخَذُ مِنْ ذَالِكَ ثَمَنُ الْمِجَنِّ وَ مَالَمْ يَبْلُغْ ثَمَنُ الْمِجَنِّ فَفِيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَ جَلَدَاتُ نَكَالٍ

جس شخص نے اس میں سے اپنے منہ سے لیا، اور خوشہ نہیں لیا تو اس پر کچھ نہیں اور اگر کچھ اپنے ہمراہ لے گیا تو دو چند قیمت اور تعزیر ہوگی۔ اور جو بڑا خوشہ لے گیا تو اگر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو ہاتھ کاٹا جائے۔ اور اگر ڈھال کی قیمت کو نہیں پہنچتا تو دو چند نقصانی دلوائی جائے۔ اور اس پر کوڑوں کی تعزیر کی جائے۔ (رواہ اہل السنن)

اسی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَيْسَ عَلَ الْمُنْتَهِبِ وَلَا عَلَى الْمُخْتَلِسِ وَلَا الْخَائِنِ قطعٌ

لوٹنے والے اور اُچکے اور خائن کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

جیب کترے، رومال اور آستینوں سے ﴿یعنی جیبوں سے مال و دولت﴾ لے جائیں تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہی قول صحیح ہے۔

باب 14 (Chapter) کے مضامین

زانی کی سزا۔ شادی شدہ زانی کو پتھروں سے رجم کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔

لواطت کی سزا، فاعل ومفعول دونوں کو قتل کیا جائے۔

شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے یہاں تک کہ وہ مر جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ماعز بن مالک الاسلمی رضی اللہ عنہ اور غامدیہ عورت اور بعض یہودیوں کو رجم کرایا تھا۔ اور آپ ﷺ کے بعد بھی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں نے زنا کی سزا میں رجم کیا ہے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ رجم سے پہلے سو کوڑے لگائے جائیں پھر رجم کیا جائے؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب میں دو قول ہیں۔ اگر زانی شادی شدہ نہیں ہے تو کتاب اللہ سے ثابت ہے کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ اور سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہے کہ سو کوڑوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک سال جلاوطن کیا جائے۔ اگرچہ بعض علماء سال بھر جلاوطن کرنا واجب نہیں کہتے۔

زانی پر اس وقت تک حد قائم نہ کی جائے جب تک چار گواہوں کی گواہی اس پر نہ گذرے یا چار دفعہ خود اقرار نہ کرے۔ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں چار دفعہ اقرار کی ضرورت نہیں ہے، ایک دفعہ اقرار کر لینا کافی ہے۔ اگر کسی نے اقرار کر کے پھر انکار کر دیا تو بعض علماء کا قول ہے کہ حد اس سے ساقط ہو جائے گی اور بعض کہتے ہیں حد ساقط نہیں ہوگی۔

اور شادی شدہ اس شخص کو کہیں گے جو آزاد، مکلّف ہو اور صحیح نکاح سے اپنی بیوی سے جماع ووطی کر چکا ہو، اگرچہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

اور جس سے جماع ووطی کی گئی ہے، مذکورہ صفات میں محصن کے مساوی ہے یا نہیں، اس میں علماء کے دو قول ہیں، عورت قریب البلوغت ہو، اور بالغ مرد سے زنا کیا ہو۔ یا مرد قریب البلوغت ہو اور عورت بالغہ ہے۔

اور یہی حکم ذمیوں کا ہے۔ اگر وہ شادی شدہ ہوں تو اکثر علما کے نزدیک رجم کیا جائے گا۔ مثلاً امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مسجد کے دروازے کے سامنے یہودیوں کو رجم کرایا ہے۔ اور اسلام میں یہ پہلا رجم تھا۔

اگر کوئی عورت حاملہ پائی گئی اور اس کا شوہر نہیں ہے اور نہ اس کا سید و آقا ہے (یعنی وہ کسی کی لونڈی بھی نہیں)، اور حمل میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے، تو امام احمد وغیر کے مذہب میں اس کے بارے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس پر حد جاری نہیں جا سکتی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ زبردستی اس سے زنا کیا گیا ہو اور اس سے یہ حاملہ ہو گئی ہو۔ یا اُسے اٹھا کر لے گئے ہوں، یا بیوی کے شبہ کی بنا پر جماع کیا گیا ہو کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد جاری ہو گی اور یہی قول خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے۔ اور اصول شریعت کے موافق یہی ہے۔ اور یہی مدینہ والوں کا مذہب ہے۔ کیونکہ یہ شاذ و نادر احتمالات ہیں۔ اور شاذ و نادر احتمالات کی طرف توجہ نہیں کی جا سکتی جیسے کہ اس نے اقرار کیا اور وہ اپنے اقرار میں جھوٹا ہو۔ یا گواہوں کی گواہی جھوٹی ہو۔

لوطی اور لواطت کی سزا: بعض علماء کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے پر حد جاری ہو گی۔ اور جو زنا کی حد ہے وہ اس کی حد ہے۔ بعض کہتے ہیں لواطت (یعنی ہم جنس پرست جیسے لڑکے کے ساتھ دوسرا لڑکا، مرد کے ساتھ دوسرے مرد سے، اسی طرح عورت کا عورت سے زنا) کی سزا زنا سے کم ہو گی۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ نیچے اور اوپر والے یعنی فاعل و مفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ کیونکہ سنن (نسائی و ابن ماجہ) میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ وَجَدَ تُمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ

جسے تم قوم لوط علیہ السلام کا کام کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اگر کنوارا لوطی کسی عورت کے ساتھ پایا گیا تو اسے رجم کیا جائے گا۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے لیکن دوسرے صحابہ اس کے قتل میں مختلف ہیں۔ لیکن اس کی قسمیں بیان کرتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو جلانے کا حکم دیتے

ہیں۔اور دوسرے صحابہ کہتے ہیں اسے قتل کیا جائے۔بعض کہتے ہیں اس پر دیوار گرائی جائے کہ عمارت کے نیچے دب کر مر جائے۔اور بعض کہتے ہیں اسے ایسی بدبودار اور خراب جگہ میں قید کیا جائے کہ وہ مر جائے۔بعض کہتے ہیں کہ آبادی میں سب سے اونچی دیوار اس پر سے اُسے گرایا جائے۔اور پھر اوپر سے پتھر برسائے جائیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو سزا دی تھی۔اور یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں مذکور ہے۔اور دوسری روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ ہے کہ اسے رجم کیا جائے۔ اور اکثر سلف کا یہی قول ہے۔وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو رجم کیا اور زانی کی سزا رجم اس کی مشابہت کی بنا پر ہوئی ہے۔اور فاعل ومفعول دونوں کو رجم کیا جائے۔خواہ دونوں کے دونوں آزاد ہوں یا غلام۔یا ایک دوسرے کا غلام ہو۔جب وہ بالغ ہوں دونوں کی یہی سزا ہوگی۔لیکن اگر فاعل یا مفعول دونوں میں سے ایک نابالغ ہے تو اسے قتل سے کم سزا دی جائے گی۔اور بالغ کو قتل کیا جائے گا۔

باب 15 (Chapter) کے مضامین

شراب نوشی کی حد سنت نبوی ﷺ اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے جو شراب پیئے اُسے کوڑے لگوانا چاہیے۔ پھر پیئے پھر کوڑے لگوانا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے شرابی کو بار بار کوڑے لگوائے۔ اور آپ ﷺ کے خلفاء اور مسلمانوں کا اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔

شراب نوشی کی حد: شراب نوشی کی حد سنت نبوی اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے۔ اہل سنن (یعنی امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ دونوں) نے مختلف وجوہ اور مختلف طریقوں سے روایتیں کی ہیں۔ جن میں اس کی وضاحت کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ ثُمَّ اِنْ شَرِبَ فَاجْلِدُوْهُ ثُمَّ اِنْ شَرِبَ فَاجْلِدُوْهُ ثُمَّ اِنْ شَرِبَ الرَّابِعَةَ فَاقْتُلُوْهُ

جو شخص شراب پیئے، اُسے کوڑے لگاؤ۔ پھر پیئے پھر کوڑے لگاؤ۔ پھر پیئے پھر کوڑے لگاؤ۔ پھر چوتھی مرتبہ پیئے تو اُسے قتل کردو۔

نبی کریم ﷺ نے بہت سی مرتبہ شراب پینے والوں کو کوڑے لگانے کی سزا دی ہے۔ اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں نے بھی کوڑوں کی سزا دی ہے، اور اسی بنا پر اکثر علماء کہتے ہیں کہ قتل کی سزا منسوخ ہو چکی ہے۔ بعض کا قول ہے یہ سزا محکم ہے۔ بعض کہتے ہیں قتل کرنا ایک تعزیر تھی۔ اگر امام ضرورت سمجھے تو یہ سزا بھی دے سکتا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ شراب نوشی کی سزا میں آپ ﷺ نے چالیس لکڑیاں اور جوتے لگوائے ہیں۔ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس کوڑے لگوائے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اسی (80) کوڑے لگوائے ہیں۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کبھی چالیس اور کبھی اسی (80) کوڑے لگوائے ہیں۔ اور اسی بناء پر بعض علماء نے کہا ہے کہ اسی (80) کوڑے لگوانا واجب ہے۔ بعض

علماء کہتے ہیں کہ چالیس کوڑے لگوانا واجب ہے، اس سے زیادہ سزا امام کی رائے پر موقوف ہے جبکہ لوگ شراب کے عادی ہو گئے ہوں۔ اور چالیس کوڑوں سے تنبیہ نہ ہوتی ہو، یا اس کے مثل کوئی اور وجہ ہو تو چالیس سے زیادہ اسی (80) کوڑے لگوائیں۔ اگر پینے والے کم ہیں یا اتفاقاً کسی نے پی لی ہے تو چالیس کوڑے کافی ہیں۔ اور یہ قول زیادہ مناسب اور زیادہ موافق ہے۔ اور یہی قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے بھی مطابق ہے۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں شراب نوشی کے واقعات زیادہ ہونے لگے تو انہوں نے سزا زیادہ کر دی۔ بعض کو جلاوطن کیا۔ بعض کا سر منڈوا کر ذلیل کیا۔ تو یہ زجر و توبیخ کی مبالغہ آمیز سزا تھی۔ اگر شرابی کو تعزیر چالیس کے بعد چالیس کوڑوں سے زیادہ کرنی ہو تو اس کی روٹی بند کر دی جائے۔ اور اسے جلاوطن کیا جائے تو اچھا ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ آپ کے بعض نائب شراب کی تعریف میں اشعار کہہ رہے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا۔

جس شراب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا، اور جس کے پینے پر کوڑے لگوائے وہ ایسی شراب ہے جو نشہ لائے خواہ وہ کسی چیز سے بھی بنائی گئی ہو۔ پھلوں سے بنائی گئی ہو جیسے انگور، کھجور اور انجیر وغیرہ یا اناج سے بنائی گئی ہو جیسے گندم اور ''جو'' وغیرہ سے۔ یا پتلی بہنے والی چیزوں سے بنائی گئی ہو جیسے شہد وغیرہ۔ یا جانوروں کے دودھ سے بنائی گئی ہو۔ ہر قسم کی شراب اسی حرمت میں داخل ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تحریم شراب کے متعلق جب قرآن اُترا تو اُس وقت مدینہ طیبہ میں انگور کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ شام وغیرہ سے انگور آیا کرتے تھے۔ عام طور پر عرب میں نبیذ تمر (کھجور) کی شراب ہوا کرتی تھی۔ کھجور وغیرہ سے عرب شراب بنا لیتے تھے۔ اور عام طور پر جو سنت متواترہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز (خواہ چرس وافیون ہو یا ہیروئن، مارفین ہو یا کوکین۔ یا صمد بونڈ جسے ہیرونچی سونگھ سونگھ کر نشہ کرتے ہیں) حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز کو جو عقل کو بیکار کر دے، حرام کر دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میٹھا نبیذ تمر (یعنی کھجور کا شربت) پیا کرتے تھے اور اس کی ترکیب یہ تھی کہ کھجور یا انگور کو پانی میں ڈال دیا جاتا۔ اور نبیذ اس لیے پیا کرتے تھے کہ حجاز

میں پانی عام طور پر کھاری ہوا کرتا ہے۔ نبیذ کا پینا نشہ آور ہو جانے سے پہلے جائز ہے۔ اور عام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اس لیے کہ اس میں نشہ نہیں ہے جیسے کہ انگور کا جوس نشہ آور ہونے سے پہلے پینا جائز ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے لکڑی کے برتنوں یا پکے قلعی والے (روغنی اور پیتل، سلور، اسٹیل وغیرہ کے) برتن میں نبیذ بنانا منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے ایسے برتنوں میں جو کچے ہوں اور جن کا منہ باندھا جائے اس میں نبیذ بنانے کا حکم فرمایا تھا۔ کیونکہ ان برتنوں میں اگر نشہ آور ہو جائے تو پتہ لگ جاتا ہے۔ اور پکے قلعی دار برتنوں میں پتہ نہیں چلتا۔ کچے برتن نشہ آور ہونے سے پھٹ جاتے ہیں اور قلعی دار نہیں پھٹتے۔ اور پینے والے کو دھوکہ ہو جاتا ہے۔

آپ ﷺ سے یہ روایت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے قلعی دار پکے برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت ورخصت بعد میں دے دی تھی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

نَهَيْتُكُمْ عَنِ الِانْتِبَاذِ فِي الْاَوْعِيته فَانْتَبِذُوْا وَلَا تَشْرَبُو الْمُسْكِرَ

میں نے تمہیں قلعی دار برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت کر دی تھی لیکن تم ان میں بناؤ نشہ آور ہو جائے تو مت پیو۔

اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے علماء میں اختلاف رہا جن کو اس حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہوا؛ یا جن کے نزدیک ان برتنوں میں نبیذ بنانا ثابت نہیں ہے، انہوں نے کہہ دیا کہ نبیذ ان برتنوں میں بنانا منع ہے۔

اور بعض جو اس ثبوت کے قائل تھے، اور سمجھ رہے تھے یہ منسوخ ہو چکا ہے، وہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دیتے ہیں۔ جب فقہاء کے ایک گروہ نے سنا کہ بعض صحابہ نبیذ پیا کرتے تھے تو وہ یہ سمجھے کہ نشہ آور پیتے تھے۔ اور اس لیے انہوں نے مختلف قسم کی شرابیں پینے کی اجازت دے دی جو انگور اور کھجور وغیرہ سے نہ بنی تھی۔ اور نبیذ تمر (یعنی کھجور) اور کشمش کے جوس کی اجازت دے دی، جب تک کہ نشہ آور نہ ہو جائے۔ اور صواب وصحیح جس پر جمہور مسلمان متفق ہیں وہ یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز خمر (یعنی شراب وغیرہ حرام) ہے اور اس کے پینے والے پر حد جاری ہوگی اگر چہ ایک قطرہ بھی پی لے۔ خواہ دوا کی حیثیت سے بھی کیوں نہ پیئے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر خمر (شراب) کے سوا کوئی دوا

نہیں ہے تو (کیا کیا جائے) آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهَا دَاءٌ وَلَيْسَتْ بِدَوَاءٍ وَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ أُمَّتِي فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْهَا

یہ بیماری ہے، دوا نہیں ہے اور میری اُمت کی شفاء حرام میں نہیں ہے۔

شراب خوار پر حد واجب ہو جاتی ہے جبکہ اس پر گواہ موجود ہوں یا شرابی خود شراب پینے کا اقرار کر لے۔ اگر خمر و شراب کی بدبو آئے یا لوگوں نے اُسے قے کرتے دیکھا یا اس کے مثل دوسرے آثار دیکھے جائیں تو کہا گیا ہے اس پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ یہ احتمال ہے یہ خمر (شربت) نشہ آور نہ ہو یا لاعلمی سے اس نے (شراب) پی لی ہو یا زبردستی اُسے پلائی گئی ہو۔

اور کہا گیا ہے کہ اسے کوڑے لگوائے جائیں گے جبکہ معلوم ہو جائے (کہ وہ شربت و شراب) نشہ آور تھی۔ اور یہ قول خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا عثمان سیدنا علی اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے۔ اور سنت نبوی ﷺ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے اور لوگوں کا تعامل (وعمل) بھی یہی ہے اور یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا ہے اور انہوں نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔

اور انگور اور کھجور کے پتوں کو پکا کر جو مشروب تیار کیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے۔ اس کے پینے والے کو کوڑے لگوائے جائیں گے۔ یہ تو خمر و شراب سے بھی زیادہ خبیث ہوتا ہے کہ اس سے عقل اور مزاج دونوں خراب ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اس سے ہیجڑا بن جاتا ہے اور بے غیرتی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور شراب زیادہ خراب اور خبیث اسی لیے ہے کہ اس سے لڑائی اور یعنی قتل و غارت گری ہوتی ہے۔ لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جس طرح وہ اللہ کے ذکر سے روکتی ہے؛ نماز سے بھی روکتی ہے۔

بعض متاخرین فقہاء نے اس کی حد میں توقف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں حد سے کم تعزیر کی جائے کیونکہ اس سے تغیر عقل کا گمان ہے اور یہ بمنزلہ بھنگ پینے کے ہے۔ اور متقدمین علماء سے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ ثابت نہیں ہے حالانکہ یہ گھاس اور پتے ایسے نہیں ہیں بلکہ اس کے کھانے والے شوق اور خواہش سے اُسے کھاتے ہیں اور یہ آرزو رکھتے ہیں کہ اور بھی ہوں تو کھا لیں۔ جیسے شراب اور خمر کا شوق خواہش اور آرزو رکھتے ہیں اور اس کی وجہ سے اکثر ذکر الٰہی میں خلل آ جاتا ہے۔ اور جب اس کی کثرت ہوتی ہے تو نماز میں بھی خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بے غیرتی اور ہیجڑا پن اور فسادِ مزاج، فسادِ

عقل وغیرہ میں بھی اس سے خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ ٹھوس ہوں اور کھائے جاتے ہوں، شراب کی قسم سے نہ ہوں تو اس کے نجس ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس میں تین قول ہیں: امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ نجس ہے جیسے شراب نجس ہے۔ اور یہی قول صحیح ہے اور قابل اعتبار ہے۔ بعض کہتے ہیں: کیونکہ اس میں جمود ہے اس لیے نجس نہیں ہے۔ اور بعض نے ٹھوس اور پتلا پن میں فرق کیا ہے۔ بہر حال! یہ بھی اس میں داخل ہے جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کہا ہے کیونکہ لفظاً اور معنی یہ خمر شراب اور مسکر یعنی نشہ آور چیز ہے۔

سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں آپ دو قسم کی شراب کے متعلق فیصلہ دیجئے جسے ہم یمن میں تبع اور دانوں سے بناتے ہیں؛ تبع شہد سے بنتی ہے اور میزر ''جو'' وغیرہ (دانوں) سے بنتی ہے۔ جب اس میں شدت پیدا ہو کر نشہ آ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جوامع الکلم تھے آپ نے فرمایا:

كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ (بخاری و مسلم)

ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من الحنطة خمرا و من الشعير خمرا و من الزبيب خمرا ومن التمر خمرا ومن العسل خمرا و انا انهي عن كل مسكر (رواہ ابوداؤد وغیرہ)۔

شراب گیہوں سے بنتی ہے، ''جو'' سے بنتی ہے، کشمش سے بنتی ہے، کھجور سے بنتی ہے، شہد سے بنتی ہے اور میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔

لیکن یہ روایت صحیحین کے اندر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا:

الخمر ما خامر العقل

خمر (نشہ آور چیز جیسے شراب، چرس، ہیرون وغیرہ) وہ ہے جو عقل کو بیکار کر دے۔

اور ایک روایت ہے:

کل مسکر خمر و کل خمر حرام

ہر نشہ لانے والی چیز خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔

یہ دونوں روایتیں امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں روایت کی ہیں۔

اور اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل مسکر حرام وما اسکر الفرق منه فملء الکف منه حرام

(قال الترمذی حدیث حسن)

ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس سے مٹکا بھر پینے سے نشہ آئے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔

اور ارباب سنن (نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ) نے مختلف طریقوں سے روایت کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما اسکر کثیر فقلیله حرام

جس کا کثیر (کثیر مقدار میں) پینے سے نشہ آئے اس کا تھوڑا بھی حرام ہے۔

حفاظ حدیث نے اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہماری سرزمین میں ذرہ (دانوں) سے جس کو میزر کہتے ہیں شراب بناتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

امسکر هو کیا وہ نشہ کرتی ہے؟

اس نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل مسکر حرام ان علی الله عهدا لمن شرب المسکر ان یسقیه من طینة الخبال

ہر مسکر نشہ آور حرام ہے اور جو شخص نشہ آور چیز پئے اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ اسے طینۃ الخبال پلائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ وما طینۃ الخبال

اے اللہ کے رسول (ﷺ) یہ طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

عرق اھل النار (رواہ مسلم فی صحیحہ)

یہ جہنمیوں کا گندہ خون (پسینہ، پیپ، رطوبت وغیرہ) ہے۔

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کل مسکر خمر و کل مسکر حرام (رواہ ابوداؤد)

ہر نشہ آور چیز شراب میں شمار ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اور اس باب میں بے شمار احادیث مستفیضہ (مشہور) مروی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا کلام جوامع الکلم ہوتا تھا، تمام کو جمع کر دیا کہ ہر وہ چیز جو عقل میں فرق پیدا کر دے اور نشہ لائے حرام ہے خواہ وہ کھانے والی ہو یا پینے والی۔

علاوہ ازیں خمر و شراب تو کبھی کبھی پکائی جاتی ہے اور گھاس، جڑی بوٹیاں تو پانی میں بھگو دی جاتی ہیں اور پی لی جاتی ہیں۔

پس خمر و شراب پی بھی جاتی ہے اور کھائی بھی جاتی ہے اور جب یہ نشہ آور ہے تو حرام ہے متقدمین نے اس کی خصوصیات کے متعلق بحث نہیں کی کیونکہ اس کی پیداوار 600ھ میں یا اس کے قریب قریب ہوئی ہے جس طرح کہ شراب کی بہت سی قسمیں نبی اکرم ﷺ کے بعد پیدا ہوئی ہیں اور یہ سب کی سب ان جوامع الکلم کے اندر آ گئیں جو کتاب و سنت کے اندر مذکور ہے۔

باب 16 (Chapter) کے مضامین

حد قذف ﴿زنا کی تہمت کی سزا﴾، محصن ﴿پاک دامن شادی شدہ مرد و عورت﴾ پر زنا کی تہمت لگانا۔ اور تہمت لگانے والے کو کوڑوں کی سزا۔

حد قذف ﴿زنا کی تہمت کی سزا﴾۔ جن حدود ﴿سزاؤں﴾ کے متعلق کتاب و سنت میں وارد ہے اور جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے حد قذف بھی ﴿انہی میں سے﴾ ہے جب کوئی شخص کسی محصن ﴿پاک دامن شادی شدہ مرد یا عورت﴾ پر زنا کی ﴿تہمت﴾ یا لواطت کی تہمت لگائے تو تہمت لگانے والے پر اَسّی (80) کوڑوں کی حد ﴿یعنی سزا﴾ واجب ہو گئی۔

اور یہاں محصن کے معنی حرّ، آزاد، عفیف اور پاک دامن ﴿مرد و عورت﴾ کے ہیں۔ اور زنا کی حد کے موقع پر محصن کے معنی یہ ہیں کہ نکاحِ صحیح و تام سے اپنی بیوی سے وطی و جماع کیا ہو۔

باب 17 (Chapter) کے مضامین

جن معاصی اور گناہوں کی حد ﴿یعنی سزا﴾ مقدار اور مقرر نہیں ہوئی ہے، نہ اس کے لیے کفارہ ہے، ان میں عقوبت وسزا آزادی اور تعزیر اور عبرت اور تادیب والی ﴿یعنی قاضی و جج﴾ اور حاکم ﴿حکمران﴾ کی رائے پر ہے، حسب حال وہ سزا تجویز کرے۔

وہ معاصی اور گناہ جن میں کوئی مقدار اور مقرر حد نہیں اور نہ کفارہ ہے مثلاً کسی لڑکے کا بوسہ لینا یا اجنبی عورت کا بوسہ لینا، یا مباشرت بلا جماع وطی کے کرنا، یا ایسی چیز کھانا جو حلال نہیں ہے مثلاً خون مسفوح (ذبح کے وقت جانور کا جو خون نکلتا ہے) یا مردار گوشت کھانا یا کسی پر زنا کے علاوہ کوئی جھوٹی تہمت لگانا۔ یا غیر محفوظ چیز کی چوری کرنا یا نصاب سے کم چیز چرا لینی یا امانت میں خیانت کرنی جیسے بیت المال کے والی ﴿وزیر مال﴾ اور متولی ﴿خزانچی﴾ کیا کرتے ہیں یا وقف کے متولی ﴿نگہبان﴾ یا یتیم کے مال کے متولی ﴿ونگہبان﴾ کیا کرتے ہیں اور مثلاً تجارت کے وکلاء ﴿یعنی ایجنٹ اور Rep.﴾ اور شریک فی التجارت ﴿Partner﴾ خیانت کیا کرتے ہیں یا معاملہ میں دھوکہ کرنا یا مثلاً کھانے پینے کی چیزوں میں یا کپڑوں میں دھوکہ کرنا یا مثلاً ناپ وتول میں کم زیادہ کرنا یا جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی گواہی کی تلقین کرنا یا رشوت لینا یا اللہ تعالی کے حکم کے خلاف حکم دینا یا رعایا پر ظلم وزیادتی کرنا یا جاہلیت کا نعرہ بلند کرنا یا جاہلیت کے دعوے کو بلند کرنا وغیرہ یا محرمات شرعیہ کا ارتکاب کرنا، ایسے لوگوں کی سزا بطور تعزیر یا عبرت یا ادب کے والی وحاکم ﴿یعنی قاضی وجج یا حکمران خود﴾ تجویز کرے گا۔ حاکم ووالی گناہوں کی قلت وکثرت دیکھتے ہوئے عقوبت وسزا تجویز کرے، جب معاصی اور گناہ زیادہ ہوں تو عقوبت وسزا بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ جب گناہ کم ہوں تو حسب حال گناہ کرنے والے کے سزا ہوگی۔

اور جب لوگ فسق وفجور میں مبتلا ہو جائیں اور گناہ کے عادی ہو جائیں تو عقوبت وسزا زیادہ کردینی چاہیے۔ جب فسق وفجور کم ہو تو عقوبت وسزا بھی کم ہونی چاہیے۔

غرض! چھوٹے بڑے گناہ کے اعتبار سے عقوبت وسزا دینی چاہیے۔ جو کسی ایک عورت یا ایک

لڑکے سے چھیڑ چھاڑ کرے اُسے اس کے مقابلہ میں جو عام طور پر عورتوں اور لڑکوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے، کم سزا ہونی چاہیے اور کم سے کم تعزیر کی کوئی حد مقرر نہیں کہ اتنی ہونی چاہیئے کیونکہ تعزیر کا مقصد تکلیف پہنچانا ہے۔ اب خواہ وہ ﴿تعزیر وسزا﴾ قول سے ہو یا فعل سے، اس سے بات چیت ترک کر دینے سے ہو یا پہلے کوئی سلوک کر رہا تھا اور کسی قسم کی رواداری کا برتاؤ کر رہا تھا ﴿اوراب﴾ اُسے ترک کرنے سے ہو۔ یا نصیحت ووعظ کے ذریعہ یا توبیخ وتنبیہ (ڈانٹ ڈپٹ) اور سختی سے ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اُسے تکلیف پہنچے اور تعزیر ہو جائے۔ کبھی یہ مقصد قطع تعلق اور علیک سلیک بند کر دینے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

غرض یہ کہ جب تک وہ توبہ نہ کرے اُسے تکلیف وتعزیر ہونی چاہیے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے تین مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے علیک سلیک اور بات چیت بند کر دی تھی۔

اور والی وحاکم ﴿حکمران، وزیر ومشیر، قاضی وجج، گورنر وسپہ سالار اور دیگر افسران﴾ سے کوئی جرم ایسا ہو جائے کہ اس میں حد مقرر نہیں ہے تو اُسے حکومت وولایت ﴿یعنی عہدے﴾ سے معزول کیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔ کبھی تو فوجی وعسکری خدمات سے سبکدوش کرنے کی تعزیر ﴿وسزا﴾ کی جائے کہ وہ مسلمانوں کی فوجی وعسکری خدمات انجام دیتا تھا اس سے اس کو علیحدہ کر دیا مثلاً وہ فوج اور لشکر کہ کفار سے لڑ رہا تھا تلواریں آمنے سامنے چل رہی ہیں اور کوئی مسلمان فوج میں سے بھاگ نکلا کہ فرار من الزحف یعنی جنگ سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے اس کی روٹی اس کا کھانا پینا بند کر دینا ایک قسم کی تعزیر ہے۔

اسی طرح اگر امیر وحاکم سے کوئی ایسی حرکت ہو جائے جو بہت بڑی اور بہت بری سمجھی جاتی ہو اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں تو اُسے امارت وحکومت سے معزول کر دینا چاہیے۔ یہ اس کی تعزیر ہے

اسی طرح کبھی حبس وقید کی تعزیر کی جائے اور کبھی اس کا منہ کالا کیا جائے اور اسے الٹے منہ گدھے پر سوار کیا جائے جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جھوٹی گواہی دینے والے کی تعزیراً آپ رضی اللہ عنہ نے ایسی کی تھی۔ اس لیے کہ جھوٹ بولنے والے نے جھوٹ سے اپنا منہ کالا کیا تو اس کا منہ کالا کیا گیا۔ اور بات کو مقلوب (الٹا) کر دیا تو اسے مقلوب الٹے منہ گدھے پر سوار کیا گیا اور اس کی

تعزیر کی گئی۔

اور تعزیر ﴿یعنی سزا﴾ میں زیادہ سے زیادہ سزا یہ ہے کہ دس کوڑے مارے جائیں اس سے زیادہ نہ مارے جائیں۔ بہت سے علماء اس کے قائل ہیں کہ تعزیرا تنی نہیں ہونی چاہیے کہ حد کے درجہ کو پہنچ جائے۔ پھر اس تعزیر کے متعلق بھی ان علماء کے دو قول ہیں: بعض کہتے ہیں کہ تعزیر ادنیٰ حدود تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ حر ﴿یعنی﴾ آزاد آدمی کی حد ادنیٰ سے ادنیٰ چالیس کوڑے یا اسی کوڑے ہیں۔ تعزیر میں اتنے کوڑے نہیں لگانے چاہئیں۔ غلام کی تعزیر غلام کی ادنیٰ حد کے برابر نہیں ہونی چاہیے۔ غلام کی حد بیس کوڑے یا چالیس کوڑے ہیں تعزیر اس حد تک نہیں پہنچنی چاہیے۔

اور بعض کہتے ہیں آزاد شخص ہو یا غلام تعزیر غلام کی حد تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ اور بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ حر اور آزاد کی تعزیر حر اور آزاد کی حد تک نہیں پہنچنی چاہیے اور غلام کی تعزیر غلام کی حد تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ جس قسم اور جس نوعیت کی تعزیر کی جائے اسی قسم اور اسی نوعیت کی عقوبت وسزا حد سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ مثلاً کوئی چور ایسی چیز چرائے جو حرز وحفاظت میں نہ ہو تو ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ دوسری تعزیر ﴿وسزا﴾ کی جائے اگر چہ یہ تعزیر حد قذف تک پہنچ جائے۔ اسے مار ماری جائے اگر چہ حد قذف سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو مثلاً کسی نے زنا سے کم فعل کیا بوسہ لیا یا ساتھ لے کر سو رہا یا اس قسم کی کوئی دوسری حرکت کی تو اس کی تعزیر زنا کی حد کو نہیں پہنچ سکتی اگر چہ قاذف سے زیادہ ہوگی جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے منقش انگوٹھی بنوائی تھی اور بیت المال سے کچھ لے لیا تھا اور انگوٹھی میں لگایا تھا تو امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک دن سو کوڑے لگوائے، دوسرے دن سو کوڑے لگوائے اور تیسرے دن سو کوڑے لگوائے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک دن ایک مرد ایک اجنبی عورت کو ایک لحاف کے اندر لے کر سویا ہوا تھا تو دونوں کو سو سو کوڑے لگوائے تھے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کی لونڈی سے خلوت (ہم بستری) کی، تو اگر اس کی بیوی نے اُسے خلوت (ہم بستری) کی اجازت دے دی تو اُسے سو کوڑے لگوائے جائیں گے اور خلوت (ہم بستری) کی اجازت نہیں دی ہے تو رجم کیا جائے گا۔ یہ تمام اقوال امام احمد

بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کی رو سے ہیں۔ اور پہلے دو قول امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب کی رو سے۔

امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ سے منقول ہے کہ بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان میں حد نہیں ہے مگر تعزیر و سزا قتل کی بھی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے بعض شاگرد اس میں ان کے ہمنوا ہیں مثلاً مسلم جاسوس دشمنوں اور کفار سے ایسی جاسوسی کرے کہ مسلمانوں کو اس سے نقصان پہنچ رہا ہے تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کی تعزیر میں توقف کیا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ اور بعض حنابلہ مثلاً ابن عقیلی رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں اس کو قتل کر دینا چاہیے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض حنابلہ مثلاً ابو یعلی وغیرہ کہتے ہیں نہیں اُسے قتل نہیں کرنا چاہیے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر کوئی ایسی بدعت رائج کرے یا بدعت کی طرف دعوت دے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف ہے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے بہت سے شاگردوں کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ نے قدریہ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس لیے یہ حکم دیا ہے کہ اس سے فساد فی الارض مقصود ہے نہ یہ کہ یہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اس لئے۔

اور اسی طرح بعض نے جادوگر کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور اکثر علماء نے بھی اُسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور سیدنا جندب رضی اللہ عنہ سے موقوف اور مرفوع روایت ہے کہ

حد الساحر ضربه بالسيف (رواہ الترمذی)

جادوگر کی حد اس کی گردن تلوار سے اُڑا دینا ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر، سیدنا عثمان، اُم المؤمنین سیدہ حفصہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ساحر ﴿یعنی جادوگر﴾ کی گردن اڑا دی جائے۔ لیکن ﴿یہ﴾ قتل کی وجہ اور علت مختلف بیان کرتے ہیں؛ بعض علماء اس لیے اُسے قتل کرنے کی تجویز کرتے ہیں کہ وہ کافر ہو جاتا ہے اور بعض علماء کہتے ہیں نہیں بلکہ فساد فی الارض کی وجہ سے قتل کیا جائے۔ لیکن جمہور علماء کہتے ہیں بر بنائے حد جادوگر کو قتل کیا جائے۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان جرائم میں جن میں قتل واجب ہے ان جرائم کی تکرار پر تعزیر بالقتل

کا حکم دیتے ہیں مثلاً کوئی شخص لواطت پر اصرار کرے یا یہ کہ لوگوں کو تحصیل مال کے لیے دھوکہ اور فریب دیتا ہے تو اُسے قتل کرنا واجب ہے۔

اگر کسی مفسدہ کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے شر سے اس وقت تک نجات نہیں مل سکتی جب تک کہ اُسے قتل نہ کیا جائے تو اُسے قتل کر دیا جائے جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں سیدنا عرفجہ الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے؛ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ﴿اس طرح﴾ سنا ہے۔

من اتاكم وامركم على رجل واحد يريد ان يشق عصاكم او يفرق في جماعتكم فاقتلوه

جو شخص تمہارے پاس آئے اور تم سب ایک آدمی پر مجتمع (یعنی تم ایک امیر کے تحت) ہو، اس کا ارادہ تمہاری جماعت میں پھوٹ ڈالنے کا ہو یا تمہاری جماعت کو پراگندہ کرنے کا ہو تو اُسے قتل کر دو۔

اور دوسری روایت میں ہے:

سيكون هنات و هنات فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة و هي جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان

پے در پے فتنے کھڑے ہوں گے؛ اس وقت کوئی آدمی اس اُمت میں پھوٹ ڈالنے کا ارادہ کرے اور تمہاری جمعیت کو توڑنا چاہے تو تم اُسے تلوار سے قتل کر ڈالو ﴿چاہے وہ﴾ جو کوئی بھی ہو۔

یہی شراب نوشی کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب بار بار کی تعزیر سے وہ باز نہیں آتا تو چوتھی مرتبہ میں اُسے قتل کر دو اور اس پر وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سیدنا ویلم الحمیری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ سیدنا ویلم رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں: اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایسی سرزمین سے آیا ہوں جہاں شراب سے بڑا کام نکلتا ہے اور اس سے علاج معالجہ کیا جاتا ہے، ہم قمح سے شراب بناتے ہیں جس سے ہم کو بڑی قوت ملتی ہے اور بڑی حد تک اپنے پیشہ میں کامیاب ہوتے ہیں، علاوہ

ازیں ہمارے یہاں سردی بھی بہت ہوتی ہے اور اسی سے سہارا ملتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

هل يسكر

کیا وہ نشہ کرتی ہے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فاجتنبوه

اس سے باز آ جاؤ۔

میں نے کہا کہ لوگ تو اسے ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فان لم يتركوه فاقتلوه

اگر وہ نہ چھوڑیں تو اُنہیں قتل کردو۔

اور یہ حکم اس لیے ہے کہ وہ مفسد ہے اور مفسد صائل (مانع) حملہ آور کے مشابہ ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا جس طرح صائل حملہ آور کی مدافعت بغیر قتل کے ناممکن ہو تو قتل کیا جائے اسی طرح اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اور سب کا اجماع اس پر ہے کہ عقوبت و سزا دو قسم کی ہے؛ ایک ماضی کے گناہ کی عقوبت و سزا کہ اسے اپنے کیے کی سزا مل جائے اور اللہ تعالیٰ کی خفگی و ناراضگی کا تدارک ہو جائے مثلاً شراب خور اور قاذف ﴿جھوٹی تہمت لگانے والے﴾ کو کوڑے لگانا محارب ﴿ڈاکو﴾ اور چور کے ہاتھ کاٹ دینا وغیرہ۔

دوسری ﴿سزا﴾ واجب حق ادا نہ کرنے کا اور جو جرم وہ کر رہا ہے مستقبل میں ترک نہیں کرتا اس کی سزا جس سے مقصود یہ ہے کہ حق واجب وہ ادا کرے اور مستقبل میں جرم کو ترک کر دے جیسے مرتد کہ اس کو توبہ کے لیے کہنا کہ وہ توبہ کرے اور مسلمان ہو جائے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے۔ اگر وہ دوبارہ اسلام قبول کر لے تو بہت بہتر ورنہ اُسے قتل کر دیا جائے۔

اور جیسے تارکِ نماز، تارکِ زکوٰۃ اور بندوں کے حقوق نہ دینا، ان کے حقوق کو پامال کرنا وغیرہ یہاں تک کہ وہ حقوقِ واجبہ ادا کرنے لگ جائے۔

تو اس دوسری قسم کے جرائم میں پہلی قسم کے جرائم سے زیادہ تعزیر کی جائے گی۔ اور اس لیے ایک

کے بعد دوسری مرتبہ تارکِ نماز، تارکِ زکوۃ کو مارا اور پیٹا جائے گا یہاں تک کہ اس پر جو حقوق ہیں ادا کرنے لگ جائے۔

اور صحیحین کی وہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یجلد فوق عشرۃ اسواط الا فی حد من حدود اللہ

حدودِ الٰہی کے سوا دس کوڑوں سے زیادہ تعزیر نہ کی جائے۔

اس کی تفسیر علماء کی ایک جماعت یہ کر رہی ہے کہ اس سے مراد حدود الٰہیہ ہیں جو اللہ کے حق کے لیے حرام کی گئی ہیں کیونکہ قرآن وسنت میں جہاں حدود کا لفظ آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ حلال و حرام میں حد فاصل ہے۔ یعنی حلال کی آخری حد اور حرام کی پہلی حد کے درمیان ایک حد فاصل ہے۔ حلال کی آخری حد کے متعلق اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا (البقرۃ:229)

یہ اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود ہیں انہیں مت پھلانگو۔

اور حرام کی پہلی حد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا (بقرۃ:188)

یہ حدودِ الٰہی ہیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔

اب رہی یہ بات کہ اس عقوبت وسزا کو حد کیوں کہا گیا تو جواب یہ ہے یہ عرف عام ہے اور حقیقت وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی۔

اور حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اپنے حق کے لیے اگر مارے مثلاً مرد اپنی بیوی کو مارے کہ کسی وجہ سے باہم ناچاکی اور کھچاؤ پیدا ہو گیا ہے تو اس کا فرض یہ ہے کہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے۔

باب 18 (Chapter) کے مضامین

جن کوڑوں سے مارا جائے وہ درمیانی ہونے چاہئیں لکڑی یا کانٹے دار چیز سے نہ مارا جائے؛ تمام کپڑے نہ اُتارے جائیں؛ منہ پر نہ مارا جائے؛ پیٹھ اور کندھوں اور رانوں پر مارا جائے اور اس کے ہاتھ نہ باندھے جائیں۔

شریعت میں جن کوڑوں کے لگانے کا حکم ہے وہ ایسے ہونے چاہئیں کہ معتدل و درمیانی ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

خیر الامور اوسطھا

بہترین اُمور وہ ہیں جو درمیانی ہوں۔

امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نہ سخت ضرب لگائی جائے نہ نرم۔ کوڑا نہ بہت بڑا ہو نہ بہت چھوٹا۔

لکڑی سے نہ مارا جائے؛ کانٹے دار چیز سے نہ مارا جائے۔ اس میں درّہ (چابک) کافی نہیں ہے بلکہ درّہ تعزیرات میں مستعمل ہے حدود میں تو کوڑوں ہی کی مار ماری جائے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کسی کو ادب دیتے؛ ادب سکھاتے تو درّہ کے ذریعہ سکھاتے، لیکن جب حدود کا معاملہ ہوتا تو کوڑا منگوا لیتے۔ کوڑے لگواتے وقت مجرم کے سارے کپڑے نہ اتارے جائیں بلکہ اتنے اُتارے جائیں جو ضرب اور مار اور چوٹ سے روکتے ہوں۔ اندر آنتوں اور رگوں پر مار کا اثر نہ پہنچے اور جب تک سخت ضرورت پیش نہ آئے محدود ﴿یعنی جس پر حد جاری کی جارہی ہے اُس﴾ کو باندھا بھی نہ جائے اور منہ پر بھی نہ مارا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ اس کی تادیب کی جائے، اس کو قتل کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور ایسی مار ماری جائے کہ ہر عضو کو اس کا حصہ مل جائے مثلاً پیٹھ اور کندھوں اور رانوں پر مار ماری جائے۔

باب 19 (Chapter) کے مضامین

عقوبت وسزا دو قسم کی ہیں؛ ایک تو یہ کہ ایک یا چند آدمی اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کریں اور دوسری یہ کہ ایک مضبوط جماعت ہو جو اسلام کی راہ میں حائل ہو اور لڑنے، مارنے مرنے پر تُل جائیں۔ پہلی قسم میں حد ہے اور دوسری قسم میں جہاد۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے جو سزا اور عقوبت لازم آتی ہے، دو قسم کی ہے۔ ایک وہ عقوبت وسزا ہے جو مقدر اور مقرر ہے جو ایک آدمی کے لیے یا چند آدمیوں کے لیے ہوا کرتی ہے جیسا کہ پہلے اس کا بیان گزر چکا ہے۔ دوسری عقوبت وسزا وہ ہے جو ایک زبردست گروہ کے مقابلہ میں ہو جس پر قتل کے بغیر قابو حاصل نہیں ہوتا اور یہ جہاد فی سبیل للہ ہے؛ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے دشمنوں کے خلاف لڑائی ہے۔

پس جبکہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت ان تک پہنچ جائے، دین کی تبلیغ ہو جائے اور وہ اسلام قبول نہ کریں تو اس کے مقابلہ میں جہاد اور حرب وقتال فرض ہے یہاں تک کہ کوئی فتنہ دین کے بارے میں باقی نہ رہے اور دین الٰہی پھیلے اور مضبوط ہو۔

بعثت کے آغاز میں آپ ﷺ کو صرف دعوت الی الاسلام کی اجازت تھی، قتل کرنے اور مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ جب مجبور ہو کر آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو وہاں آپ ﷺ کی قوت وطاقت بڑھ گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو جہاد وقتال اور جنگ کا حکم دیا۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي

الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ (حج:39 تا 41)

جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں اب ان کو بھی ان کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے اس لیے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جو بیچارے صرف اتنی بات کہنے پر کہ ''ہمارا رب صرف اللہ ہے'' ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹواتا (دفع کرواتا) تو نصاریٰ کے صومعے (خانقاہیں) اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے اور جو اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا تو اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ زبردست غالب ہے۔ ان مومن لوگوں کو اگر حاکمِ وقت بنا کر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو اچھے ہی اچھے کام کریں گے، نماز کی پابندی کریں اور کروائیں گے، زکوٰۃ دیں گے، اچھے کام کے لیے کہیں گے اور برے کام سے منع کریں گے؛ اور سب چیزوں کا انجامِ کار تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں پر جہاد و قتال فرض کیا گیا اور یہ آیت اتری:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ:216)

مسلمانو! تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو ناگوار بھی گزرے گا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اس کے بعد مدنی سورتوں میں جہاد کی عظمت و اہمیت بیان کی اور جہاد فرض کیا گیا اور جہاد ترک کرنے والوں کی مذمت اور برائی پیش کی۔ جہاد و قتال ترک کرنے والوں کو مریض قلوب ﴿یعنی منافق کے نام﴾ سے یاد کیا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ (توبہ:24)

اے پیغمبر ﷺ! مسلمانوں سے کہو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان و قبیلے والے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہے اور وہ مکانات جن میں رہنے کو تمہارا جی چاہتا ہے اگر یہ سب چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے راستے میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ پسند ہوں تو ذرا انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب بھیج دے اور اللہ ان لوگوں کو جو اس کے حکم سے روگردانی و سرتابی کریں ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات:15)

یقیناً مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے رہے، حقیقت میں یہی سچے (ایمان والے) ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاَوْلٰى لَهُمْ ○ طَاعَةٌ وَ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ○ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ (محمد:20تا22)

پھر جب کوئی سورت نازل ہو اور اُس میں صاف طور پر جہاد کا حکم اور لڑائی کا تذکرہ ہو تو اے پیغمبر (ﷺ) جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے تم اُن کو دیکھو گے کہ وہ تمہاری

طرف ایسے دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو رہی ہو، سوان کے لیے خرابی ہے۔ رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرنی چاہیے اور سیدھی طرح پر جواب دینا چاہیے، جب لڑائی ٹھن جائے اور یہ لوگ اللہ سے سچے رہیں تو یہ بات ان کے حق میں بہتر ہے۔ (اے منافقو!) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حکمران بن جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں ناطوں کو توڑ ڈالو۔

اور اس قسم کی آیتیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں اور اسی طرح جہاد و قتال اور جہاد کرنے والے مجاہدوں کی عظمت واہمیت سورہ الصف کے اندر وارد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (صف: 10-13)

اے پیغمبر (ﷺ)! مسلمانوں سے کہو: مسلمانو! کیا میں تم کو ایسی تجارت اور سوداگری بتاؤں جو تم کو آخرت کے دردناک عذاب سے بچائے؟ وہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانیں لڑا دو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو جنت کے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں اور نیز عمدہ عمدہ مکانات میں کہ وہ مکانات ہمیشہ رہنے والے باغوں میں ہوں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے ایک اور نعمت بھی ہے جسے تم دل سے پسند کرتے ہو کہ اللہ کی طرف سے تم کو مدد ملے گی اور فتح اور اے پیغمبر (ﷺ)! مسلمانوں کو اس کی خوشخبری سنا دو۔

اور ارشاد ہے:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور ادب وحرمت والی مسجد خانہ کعبہ کو آباد رکھنے کو اس شخص جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتا ہے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے، اللہ کے نزدیک تو یہ برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے ہاں درجے میں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی ہیں جو منزلِ مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔ ان کا پروردگار ان کو اپنی مہربانی اور رضا مندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کو دائمی آسائش ملے گی اور یہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بیشک اللہ کے ہاں بہت بڑا ثواب موجود ہے۔ (توبہ:19-22)۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (مائدہ:54)

تم میں سے کوئی اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے تو اللہ ایسے لوگوں کو لا موجود کرے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ نرم، کافروں کے ساتھ نہایت سخت، اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں رکھیں گے یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً وَّلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (توبہ:121)

یہ اس لیے کہ ان جہاد کرنے والوں کو اللہ کی راہ میں پیاس، محنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے یا ایسی جگہوں پر چلتے ہیں جہاں کافروں (اور منافقوں) کو غصہ آئے یا دشمنوں کی جاسوسی کی، تو ہر ہر کام کے بدلے ان کا نیک عمل لکھا جاتا ہے بیشک اللہ خلوصِ دل سے اسلام کی خدمت کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ اور تھوڑا بہت جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو (وادیاں اور) میدان ان کو عبور کرنے پڑتے ہیں یہ سب ان کے نام (اعمالِ صالحہ میں) لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

پھر ان اعمالِ معاشرت سے جو اعمال پیدا ہوتے ہیں ان کا ذکر فرمایا اور جہاد کا حکم دیا۔ اور کتاب اللہ اور کتاب الرسول ﷺ میں بیشمار جگہوں پر جہاد کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی ذکر ہے افضل تطوع اور بہترین نفل جہاد ہے اور اسی بناء پر علماء کا متفقہ فتویٰ ہے کہ جہاد! حج عمرہ اور نفل روزوں سے بھی افضل ہے جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول ﷺ اس پر دلالت کرتی ہیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

راس الامر الاسلام و عمودہ الصلوۃ و زروۃ سنامہ الجھاد

ہر معاملہ کی بنیاد اور اصل اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اسلام کی بلندی جہاد ہے۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

ان فی الجنۃ لمأۃ درجۃ مابین الدرجۃ والدرجہ کما بین السماء والارض اعدھا اللہ للمجاہدین فی سبیلہ (متفق علیہ)

جنت میں سو درجے ہیں اور (ہر) دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ آسمان و زمین کے درمیان ہے اور یہ درجے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کر رکھے ہیں

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من اغبر قدماہ فی سبیل اللہ حرمہ علی النار (رواہ البخاری)

جس شخص کے قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوئے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

رباط یوم و لیلۃ خیر من صیام شہر و قیامہ و ان مات اجری علیہ عملہ الذی کان یعملہ و اجری علیہ رزقہ و امن الفتان (رواہ مسلم)

ایک رات دن اللہ کی راہ میں گھوڑے باندھنا ایک ماہ کے روزوں اور ایک ماہ کی شب بیداری سے بہتر ہے؛ اگر وہ اس حالت میں فوت ہو گیا تو اُسے اس کے عمل کا اجر ملتا رہے گا اور اس کا رزق بھی جاری کر دیا جائے گا اور (قبر اور آخرت کے) فتنوں سے پناہ ملے گی۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

النار عین بکت من خشیۃ اللہ و عین باتت تحرس فی سبیل اللہ

جو آنکھ اللہ کے خوف سے روئے اور جو آنکھ فی سبیل اللہ حراست (پہرہ داری) کرے اس کو دوزخ کی آگ کبھی نہ چھو سکے گی۔ (قال الترمذی حدیث حسن)۔

اور مسند احمد میں ہے:

حرس لیلۃ فی سبیل اللہ افضل من الف لیلۃ یقام لیلھا و یصام نھارھا

ایک رات اللہ کی راہ میں حراست کرنا (پہرہ دینا) ہزار راتوں کی شب بیداری اور ہزار روزوں سے بہتر ہے۔ (رواہ احمد فی سندہ)۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے:

ان رجلا قال یارسول اللہ ﷺ اخبرنی بشیء یعدل الجھاد فی سبیل اللہ قال تستطیعہ قال اخبرنی قال ھل تستطیع اذا خرج المجاھد ان تصوم لا تفطر و تقوم لا تفتر قال لا قال فذالک الذی یعدل الجھاد (متفق علیہ)

کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ مجھے ایسا عمل بتلائیں جو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس نے کہا

بتلائیں تو سہی۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ جب مجاہد جہاد کے لیے نکلے تو تم روزے رکھنا شروع کرو اور کسی بھی دن روزہ نہ چھوڑو اور رات کو تہجد پڑھو اور کبھی ناغہ نہ کرو؟ اس نے کہا نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا یہ عبادت جہاد کے برابر ہو سکتی ہے۔

اور سنن میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان لکل امت سیاحة و سیاحة امتی الجِاد فی سبیل اللّٰہ

ہر اُمت کی سیر و سیاحت ہوتی ہے جبکہ میری اُمت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے

یہ بات بہت وسیع ہے؛ حقیقتِ جہاد، اعمالِ جہاد اور اس کے اجر و ثواب اور فضیلت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔غور و فکر کیا جائے تو یہ ظاہر ہے کیونکہ جہاد کا نفع مجاہد اور دوسروں کے لیے دین و دنیا میں عام ہے اور ہمہ قسم کی عبادات و طاعاتِ ظاہرہ و باطنہ پر مشتمل ہے اس لیے کہ جہاد محبت الٰہی، اخلاص اور توکل علی اللہ پر مشتمل ہے۔مجاہد اپنی جان و مال اللہ کے حوالے کر دیتا ہے؛ صبر و زہد، ذکر الٰہی اور ہمہ قسم کے اعمال اس کے اندر شامل ہیں۔جہاد کے علاوہ دوسرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جس میں یہ تمام اعمال شامل ہوں۔

جو شخص اور جو اُمت جہاد کرتی ہے وہ دو قسم کی نیکیوں سے ہمیشہ بہرہ ور ہوتی ہے ایک تو نصرتِ الٰہی، فتح و ظفر یا شہادت پا کر جنت حاصل کر لے اور دوسرا یہ کہ خلق اللہ کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔جہاد میں دین و دنیا کی سعادت ہے اور زندگی اور موت کا مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ ترکِ جہاد سے دنیا و آخرت کی سعادت سے یکسر محروم ہو جاتا ہے یا ان میں نقصان پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ شدید قسم کی ریاضت کرتے ہیں، دین و دنیا کے لیے اعمالِ شاقہ برداشت کرتے ہیں، باوجود اس کے ان سے منفعت بہت کم حاصل ہوتی ہے جبکہ جہاد ایک ایسا عمل ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ نفع ہے اور اعمال شاقہ (انتہائی سخت عمل) سے کہیں زیادہ اس میں منفعت ہے۔کبھی کبھی انسان اپنی ترقی اور اصلاح کے لیے ایسے اعمالِ شاقہ کر گذرتا ہے کہ موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن شہید کی موت ہمہ قسم کی اموات سے آسان اور سب سے بہتر ہے۔ ❀ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت کی موت عطا فرمائے آمین ❀ (ابوعبداللہ)۔

حرب وقتال اور جنگ کا اصل مقصد مشروعِ جہاد ہے اور جہاد کا مقصودِ اصلی یہ ہے کہ دین کل کا کل اللہ کا ہو جائے اور کلمہ الٰہی بلند ہو۔ لہٰذا جو شخص اس جہاد سے روکے، اس سے منع کرے یا اس میں مزاحمت پیدا کرے تو تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ جو لوگ منع نہیں کرتے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ وقتال نہیں کرتے، جو کسی طرح جہاد میں مزاحم نہیں ہیں جیسے کہ عورتیں، بچے، راہب، شیخ کبیر، بوڑھے، اندھے، لولے لنگڑے اور اپاہج وغیرہ تو جمہور ﴿علماء﴾ کا یہ فتویٰ ہے کہ ایسے لوگوں کو قتل نہ کیا جائے؛ انہی لوگوں کو قتل کرنا واجب ہے جو قول وفعل سے مسلمانوں کے خلاف حرب وقتال اور جنگ کرتے ہیں۔ گو بعض ﴿علماء﴾ سب کو قتل کرنا مباح کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ کافر ہیں اس لیے قتل کر دیا جائے۔ ہاں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے روکتے ہیں کیونکہ یہ تو مسلمانوں کا مال ہے۔ پہلا قول صحیح اور صواب ہے کیونکہ جہاد یہی ہے اور اسی کا نام ہے کہ جب ہم دین کی دعوت پیش کریں، دین کی اشاعت کریں، دینِ حق کو پھیلانا چاہیں تو وہ آگے سے ہم سے لڑیں ہم کو روکیں اور تبلیغ واشاعت کی راہ میں مزاحمت کریں؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ

اور مسلمانو! جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو اور زیادتی نہ کرنا؛ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرۃ:190)

اور سنن میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک جگہ کچھ لوگوں کو جمع پایا اور ایک مقتولہ عورت کو دیکھا؛ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا:

ما كانت هذه لتقاتل — یہ عورت تو کسی کو قتل نہیں کرتی تھی۔

اور آپ ﷺ نے ایک شخص سے کہا:

الحق خالدا فقل له لا تقتلوا ذرية ولا عسيفا

جاؤ جا کر خالد ﴿بن ولید رضی اللہ عنہ﴾ سے کہو کہ چھوٹی اولاد، محنت مزدوری کرنے والے، بے ضرر غلاموں اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔

اور اسی سنن میں ہے؛ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا صغیرا ولا امرأة

شیخ فانی کو قتل نہ کرو، اور نہ چھوٹے بچوں کو قتل کرو نہ عورتوں کو۔

اور یہ اس لیے کہ قتال و جہاد مخلوق کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لیے مباح کیا گیا ہے۔ قتل کی اجازت اس لیے دی گئی ہے کہ اس سے فلاح و بہبود متصور ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والفتنة اکبر من القتل اور فتنہ قتل سے بھی بہت بڑا شر ہے۔

یعنی قتل کرنا بھی شر اور فساد ہے۔ تو گویا کسی کو قتل کرنا بھی شر و فساد ہے مگر کفار کا شر و فساد اس سے بھی بڑھ کر ہے اور بہت بڑا فتنہ ہے۔ پس جو شخص دین کی اشاعت، دین کی اقامت سے منع نہیں کرتا؛ ان ﴿مجاہدین﴾ کی مزاحمت نہیں کرتا تو اس کا کفر اسی کے لیے مضر ہے نہ کہ مسلمانوں کے لیے۔ اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ ایسی بدعات کی دعوت دینا اور اس کی نشر و اشاعت کرنا جو کتاب اللہ اور کتاب الرسول ﷺ کے خلاف ہے، سراسر دین کی توہین ہے اور دعوت دینے والے اور اس کی نشر و اشاعت کرنے والے کو عقوبت و سزا دی جائے، خاموش رہنے والے کو وہ عقوبت و سزا نہ دی جائے۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

ان الخطیئة اذا اخفیت لم تضر الا صاحبِا ولکن اذا ظِہرت فلم ضرت العامة

جب خفیہ طور پر گناہ کیا جائے تو گناہ کرنے والے ہی کو نقصان کرتا ہے لیکن جب کھلے طور پر ﴿گناہ﴾ کیا جائے اور اس سے روکا نہ جائے تو عام لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

اسی لیے شریعت نے کفار سے قتال و جنگ واجب کیا ہے لیکن جو معذور اور بے بس ہیں ان سے قتال اور جنگ واجب نہیں کیا بلکہ اگر کوئی خفیہ طور پر قتال وغیرہ کا مشورہ دیتا ہے یا کشتی اور جہاز کی راہ بتلاتا ہے یا یہ کہ مسلمانوں کو غلط راستہ بتلاتا ہے یا اور کسی قسم کا کام کرتا ہے یا حیلہ بتلاتا ہے تو امام والی حاکم ﴿گورنر اور حکمران﴾ کا فرض ہے کہ اصلح طریقہ اختیار کرے اور سوچ سمجھ کر اس سے بچنے کی کوشش کرے۔ اسے اس کام سے دور رہنے کی ہدایت کرے یا قتل کر دے یا احسان کر کے چھوڑ دے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے یا جان کی ضمانت لے کر اسے رہا کر دے۔ جو بہتر معلوم ہو وہ کرے۔ اکثر فقہاء کا یہی قول ہے اور کتاب و سنت بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں اگرچہ بعض فقہاء اس پر احسان کرنے اور فدیہ لے

کر چھوڑ دینے کو منسوخ مانتے ہیں۔

رہا اہل کتاب اور مجوسیوں کا مسئلہ تو ان سے قتال و جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں؛ ان کے سوا دوسرے لوگوں سے جزیہ لینے میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے، مگر عام فقہاء عربوں سے جزیہ نہیں لیتے۔

جو طائفہ جو گروہ اس کی نسبت اسلام کی طرف ہوتی ہے اور مسلمان کہلاتے ہیں لیکن بعض شرائع ﴿یعنی شرعی قوانین﴾ سے وہ حذر ﴿واحتراز﴾ کرتے ہیں یا منع کرتے ہیں اور وہ شرائع ﴿قوانین﴾ ایسے ہیں جو ظاہر اور متواتر ہیں تو ان سے جہاد کرنا واجب ہے؛ اس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد وقتال کرنا فرض ہے یہاں تک کہ اللہ کا دین کل کا کل پھیل جائے جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ''زکوۃ'' نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا۔

گو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابتدا میں اس سے اختلاف کیا لیکن بعد میں وہ بھی اس سے متفق ہو گئے مثلاً امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

کیف تقاتل الناس و قد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ فاذا قالوھا فقد عصموا منی دمائھم و اموالھم الا بحقھا و حسابھم علی اللہ

تم ان ﴿زکوۃ کے منکر﴾ لوگوں سے جہاد وقتال کیسے کر سکتے ہو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ اس وقت تک کروں کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ یہ شہادت دے دیں تو اپنی جان و مال بچالیں گے مگر کسی حق کے ساتھ؛ اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا:

فَاِنَّ الزَّکَاتَ مِنْ حَقِّھَا وَاللّٰہِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عَنَاتًا کَانُوْا یُؤَدُّوْنَھَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم نَقَاتِلْتُھُمْ عَلٰی مَنْعِھَا

زکوۃ اس کلمہ کا حق ہے، اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ اس کا وہ ٹکڑا بھی مجھے دینے سے انکار کریں

گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے قتال و جنگ کروں گا۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بعد میں کہا کرتے تھے: یقیناً اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قتال و جنگ کے لیے شرح صدر فرما دیا تھا﴿یعنی سینہ کھول دیا تھا﴾ اور اب میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ یہ حق پر ہیں۔

اور نبی کریم ﷺ سے مختلف بہت سے طریقوں سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے خوارج کے خلاف جہاد و جنگ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؛ آپ ﷺ فرماتے تھے:

سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي اٰخِرِ الزَّمَانِ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ اِيْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَاَيْنَمَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَاِنَّ فِيْ قَتْلِهِمْ اَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

آخر زمانے میں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو جوان ہوں گے اور بیوقوف ہوں گے، وہ خیر البریہ (اُمت کی خیر خواہی) کا قول پیش کریں گے لیکن ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین ان سے ایسے نکل جائے گا جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے، پس جہاں تم ان کو پاؤ قتل کر دو۔ ان کے قتل کرنے سے قیامت کے دن تمہیں اجر و ثواب ملے گا۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے:

يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ اُمَّتِيْ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَيْسَ قِرَاءَ تُكُمْ اِلٰى قِرَاءَتِهِمْ بِشَيْءٍ وَلَا صِيَامُكُمْ اِلٰى صِيَامِهِمْ بِشَيْءٍ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَحْسَبُوْنَهُ اَنَّهُ لَهُمْ وَهُوَ عَلَيْهِمْ لَا تُجَاوِزُ قِرَاءَ تُهُمْ تَرَا قِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ مِنَ الرَّمِيَّةِ

میری اُمت میں سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو قرآن پڑھتی رہے گی لیکن ان کی قراءت کے مقابلہ میں تمہاری قراءت کی کوئی چیز نہیں اور نہ ان کی نماز کے مقابلہ میں تمہاری نماز کی کوئی

حیثیت ہے اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں تمہارے روزں کوئی حیثیت نہیں، قرآن پڑھیں گے اور خیال کریں گے قرآن ان کے لیے دلیل ہے حالانکہ قرآن ان کے خلاف ہوگا، ان کی قرأت ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گی۔ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔

تو اگروہ جیش اور لشکر جن تک رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ پہنچے کہ رسول اللہ کی زبان اقدس نے یہ فیصلہ کیا ہے، تو یقیناً اس پر عمل کریں گے۔

اور سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اوپر والی حدیث میں یہ جملے بھی روایت کئے ہیں:

يَقْتُلُوْنَ اَهْلَ الْاِيْمَانِ وَيَدْعُوْنَ اَهْلَ الْاَوْثَانِ لَئِنْ اَدْرَكْتُهُمْ لَاَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ (بخاری ومسلم)۔

وہ اہل ایمان والوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو دعوت دیں گے۔ اگر میں (ﷺ) ان کو پاؤں گا تو قوم عاد کی طرح انہیں قتل کروں گا۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت ہے:

تَكُوْنُ اُمَّتِيْ فِرْقَتَيْنِ فَتَخْرُجُ مِنْ بَيْنِهِمَا مَارِقَةٌ يَلِيْ قَتْلَهُمْ اَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ

میری اُمت دو فرقوں میں بٹ جائے گی، ان دونوں میں سے بے دین لوگ کھڑے ہو جائیں گے تو جو لوگ حق پر ہوں گے وہ ان کو قتل کریں گے۔

یہ وہی لوگ تھے جن سے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی تھی جبکہ عراقی لوگوں میں اور شام کے لوگوں میں تفرقہ بازی ہوئی تھی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا نام حروریہ رکھا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دونوں گروہ آپ کی اُمت سے علیحدہ ہیں اور اصحابِ علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں۔ آپ ﷺ نے ان مارقین، بے دینوں کے سوا کسی سے جنگ کرنے کی تحریص و تحریک نہیں فرمائی بلکہ انہی لوگوں کے مقابلہ میں جنگ و قتال کا حکم فرمایا جو اسلام سے خارج ہو گئے تھے، اور جماعت اسلام کو ترک کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں کا خون اور مال اپنے لیے حلال و مباح کر لیا تھا۔

پس کتاب و سنت اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہو گیا کہ اس جماعت سے قتال و جنگ کی جائے جو

شریعت اسلام سے خارج ہوں۔ اگرچہ وہ کلمہ شہادت یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کا زبان سے اقرار کریں۔

فقہاء کہتے ہیں اگر کوئی زبردست گروہ سنت کی مزاحمت کرے اور اسے ترک کرنے پر کمر بستہ ہو جائے مثلاً فجر کی دو سنتوں کا انکار کرے تو دونوں قول کے مطابق ان سے قتال و جنگ کی جائے۔ اور اگر واجبات اور محرمات ظاہرہ وثابتہ ومشہورہ سے انکار کرے تو بالاتفاق ان سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزوں اور حج بیت اللہ کا التزام کرلیں اور محرمات مثلاً بہنوں وغیرہ سے نکاح کرنے، خبیث چیزوں کے کھانے اور مسلمانوں پر حکومت کرنے سے باز آجائیں، ایسے لوگوں سے قتال و جنگ واجب ہے۔ اور قتال و جنگ اس وقت واجب ہے جبکہ دعوتِ نبوی ﷺ ان تک پہنچ جائے۔

لیکن جب مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ لوگ جنگ کرنے کی ابتداء کریں تو اس وقت ان کا مقابلہ کرنا اور ان سے قتال و جنگ ضروری ہو جاتی ہے۔ عام فرض ہے کہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں اور ڈٹ کر ان کا مقابلہ کریں اور اس طرح مقابلہ کریں جس طرح کہ مسلمانوں پر زیادتی کرنے والوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے مثلاً قطاع الطریق ﴿ڈاکو، راہزن، دہشتگرد﴾ وغیرہ۔ اور ان سے بھی زیادہ ضروری اور واجب ہے کہ کفار اور ایسی جماعت جن سے لڑائی نہ کی جائے جو بعض شرائع الٰہیہ ﴿شرعی قوانین﴾ سے مزاحمت کریں؛ جنگ وقتال واجب ہے مثلاً زکوۃ نہ دینا اور خوارج کا فتنہ وغیرہ؛ تو ان سے مقابلہ اور قتال و جنگ کرنا واجب ہے۔

ابتداء جنگ میں مدافعانہ جنگ کی جائے اور یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر بعض مسلمان جنگ وقتال میں حصہ لیں گے تو باقی مسلمانوں سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا، اگرچہ فضیلت اسی میں ہے کہ اس جنگ میں شرکت کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِى الضَّرَرِ (نساء ع13)

جن مسلمانوں کو کسی طرح کی معذوری نہیں اور وہ جہاد سے بیٹھ رہے، ان کی شرکت کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی، یہ لوگ درجے میں برابر نہیں ہو سکتے۔

لیکن اگر دشمن کا ارادہ مسلمانوں کے خلاف جنگ وقتال کا ہے، اور ہجوم کر کے چڑھ دوڑے ہیں تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کی مدافعت کریں۔ مدافعت ان پر فرض ہو جاتی ہے جن پر حملہ کیا گیا ہے، ان پر فرض اس لیے ہے کہ ان پر حملہ ہوا ہے۔ اور دوسرے مسلمانوں پر اس لیے کہ اہل اسلام کی اعانت وامداد فرض ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ (الانفال:72)۔

ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے مدد کے طالب ہوں تو تمہیں ان کی مدد کرنا لازم ہے، مگر اس کے مقابلے میں نہیں کہ تم میں اور ان میں صلح کا معاہدہ ہو۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُ يَنْصُرُ الْمُسْلِمَ

مسلمان، مسلمان کی امداد کریں۔

مسلمانوں کی امداد ضروری ہے، اس میں ان کو روزینہ ملے یا نہ ملے، اگر چہ روزینہ دینا بہتر ہے۔ تمام مسلمان اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جان و مال سے اعانت وامداد کریں۔ اور یہ اعانت وامداد ان پر فرض ہے، جس قسم کی سہولت ہو، قلیل یا کثیر، پیادہ جائے یا سواری پر۔ بہرحال اعانت وامداد فرض ہے، جیسے کہ غزوۂ خندق کے وقت کہ جب کفار نے حملہ کیا تو سب مسلمانوں پر حسبِ امکان جہاد فرض ہو گیا تھا۔ کسی ایک کو بھی اس جہاد کے ترک کرنے کی اجازت نہیں تھی جیسی کہ ترکِ جہاد کی اجازت ابتداء میں تھی کہ دشمنوں کی طلب میں نکلیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک گھروں میں رہنے والے اور دوسرے اللہ کی راہ میں لڑائی کے لیے نکلنے والے۔ نہ لڑنے والے اور لڑنے والے، بلکہ اس وقت بھی جن لوگوں نے عذر پیش کر کے رسول اللہ ﷺ سے نہ جانے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔

يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (احزاب ع:13)

پیغمبر (ﷺ) سے گھر لوٹ جانے کی اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے گھر غیر

محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں بلکہ ان کا ارادہ تو صرف بھاگنے ہی کا ہے۔

یہ جہاد، قتال و جنگ! دین اور حرمت و عزت اور جانوں کی مدافعت کے لیے ہے۔ اور یہ اضطراری اور مجبوری کے سبب سے لڑنا پڑتی ہے۔ اور وہ قتال و جنگ اختیاری ہے۔ دین وملت کی زیادتی اور اضافہ اور اعلاء کلمۂ دین اور دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھنا مقصود ہے کہ دشمن کسی وقت بھی سر اونچا نہ کریں جیسے غزوۂ تبوک وغیرہ۔

تو یہ عقوبت وسزا اس جماعت سے جن سے لڑائی نہ کی جائے اور طاقتور گروہ کے مقابلہ کے لیے ہے لیکن اگر اس جماعت جس سے لڑائی نہ کی جائے اور طاقتور نہیں ہے، اِکّا دُکّا واقعہ ہے تو اس کے لیے یہ عقوبت وسزا نہیں ہے، جیسے کہ اسلامی آبادیوں میں ہوتا رہتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے امیر و حاکم کا فرض ہے کہ انہیں فرائض، واجبات، سنن و مستحبات کا پابند بنائے، اور اسلامی کی بنیادی تعلیمات، ضروریاتِ دین، اصولِ اسلام پر عمل کرائے۔ اور اس کے لیے مجبور کیا جائے۔ اور معاملات کے بارے میں ادائے امانت، وفاء عہد، ایفاء وعدہ پر مجبور کیا جائے۔

پس جو لوگ نماز ترک کر دیں اور عورتیں عموماً بے نمازی ہوں تو انہیں حکم دیا جائے کہ وہ نماز پڑھیں۔ جو نماز نہ پڑھے اُسے عقوبت وسزا دی جائے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگ جائیں اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ ایسے بے نمازی کو قتل کر دیا جائے۔ پہلے ایسے بے نمازیوں کو توبہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ اور حکم دے کہ نماز پڑھا کریں۔ اگر توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگ جائیں تو بہتر ورنہ قتل کر دیئے جائیں۔

اب انہیں قتل کیا جائے تو کس گناہ کی بنا پر؟ آیا وہ نماز نہ پڑھنے سے کافر ہو جاتے ہیں اس لئے؟ یا مرتد یا فاسق ہو جاتے ہیں اس لئے؟ تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ کے مذہب کی رو سے دو قول مشہور ہیں۔ ایک قول کی رو سے وہ کافر ہو جاتے ہیں اس لیے قتل کیے جائیں۔ دوسرے قول کے مطابق وہ فاسق ہیں اس لئے۔ اور اکثر سلف سے جو منقول ہے وہ اسی کے حامی ہیں کہ وہ کافر ہو جاتے ہیں، اس لیے ان کا قتل کرنا واجب ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ وہ فرض و وجوب کا اقرار کریں اور نماز نہ پڑھیں۔ لیکن ایسا شخص کہ نماز کے فرض و وجوب کا انکار کرتا ہے تو وہ بالاتفاق کافر ہے بلکہ چھوٹے بچوں

کے والیوں پر واجب ہے کہ اپنے چھوٹے بچوں کو جبکہ وہ سات سال کے ہو جائیں نماز پڑھنے کا حکم کریں۔ جب دس سال کے ہو جائیں تو مار مار کر نماز پڑھائیں ۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا حکم ہے:

مُرُوْهُمْ بِالصَّلٰوةِ بِسَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا بِعَشْرٍ وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ

بچے جب سات برس کے ہوں تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔ اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر مارا کرو۔ اور ان کو علیحدہ سلاؤ۔

اسی طرح بچوں کو ضروریاتِ نماز، طہارتِ واجبہ سکھانا بھی ضروری ہے اور ضروریاتِ نماز میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں۔ مسلمانوں کی مسجدیں آباد کریں۔ ان کے امام وغیرہ مقرر کریں اور انہیں حکم کریں کہ رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھا کریں۔ اور ایسی نماز پڑھائیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ (رواہ البخاری)

تم ایسی نماز پڑھو جیسی میں پڑھا کرتا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر منبر کی ایک جانب نماز پڑھائی اور پھر فرمایا:

اِنَّمَا فَعَلْتُ هٰذَا لِتَأْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعْلَمُوْا صَلَاتِيْ

میں نے یہ اس لیے کیا کہ تم میری اقتداء کرو اور تم میری نماز سیکھ لو۔

اور حکمران پر فرض ہے کہ نماز وغیرہ پر پوری نظر رکھے کہ ان کی نماز میں کسی قسم کا نقصان مقصود نہ ہو بلکہ حکمران پر لازم ہے کہ نماز کامل طور پر پڑھائے، جیسے منفرد پڑھتا ہے؛ اس طرح نہ پڑھائے کہ منفرد بوجہ عذر اقتصار بھی کر سکتا ہے۔ امام کا فرض ہے کہ وہ نمازیوں کی تمام ضروریات پر نگاہ رکھے۔

یہی حکم امام حج کا ہے کہ تمام حاجیوں کی ضروریات پر نظر رکھے اور انہیں حج کی ضروریات سکھائے۔ سپہ سالارِ لشکر کے لیے ضروری ہے کہ وہ لشکریوں پر پوری پوری نگاہ رکھے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وکیل اور ولی ﴿یعنی مختار﴾ بیع وشراء (خرید و فروخت) پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے مؤکل اور ولی بنانے والے ﴿یعنی چیز کے مالک﴾ کے مال کی نگرانی اور اس میں تصرف کس طرح کرتا ہے۔ اور جو اصلح ﴿و احسن﴾ طریقہ ہوتا ہے وہ اختیار کرتا ہے؛ یہاں تک کہ اپنا مال ﴿اور کمیشن وغیرہ﴾ بھی کچھ ضائع ہو جائے تو پرواہ نہیں کرتا لیکن اس ﴿مالک﴾ کے مال کی حفاظت کرتا ہے۔ تو یہ دین کا معاملہ ہے جو

نہایت اہم ہے۔اور اس معنی کی وضاحت فقہاء نے کی ہے۔ جب والیان امر ﴿ مثلاً: وزیر داخلہ، وزیر خارجہ، وزیر خزانہ، چیف جسٹس، آئی جی پولیس، چیف آف آرمی، نیوی اور ائیر اسٹاف، صوبائی گورنرز، گورنر بینک دولت، وزراء اعلیٰ اور محکمہ جاتی وزراء، ہائی کورٹس کے چیف جسٹس، ماتحت عدالتوں کے جج اور جج ریڈرز، ڈی سی۔ اے سی، مجسٹریٹ، کمشنر، کسٹم حکام اور ٹیکس افسران، ناظمین اور ناظمین اعلیٰ، کونسلرز وغیرہ وغیرہ ﴾، والیان ملک ﴿ حاکم وقت ﴾ لوگوں کے دین کی اصلاح کریں گے تو دونوں گروہ کا دین اور دنیا درست ہو جائے گا۔ امیر و والی اور رعایا دونوں فلاح و بہبود کو پہنچیں گے۔ ورنہ معاملہ گڑ بڑ ہو جائے گا، اور ان کو حکومت کرنا دشوار ہو جائے گی۔

اور ان تمام باتوں کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ رعیت کے لیے حسن نیت اور دین کے لیے اخلاص درکار ہے کہ اللہ کا دین ترقی کرے۔ اور وہ اللہ پر توکل و بھروسہ رکھے کیونکہ اخلاص و توکل ہی دو چیزیں ایسی ہیں جن پر خواص و عوام کی صلاح و بہبود موقوف ہے جیسا کہ ہمیں حکم ہوا ہے کہ ہم اپنی نماز میں یہ پڑھا کریں:

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ (الفاتحہ:4)

ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

ان کلموں کے متعلق کہا گیا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ اور نچوڑ ان جملوں میں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

مَالِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ○ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ (الفاتحہ 3-4)

روز جزا کا حاکم ہے۔ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

''پڑھتے ہیں تو لوگوں کے سر اپنے کندھوں پر ہل جاتے ہیں''۔

اور اللہ نے قرآن میں بہت سی جگہ اس معنی کو ادا کیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

فَاعۡبُدۡهُ وَ تَوَكَّلۡ عَلَيۡهِ (ہود:123)

آپ ﷺ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔

اور فرمایا:

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

میں تو اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

جب نبی کریم ﷺ اپنے اضحیہ ﴿یعنی قربانی کے جانور﴾ کو ذبح کرتے تو فرماتے:

اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَ اِلَيْكَ

اے اللہ! یہ تیری جانب سے اور تیرے ہی لیے ہے۔

سب سے زیادہ، سب سے بڑی اعانت و امداد، جو ولی الامر اور حاکم ﴿وقت﴾ اور رعایا کو ملتی ہے وہ ان تین اُمور سے ملتی ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص، اسی رب پر توکل اور اُسی احکم الحاکمین سے دعا۔ اور اس کی محافظت نماز میں قلب و جسم کی محافظت سے ہوتی ہے۔

دوسرا یہ کہ مخلوق پر احسان کہ وہ (یعنی ولی الامر/ حاکم یا قائد) اپنے مال سے لوگوں کو نفع پہنچائے، اور وہ زکوٰۃ و صدقات اور خیرات ہے جس سے نفع پہنچایا جا سکتا ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ مخلوق کی ایذاء اور تکلیف پر صبر کرے۔ صبر سے کام لے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نماز اور صبر کو جمع کر دیا ہے، فرماتا ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ — اور صبر اور نماز کا سہارا پکڑو۔ (البقرۃ:45)

اور فرماتا ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ٥ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ٥

اور دن کے دونوں سرے صبح و شام اور اوائل شب نماز پڑھا کرو، کیونکہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ جو لوگ ذکر کرنے والے ہیں، ان کے حق میں یہ یاددہانی ہے۔ اور عبادت کی تکلیف برداشت کرو کیونکہ اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔

اور فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا

تو جیسی باتیں یہ کرتے ہیں، ان پر صبر کرو اور آفتاب نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔(طٰہٰ:130)۔

اور فرماتا ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُوْنَ ٥ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ ٥(حجر:97-98)

اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ کافر کس کس طرح کی باتیں کہتے ہیں، ان کی وجہ سے تم تنگ ہوتے ہو۔ تو تم اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اور اس کی جناب میں سجدے کرو۔

اور نماز اور زکوٰۃ کو ایک ساتھ قرآن مجید میں بہت سی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ نماز، زکوٰۃ اور صبر سے حکمران اور رعایا، امیر و غریب دونوں کی اصلاح ہوتی ہے؛ جب ایک انسان اس معنی کو سمجھ لے، اور سمجھ کر نماز پڑھے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جائے، دعا کرے، اللہ کے قرآن کی تلاوت کرے اور اخلاصِ دین اور توکل علی اللہ کے ساتھ نماز پڑھے اور زکوٰۃ و صدقات کے ذریعہ اللہ کی مخلوق پر احسان کرے، مظلوم کی نصرت و امداد کرے، غریب مصیبت زدہ لوگوں کی اعانت کرے، اور محتاجوں کی حاجتیں پوری کرے۔ صحیحین میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ

ہر اچھی بات صدقہ ہے۔

معروف میں ہر قسم کا احسان داخل ہے۔ خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ کلمہ طیبہ، اچھی بات کہنا ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ صحیحین میں سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَ وَبَيْنَهُ حَاجِبٌ وَلَا تَرْجُمَانٌ فَيَنْظُرَ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ وَ يَنْظُرَ اَشْاَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ فَيَنْظُرُ اَمَامَهُ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَّقِيَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ

تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے بات چیت کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس (بندے) کے

درمیان نہ کوئی پردہ ہوگا نہ ترجمان۔ یہ اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو اسے وہی عمل نظر آئے گا جو اس نے پہلے بھیجا ہے اور بائیں جانب دیکھے گا تو وہ عمل نظر آئے گی جو اس نے پہلے بھیجا ہے۔ آگے دیکھے گا تو اسے آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پس جو شخص تم میں سے چاہے کہ آگ سے بچ جائے تو صدقہ وخیرات کرے، اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی یہ بھی نہ پائے تو اچھی بات کرے اور جہنم کی آگ اپنے اوپر ٹھنڈی کروالے۔

اور سنن کے اندر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ وَ وَجْهُكَ اِلَيْهِ مُنْبَسِطٌ وَلَوْ اَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ الْمُسْتَسْقِيْ

تم چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر مت سمجھو۔ اگرچہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرو، اور اگرچہ تم اپنے ڈول سے پانی پینے والے کے برتن میں پانی ڈال دو (تو ضرور کرو)۔

اور سنن کے اندر رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے:

اِنَّ اَثْقَلَ مَا يُوْضَعُ فِي الْمِيْزَانِ اَلْخُلُقُ الْحَسَنُ

بھاری سے بھاری، وزنی چیز جو میزان میں رکھی جائے گی، اچھے اخلاق ہوں گے۔

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، آپ نے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يَا اُمَّ سَلَمَةَ ذَهَبَ حُسْنُ الْخُلُقِ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

اے اُمّ سلمہ: حسن خلق دنیا اور آخرت کی بھلائی ساتھ لے گیا۔

صبر میں لوگوں کی تکالیف وایذا برداشت کرنا، غصہ کو پی جانا، لوگوں کو معاف کر دینا، اور خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرنا، شر اور فخر وغرور ترک کرنا وغیرہ داخل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ O وَلَئِنْ اَذَقْنَاهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ O اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُوْلٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ (ھود:9-10)

اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی سے نوازیں پھر اس کو اس سے چھین لیں تو وہ نا اُمید ہو جانے والا ناشکرا ہے۔ اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہو، اور اس کے بعد ہم اس کو آرام چکھائیں تو کہنے لگتا ہے کہ مجھ سے سب سختیاں دور ہو گئیں کیونکہ وہ بہت ہی خوش ہو جانے والا شیخی خور ہے۔ مگر جو لوگ صبر اور نیک عمل کرتے ہیں، یہی ہیں جن کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے۔

ور اپنے پیغمبر ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی، برائی کو اچھے طریقے سے دُور کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو، تو تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے گویا وہ گرمجوش دوست ہو جائے گا۔ اور حسن معاملات کی توفیق ان ہی کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ ان ہی کو دی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں اور اگر تم کو کسی طرح کا شیطانی وسوسہ گدگدائے تو اللہ سے پناہ مانگ لیا کرو کہ وہی سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ (حم سجدہ:34-36)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ

اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، اس پر جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الشوریٰ:40)۔

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

اذا کان یوم القیامة نادی مناد من بطنان العرش الا لیقم من وجب اجره علی الله فلا یقوم الا من عفا و اصلح

قیامت کے دن عرش کے نیچے سے فرشتے پکاریں گے کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جن کا اجر و ثواب واجب ہو گیا ہے تو کوئی کھڑا نہ ہو گا سوائے اس کے کہ جس نے (دنیا میں)

معاف کیا اور اصلاح کی۔

رعایا کے ساتھ نیک نیتی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کیساتھ وہ احسان کیا جائے جو ان کی خواہش ہو اور وہ چھوڑ دیا جائے جس کو وہ مکروہ سمجھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ (مومنون:71)

اور اگر حق ان کی خواہش کے مطابق ہوا کرتا تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے درہم برہم ہو گیا ہوتا۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ خطاب کرتا ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (الحجرات:7)

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہیں؛ بہت سی باتیں (ایسی) ہیں کہ اگر وہ ان میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو تم ہی پر مشکل پڑ جائے۔

احسان یہ ہے کہ دین و دنیا میں جو ان کے لیے مفید ہو وہ کیا جائے اگر چہ وہ اسے مکروہ اور برا ہی کیوں نہ سمجھیں، لیکن امیر و والی ﴿یعنی حاکمِ وقت﴾ کا فرض ہے کہ جسے وہ مکروہ سمجھتے ہوں اور ان کے لیے مفید ہے تو رفق و نرمی کا سلوک کر کے ان کو منوائے جیسا کہ صحیحین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما كان الرفق في شيء الا زانه ولا كان العنف في شيء الا شانه

جب کسی چیز میں نرمی و آسانی کی جائے تو وہ خیر و برکت لاتی ہے، اور جب کسی چیز میں سختی کی جائے تو وہ برائی لاتی ہے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله رفيق يحب الرفق و يعطي على الرفق مال ايعطي على العنف

بیشک اللہ تعالیٰ بُردبار ہے، بُردباری اور نرمی پسند فرماتا ہے، اور بُردباری و نرمی کرنے والے کو وہ کچھ دیتا ہے جو ترش رو ﴿اکھڑ مزاج﴾ کو نہیں دیتا۔

اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں ارادہ کرتا ہوں کہ ان کو ایک مرتبہ حق نکال دوں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ وہ اس سے نفرت کریں گے تو میں صبر کرجاتا ہوں یہاں تک کہ میٹھی دنیا میرے پاس آجائے تو میں ان کو ساتھ ہی ساتھ ان کا حق دے دوں اگر اس سے نفرت کریں تو دوسری چیز سے ان کو سکون واطمینان حاصل ہوجائے۔

یہی حال رسول اللہ ﷺ کا تھا کہ جب کوئی شخص حاجت لے کر آتا تو اس کی حاجت پوری فرمادیتے، یا آسان، خوش کن جواب دے دیتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے قرابتدار نے متولی اوقاف بننے کی خواہش کی اور کہا اس میں کچھ روزینہ مقرر کردیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ان الصدقة لا تحل لمحمد ولا لال محمد

صدقہ محمد (ﷺ) اور ان کی آل کے لیے حلال نہیں ہے۔

اور آپ ﷺ نے صدقہ سے بالکل منع فرمادیا اور فیئے کے مال میں سے کچھ دے دیا۔ ایک مرتبہ سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی کی پرورش کے لیے تین دعویدار کھڑے ہوگئے، سیدنا علی، سیدنا زید اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہم۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنا رشتہ بتا کر کہا کہ حقِ پرورش مجھے پہنچتا ہے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے اپنا رشتہ بتا کر کہا کہ حقِ پرورش مجھے پہنچتا ہے اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنا رشتہ بتا کر کہا کہ حقِ پرورش مجھے حاصل ہے لیکن آپ ﷺ نے کسی کے حق میں بھی فیصلہ نہیں دیا اور لڑکی کی خالہ کو دے دیا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اور ہر ایک کو کلمہ حسنہ (اچھی باتوں) سے خوش کردیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

انت منی و انا منك تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا:

اشبهت خلقی و خلقی تم میرے خَلق ﴿شکل وشباہت﴾ اور اخلاق کے مشابہ ہو۔

اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے کہا:

انت اخونا و مولینا تم ہمارے بھائی ہو ہمارے مولیٰ (معزز) ہو۔

ولی الامر ﴿وزیر خزانہ﴾ اور حاکم ﴿وقت﴾ کو تقسیم مال اور دوسرے احکام دینے میں ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ لوگ ہمیشہ ولی الامر اور حاکم سے ایسی ایسی چیزیں مانگتے رہتے ہیں جو ان کو نہیں دی جا

سکتیں مثلاً ولایت ﴿افسری﴾ وحکومت ﴿یعنی گورنری﴾، مال یا منافع مال اور حدود وغیرہ میں سفارش وغیرہ پورا کرنا۔ اور یہ سوال ان کا پورا نہیں کیا جا سکتا تو ان کو دوسرے طریقہ سے دوسری چیز دے کر خوش رکھنا چاہیے اور غفلت وسختی نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ اس کی ضرورت نہ ہو کیونکہ سائل کے سوال کو مسترد کرنا، اُسے سخت تکلیف دہ ہوتا ہے خصوصاً ایسے لوگ کہ جن کی تالیفِ قلوب ضروری ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ اور نہ سائل کو جھڑکا کرو۔ (ضحیٰ:10)

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا○ الی قوله وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا

اور رشتہ دار اور غریب اور مسافر ہر ایک کو اس کا حق پہنچاتے رہو اور مال ودولت بے جا مت اڑاؤ.........اور اگر تمہیں اپنے رب کے فضل کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہو، ان غرباء سے منہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے اُن کو سمجھا دو۔ (بنی اسرائیل 26-28)۔

تو جب کسی شخص کو اس کی طلب وما نگ کے خلاف دیا جاتا ہے تو اُسے تکلیف ہوتی ہے، ایسے موقع پر قول وعمل سے اُسے خوش رکھنا کامل ترین سیاست ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ حکیم وڈاکٹر کسی کو مکروہ اور کڑوی دوائی دیدے اور پھر اُسے ایسی چیز دے جو اس کا نعم البدل ہو جائے۔

جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو اُن کو کہا گیا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ:44)

پھر اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ سمجھ جائے یا ہمارے عتاب سے ڈرے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری کو یمن کی طرف بھیجا تھا۔ فرمایا:

يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا

لوگوں کے ساتھ آسانی برتنا، سختی نہ کرنا، خوش رکھنا، متنفر نہ کرنا، باہم ایک دوسرے کی اطاعت کرنا، اختلاف نہ کرنا۔ (بخاری ومسلم)۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مسجد کے اندر پیشاب کر دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہو گئے اور اُسے ڈانٹنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُزْرِمُوْهُ عَلَيْهِ بَوْلَهٗ بخاری و مسلم

اس کا پیشاب بند نہ کرو۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ڈول منگوا کر پیشاب پر بہا دیا۔ اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ (بخاری و مسلم)

اللہ نے تمہیں آسانی دے کر بھیجا ہے، سختی کرنے کو نہیں بھیجا۔

اس سیاست کی ضرورت انسان کو اپنے لئے، اپنے گھر کے لیے اور ولی الامر/حکمران کو رعایا کی نگہداشت کے لیے ضروری ہے، کیونکہ نفس انسانی کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ حق بات جلدی قبول نہیں کرتا جب تک کہ اس کو محظوظ اور خوش کن اور ضروری چیزوں سے خوش نہ کیا جائے اور اس کی احتیاج و ضرورت پوری نہ کی جائیں۔ تو ان کے ساتھ حسن سلوک اور بھلی باتیں کرنا بھی عبادت الٰہی میں داخل ہے، اور یہ اُمور بھی طاعتِ الٰہی ہے، بشرطیکہ نیت نیک ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ کھانا پینا، لباس اور کپڑے انسان کے لیے واجب ہیں، اور عام علماء کرام کا اس پر فتویٰ ہے، اگر اس نے حالت اضطراری میں نہیں کھایا اور وہ مر گیا تو دوزخی ہوگا کیونکہ عام عبادتیں اس کے بغیر ادا نہیں ہوتیں۔ اور جس چیز کے بغیر واجب انجام نہ پائے اس کا کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور اسی لیے انسان پر اپنی جان اپنے اہل وعیال کا نفقہ دوسروں کے مقابلہ میں پہلے ہے جیسا کہ سنن کے اندر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَصَدَّقُوْا صدقہ دیا کرو۔

ایک شخص نے کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک دینار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَصَدَّقْ عَلٰى نَفْسِكَ اپنی جان پر خرچ کرو۔

اس نے کہا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰى زَوْجَتِكَ اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو۔

اس نے کہا میرے پاس تیسرا دینار بھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقْ بِهٖ عَلٰی وَلَدِكَ اسے اپنے لڑکے پر خرچ کرو۔

اس نے کہا چوتھا دینار بھی میرے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تَصَدَّقْ عَلٰی خَادِمِكَ اپنے خادم پر اسے خرچ کرو۔

اس نے کہا پانچواں دینار بھی میرے پاس ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اَنْتَ اَبْصَرُ بِهٖ تم اُسے خوب جانتے ہو کہ کہاں خرچ کرنا چاہیے۔

اور صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ دِيْنَارًا اَنْفَقْتَهٗ فِيْ رَقَبَةٍ وَ دِيْنَارًا تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰی مِسْكِيْنٍ وَ دِيْنَارًا اَنْفَقْتَهٗ عَلٰی اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا اَلَّذِيْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰی اَهْلِكَ

ایک دینار تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور ایک دینار غلام آزاد کرنے میں خرچ کرو، ایک دینار تم مسکین کو دو، ایک دینار اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو، سب سے بڑا اجر اس میں ہے، جو تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو۔ (رواہ مسلم)

اور صحیح مسلم میں ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِبْنَ اٰدَمَ اِنَّكَ تَبْذُلُ الْفَضْلَ خَيْرٌ وَاِنْ تُمْسِكَ شَرٌّ لَكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰی كَفَافٍ وَ ابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰی

اے ابن آدم فاضل مال کو خرچ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے روکے رکھنے سے، اور جو ضرورت کے لئے پورا ہو، اس پر ملامت نہیں کی جائیگی، جن کی عیالداری کر رہے ہو، اس کے لیے خرچ کرو، اور اوپر کا ہاتھ (دینے والا) نیچے کے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے۔

اور یہی تاویل وتفسیر اللہ تعالیٰ کے اس قول کی ہے:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (بقرۃ:219)

اور تم سے دریافت کرتے ہیں کتنا خرچ کریں تو سمجھا دو جو تمہاری حاجت سے زیادہ ہو۔

عفو کے معنی فضل کے ہیں کہ مال فاضل ہو، اس لیے کہ اپنی جان، اور اپنے اہل وعیال کا نفقہ فرضِ عین

ہے، بخلاف جہاد فی سبیل اللہ اور غزوات میں خرچ کرنا، اور مساکین کو دینا، یہ فرض کفایہ ہے، یا مستحب، البتہ کبھی کبھی فرض عین بھی ہو جاتا ہے۔ اور یہ اس وقت جبکہ کوئی دوسرا دینے والا نہ ہو، کیونکہ بھوکے کو کھانا کھلانا فرض عین ہے، اور اسی بناء پر حدیث میں وارد ہے:

لَوْ صَدَقَ السَّائِلُ لَمَا اَفْلَحَ مَنْ رَدَّهٗ (مسند احمد)

اگر سائل سچا ہے تو اُسے ردّ کرنے والا فلاح کو نہیں پہنچے گا۔

ابو حاتم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے اندر ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں علم وحکمت کی بہت سی باتیں ہیں۔ آلِ داؤد علیہ السلام کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عقلمند پر یہ حق ہے کہ اپنے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کر دے۔ ایک گھڑی اپنے رب کے حضور میں مناجات، دعاء کرے، اور ذکر وفکر میں صرف کرے۔ ایک گھڑی اپنے نفس اپنی جان کا محاسبہ کرے، ایک گھڑی دوست واحباب سے مل بیٹھے جو اس کو اس کے عیوب سے باخبر کریں، اور ایک گھڑی حلال وجمیل لذتوں سے بہرہ ور ہو کیونکہ اس گھڑی سے دوسری گھڑیوں کو مدد ملا کرتی ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مباح اور اچھی جائز لذتوں میں وقت خرچ کرنا بھی ضروری ہے، اس سے دوسری ساعتوں کو تقویت پہنچتی ہے، اور اسی لیے فقہاء نے کہا ہے: دین ومروت کی اصلاح و بہبود ہی عدالت ہے۔

سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

''میں کبھی کبھی باطل سے بھی جان کو خوش کر لیا کرتا ہوں تاکہ حق کے لیے مجھے مدد ملے''۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لذتیں، شہوتیں اسی لیے پیدا کی ہیں کہ مخلوق کی مصلحتیں ان سے پوری ہوتی ہیں، اور اس سے اپنے فوائد ومنافع حاصل کر لیا کرتے ہیں۔ مثلاً غضب وغصہ کو اس لیے پیدا کیا کہ اس کے ذریعہ ضرر رساں اور تکلیف دہ چیزوں کی مدافعت ہو سکے اور شہوتیں وہی حرام کی ہیں جو ہمارے لیے مضرت رساں ہیں۔ لیکن وہ مباح اور جائز شہوات جن کے ذریعہ حق پر چلنے کی استطاعت ملتی ہو، تو ایسی شہوات اعمال صالحہ نیک کام ہوں گے۔ اور اسی لیے حدیث میں وارد ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَفِیْ بُضْعِ اَحَدِکُمْ صَدَقَةٌ

(اپنی) بیوی سے خلوت کرنا بھی صدقہ ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ کیا اپنی شہوت پوری کی جائے، اس میں بھی اجر وثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَرَاَیْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِیْ حَرَامٍ اَمَا كَانَ عَلَیْهِ وِزْرٌ

اگر وہ حرام میں خرچ کرتا تو اس پر گناہ نہ ہوتا؟

صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ہاں کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَلِمَ تَحْسَبُوْنَ بِالْحَرَامِ وَلَا تَحْسَبُوْنَ بِالْحِلَالِ

حرام کا تو حساب لگاتے ہو، اور حلال کا حساب نہیں لگاتے؟

اور صحیحین میں سیدنا سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

اِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللهِ اِلَّا اُزْدِدْتَ بِهَا دَرَجَةً وَ رِفْعَةً حَتَّی اللُّقْمَةَ تَضَعُهَا فِیْ فَمِ اِمْرَاَتِكَ

تم اللہ کی رضامندی میں خرچ کرتے ہو اس سے تمہارا درجہ بڑھتا ہے۔ رفعت و بلندی حاصل ہوتی ہے۔ یہانتک کہ تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھ دو تو یہ بھی کارِ ثواب ہے۔

اور اس بارے میں آثار بیشمار ہیں، اگر مومن نیت صالح رکھ کر اپنے اعمال وافعال انجام دے تو ہر وقت ہر کام سے بڑے سے بڑا اجر وثواب حاصل کر سکتا ہے، اور صالح اعمال وافعال جو مباح ہیں ان کے قلوب کی صلاح کر سکتے ہیں۔ اور منافق کے لیے فسادِ قلب، فسادِ نیت کا موجب ہوتے ہیں، اور اس کو عقاب سزا اس کے اعمال وافعال ہی سے ملتی ہے، اس کی عبادتیں ریاکارانہ ہوتی ہیں جو بجائے فائدہ کے اس کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا فِی الْجَسَدِ مُضْغَةٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ لَهَا سَائِرُ الْجَسَدِ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ لَهَا سَائِرُ الْجَسَدِ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ

آگاہ رہو جسم میں ایک لوتھڑا ایسا ہے اگر وہ اچھا ہو تو سارا جسم اچھا ہوتا ہے، جب وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، آگاہ رہو کہ وہ قلب (دل) ہے۔

باب20(Chapter) کے مضامین

عقوبتیں، سزائیں اس لیے مشروع کی گئی ہیں کہ فرائض و واجبات پر عمل کرایا جائے، اور حرام اُمور سے بچا جائے، اس لیے ایسی چیزیں پیش کرنی چاہیے جو خیر و طاعات کی طرف رغبت دلائے، اور ایسی چیزوں سے روکا جائے جو برائی اور شر کی رغبت دلائے۔

عقوبتیں اور سزائیں واجبات پر عمل کرنے اور محرمات سے بچنے کے لیے ہیں، اور اس لیے ہر وہ چیز مشروع ہے جو اس کے لیے معین و مددگار ثابت ہو۔ اور ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے طریق خیر و طاعات اور اس کی ترغیب و تحریص ہو، اور خیر و طاعت میں معین و مددگار ثابت ہو، اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی طرف توجہ دلائی جائے، مثلاً لڑکوں پر، اہل و عیال پر اور اگر امیر و والی ﴿افسر یا حاکم﴾ ہو تو رعایا پر صرف کیا جائے۔ اور ایسے طریقہ سے صرف کیا جائے کہ ان کے جذبات برانگیختہ ہوں، مال پیسوں سے ہو یا تعریف و ستائش سے یا کسی اور طریقہ سے۔ اور اسی لیے شریعت نے مسابقت بالخیل یعنی گھڑ دوڑ اور اونٹ دوڑانے میں بازی لے جانا، نیزہ وغیرہ چلانے میں قوت خرچ کرنا مشروع فرمایا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم گھڑ دوڑ کی مسابقت میں شرکت کیا کرتے تھے، اور بیت المال کے گھوڑے اس مسابقت میں لاتے تھے، اور یہی کیفیت مؤلفۃ القلوب کی ہے، مؤلفۃ القلوب کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے ''ایک آدمی شروع میں یعنی صبح کو اسلام اس لیے قبول کرتا ہے کہ اسے دنیا مطلوب ہوتی تھی، لیکن آخر دن یعنی شام کو وہ اس قدر پختہ اسلام ہوتا ہے کہ ہر چیز اور ہر آدمی سے اسے اسلام زیادہ محبوب ہوتا ہے، اور سب سے زیادہ اس کا اسلام پسندیدہ ہوتا ہے''۔

یہی حال شر و معصیت کا ہے، شر اور معصیت کا جو اصل مادہ ہے اسے جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ دینا چاہیے۔ گناہ کے ذرائع و وسائل کا سدباب کر دینا چاہیے۔ جو چیزیں بھی شر و معصیت کی طرف منتہی

ہوں، پوری قوت سے ان کی مدافعت کرنی چاہیئے جب تک کہ کوئی ایسی مصلحت راجحہ اس کے خلاف نہ ہو کہ جس کی وجہ سے خاموشی اختیار کی جائے۔اس کی مثال خود رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے ملتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَخْلُوَنَّ الرَّجُلُ بِامْرَاَةٍ فَاِنَّ ثَالِثَهَا الشَّيْطَانُ

کوئی غیر مرد کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے، کیونکہ تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا يَحِلُّ لِاَمْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمَيْنِ اِلَّا مَعَهَا زَوْجٌ اَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ

جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ دو روز کا سفر بھی بغیر شوہر یا بغیر ذی محرم کے کرے۔

نبی کریم ﷺ نے اجنبی عورت کے ملنے، اور تنہا سفر کرنے سے اسی لیے روکا اور منع فرمایا کہ شر و معصیت کا سد باب ہو جائے اور شر و معصیت کے مادہ کی جڑیں کاٹ دی جائیں۔

امام شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے، جب عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اس میں ایک حسین و خوبصورت لڑکا بھی تھا۔آپ نے اُسے دیکھا اور اپنی پشت کے پیچھے بیٹھنے کا اُسے حکم دیا۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جناب داؤد علیہ السلام کی خطا اور گناہ یہی نظر و نگاہ تھی۔

جب امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ایک عورت چند اشعار پڑھ رہی ہے، اور ان اشعار میں یہ شعر بھی تھا:

هَلْ مِنْ سَبِيْلٍ اِلٰى خَمْرٍ فَاَشْرَبَهَا؟
هَلْ مِنْ سَبِيْلٍ اِلٰى نَصْرِ بْنِ حَجَّاجٍ؟

یعنی: کیا شراب مجھے کسی راستے سے مل سکتی ہے؟ کیا کوئی راہ نصر بن حجاج سے ملنے کی ہے؟

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسی وقت نصر بن حجاج کو بلایا، دیکھا وہ جوان نہایت حسین و خوبصورت ہے۔آپ نے اس کا سر منڈوا دیا، لیکن اس سے اس کی خوبصورتی اور حسن زیادہ ابھر آیا تو

آپ نے اُسے بصرہ جلاوطن کر دیا تاکہ مدینہ کی عورتیں فتنے میں نہ پڑ جائیں۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ کسی شخص کے متعلق آپ کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس بہت سے لڑکے بیٹھا کرتے ہیں، آپ نے لڑکوں کو اس کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا اور کہہ دیا کہ اس کے پاس مت بیٹھا کرو۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایسے آدمی کی مجالس اور ہم نشینی سے بھی منع کر دیا جس سے فتنے کا اندیشہ ہو اور مردوں یا عورتوں کے لیے فتنہ کا سبب ہوں۔ ایسے لڑکوں کے والیوں کا فرض ہے کہ وہ بلا ضرورت انہیں گھر سے باہر نہ نکلنے دیں۔ بن سنور کر نکلنے اور خوشبو لگانے سے روکیں۔ حمام وغیرہ میں نہ جانے دیں۔ اگر جائے تو کپڑے وغیرہ نہ اتارنے دیں۔ لہو ولعب ﴿کھیل تماشے﴾، گانے بجانے کی مجلسوں میں نہ جانے دیں۔ ایسے اُمور میں تعزیر کی ضرورت ہے۔

اسی طرح جس آدمی کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ فسق و فجور میں مشہور ہے، اُسے خوبصورت غلام کا مالک بننے سے روکا جائے۔ اور غلاموں میں اور اس میں تفریق کروادی جائے کیونکہ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اگر ایسا آدمی شہادت دے جو مشہور قسم کے فسق میں مبتلا ہے، تو اس کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ اور فریق ثانی کو حق پہنچتا ہے کہ اس کی شہادت پر جرح کرے، اگرچہ اس نے دیکھا نہ ہو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، لوگوں نے اس کی بہت تعریف کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَجَبَتْ! واجب ہوگئی۔

اس کے بعد دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے کہا یہ بہت ہی بُرا آدمی تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَجَبَتْ! واجب ہوگئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے متعلق آپ نے یہی فرمایا کہ ''وَجَبَتْ'' کیا وجہ ہے اور کیا واجب ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هٰذِهِ الْجَنَازَةُ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهَا خَيْرًا فَقُلْتُ وَجَبَتْ لَهَا الْجَنَّةُ وَ هٰذِهِ الْجَنَازَةُ اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهَا شَرًّا فَقُلْتُ وَجَبَتْ لَهَا النَّارُ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْاَرْضِ

پہلے جنازہ کی تم نے تعریف کی تو میں نے کہا: اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور دوسرے

جنازہ کی تم نے مذمت اور برائی کی تو میں نے کہا: اس کے لیے دوزخ واجب ہوگئی۔ کیونکہ تم لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت ایسی تھی جو اعلانیہ فسق و فجور کیا کرتی تھی۔ اس کے متعلق آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا اَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُ هٰذِهٖ

اگر گواہوں کے بغیر میں کسی کو رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا۔

کیونکہ حدود گواہوں کے بغیر یا اقرار کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتیں، لیکن ایسے آدمی کی شہادت اور امانت وغیرہ میں معائنہ وغیرہ کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے لیے عام شہرت کافی ہے، اگر مشہور نہ ہو، کم درجہ کی شہرت ہو تو اس کے دوستوں کو دیکھ کر دلیل لا سکتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِعْتَبِرُوا النَّاسَ بِاَخْدَانِهِمْ

لوگوں کا اعتبار اس کے دوستوں کے لحاظ سے کرو۔

دیکھا جائے کہ اس کے دوست کس قسم کے ہیں؟ اور یہ مدافعت شر ہے، اس سے اجتناب و احتراز لازم ہے جیسے دشمن سے اجتناب و احتراز لازم ہے۔ جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اِحْتَرِسُوا النَّاسَ بِسُوْءِ الظَّنِّ

لوگوں کے سوء ظن سے بھی بچا کرو۔

یہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حکم ہے حالانکہ سوء ظن کی بنا پر عقوبت و سزا جائز نہیں ہے۔

باب 21 (Chapter) کے مضامین

حدود وحقوق، بلا وجہ، بلا سبب کسی کو قتل کرنا، کسی کی جان لینا، قیامت کے دن خون ناحق کا فیصلہ سب سے پہلے ہوگا۔ قصاص لینے میں زندگی ہے۔

کسی متعین اور مقرر شخص کے حدود وحقوق ہو، ان میں کسی کو قتل کرنا، کسی کی جان لینا، کسی کو ہلاک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْآ اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذَالِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ o وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذَالِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ o وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذَالِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (انعام 151-153)

لوگوں سے کہو اِدھر آ ؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں، وہ یہ کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک مت ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو۔ اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر اور جو پوشیدہ ہوں ان میں سے کسی کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ اور وہ جان جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے، قتل نہ کرنا، مگر حق پر، یہ ہیں وہ باتیں جن کا حکم اللہ نے تم کو دیا ہے، تاکہ دنیا میں رہنے کا طریقہ سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طور پر

کہ بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ کرو، اور پوری پوری تول۔ ہم کسی شخص پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتے، اور جب بات کہو تو گو قرابت داری ہی ہو، انصاف کرو۔ اور اللہ سے جو عہد ہے اس کو پورا کرو، یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔ اور یہ کہ یہی ہمارا سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلے جاؤ اور دوسرے راستوں پر نہ پڑ جانا کہ یہ تم کو اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے، یہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً ...... الی قوله ......وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ ﮦ جَهَنَّمُ خالِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَ اَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ (النساء:92-9)

کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ مسلمان کو جان سے مار ڈالے مگر غلطی سے ...... الی قولہ...... اور جو مسلمان کو دیدہ و دانستہ قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ اور اللہ نے اس کے لیے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مِنْ اَجْلِ ذَالِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا○ (المائدہ:32)

اس (مذکورہ) واقعہ کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو تحریری حکم دیا کہ جو کوئی جان کے بدلہ نہیں (یعنی قصاص میں) اور ملک میں فساد پھیلانے کی سزا کے طور پر نہیں بلکہ ناحق کسی کو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو مار ڈالا، اور جس نے مرتے کو بچا لیا تو گویا اُس نے تمام انسانوں کو بچا لیا۔

اور صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ (بخاری ومسلم)

قیامت کے دن سب سے پہلے جس کا فیصلہ ہوگا وہ ناحق خون کا ہوگا۔

قتل وخون تین قسم کا ہے: ایک قتل عمداً ہے جس میں خطا اور شبہ خطاء کا احتمال ہی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی کو بے گناہ قتل کر دیا۔ جیسا کہ عام طور پر قتل ہوا کرتا ہے۔ مثلاً تلوار سے کسی کو مار دینا، یا خنجر اور چھری سے، یا ہتھوڑے یا پھاوڑے، کدال یا کلہاڑی، تیر وغیرہ سے، یا گولی مار کر قتل دینا، یا جلا کر مار دینا، یا غرق کر دینا، یا منہ بند کر کے مار دینا، یا زہر کھلا کر مار دینا، وغیرہ وغیرہ۔ تو اس قتل میں حد جاری ہوگی۔ اور مقتول کے اولیاء اور ورثاء کو حق ہوگا کہ چاہیں تو اُسے قتل کریں، چاہیں معاف کر دیں۔ اور اگر چاہیں دیت وخون بہا لے کر چھوڑ دیں۔ مقتول کے اولیاء وورثاء کو جائز نہیں ہے کہ قاتل کے سوا کسی دوسرے کو قتل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (بنی اسرائیل:33)

اور کسی کی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے، ناحق قتل نہ کرو، اور جو شخص مظلوم مارا جائے تو ہم نے اُس کے والی کو اختیار دیا ہے تو اس کو چاہیے کہ خون میں زیادتی نہ کرے کیونکہ قصاص لینے میں اس کو حق حاصل ہے۔

اس آیت کی تفسیر یہی کی گئی ہے کہ قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو قتل نہ کیا جائے۔

اور سیدنا ابی شریح الخزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أُصِيْبَ بِدَمٍ اَوْ خَبْلٍ فَهُوَ بِالْخِيَارِ بَيْنَ اِحْدٰى ثَلَاثٍ فَاِنْ اَرَادَ الرَّابِعَةَ فَخُذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ اَنْ يَّقْتُلَ اَوْ يَعْفُوْ اَوْ يَاْخُذَ الدِّيَةَ فَمَنْ فَعَلَ شَيْئًا مِّنْ ذَالِكَ فَعَادَ فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيْهَا اَبَدًا (رواہ اہل سنن)

جو خون ہو جائے یا خطرناک حالت میں پایا جائے اور پھر مر جائے تو تین راستے ہیں جو چوتھا راستہ اختیار کرے اُسے روکو۔ ایک یہ کہ قاتل کو قتل کر دے، دوسرا یہ کہ اُسے معاف کر دے،

تیسرا یہ کہ دیت وخون بہا لے کر چھوڑ دے۔ ان تین طریقوں کے علاوہ کوئی چوتھا راستہ اختیار کرے تو وہ زیادتی کر رہا ہے، اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے۔

اگر کوئی شخص معاف کر دے، معاف کرنے کے بعد یا دیت وخون بہا لینے کے بعد قاتل کو قتل کر دے تو یہ بہت بڑا جرم ہے، ابتداءً قتل کرنے سے بھی بہت سخت جرم ہے، یہاں تک کہ بعض علماء کا قول ہے، اسے بطور حد قتل کیا جائے، اور مقتول کے اولیاء وورثاء کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے خود قتل کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذَالِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذَالِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَّآ اُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ 178-179)

جو لوگ تم میں مارے جائیں ان میں تم کو جان کے بدلہ میں جان کا حکم دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس کو اس کے بھائی سے قصاص کا کوئی جزء معاف کر دیا جائے، تو مطالبہ دستور شرع کے مطابق اور قاتل کی طرف سے وارثِ مقتول کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کر دینا یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے حق میں آسانی اور مہربانی ہے۔ پھر اس کے بعد جو زیادتی کرے تو اس کے لیے عذاب دردناک ہے، اور عقلمندو! قصاص (قتل کے بدلے قتل کر دینے) میں تمہاری زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) باز رہو۔

علماء کہتے ہیں: مقتول کے اولیاء وورثاء کے قلوب غیظ وغضب سے بھرے ہوتے ہیں ان کا بس چلے تو قاتل اور قاتل کے اولیاء وورثاء کو بھی قتل کر دیں۔ بسا اوقات ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ قاتل پر بس نہیں کرتے بلکہ قاتل کے ساتھ ہی ساتھ اس کے عزیزوں، قرابتداروں کو بھی قتل کر دیتے ہیں، قاتل کے قبیلہ کے سردار یا مقدم وپیشوا کو بھی قتل کر دیتے ہیں؛ اور یہ نہایت خطرناک صورت ہے۔ اصل قاتل نے تو ابتداء میں ظلم کیا، لیکن مقتول کے اولیاء اور ورثاء نے خون کا بدلہ لینے میں جو ظلم وجور

اور زیادتی کی ہے اصل قاتل نے نہیں کی۔ اور وہ کام کیا جو شریعت سے خارج اہل جاہلیت کیا کرتے تھے کہ شہری اور دیہاتی سب کے سب اس میں مبتلا ہو جاتے تھے اور سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا تھا۔ مقتول کے اولیاء قاتل کے اولیاء کو قتل کر دیتے تھے اور ان قاتل اولیاء کے قاتلوں کو دوسرا فریق قتل کر دیتا تھا یہاں تک کہ بسا اوقات دونوں فریق اپنا اپنا جتھا (مورچہ) بنا لیتے تھے۔ اپنے اپنے حلیف بنا لیتے تھے، ایک قوم ایک کی مدد کرتی، دوسری قوم دوسرے فریق کی اعانت و مدد کرتی۔ اور اس طرح یہ فتنوں کا دروازہ کھل جاتا اور انتہائی بغض وعناد اور کینہ ان میں گھر کر جاتا، اس کا سبب یہی ہوا کرتا تھا کہ یہ لوگ عدل وانصاف کو بالکل چھوڑ دیتے تھے، اور قصاص پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر قصاص فرض کر دیا ہے۔ اور قصاص کے معنی یہی ہیں کہ قتل کے بارے میں مساوات اور عدل وانصاف کو ملحوظ رکھا جائے۔ زیادتی نہ کی جائے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ قصاص سے قاتل کے اولیاء اور ورثاء کی خونریزی بند ہو جاتی ہے، غیر قاتل بچ جاتے ہیں، اور فتنہ ختم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے معلوم ہو جائے کہ قصاص میں یہ بھی مارا جائے گا تو قتل کرنے سے باز رہتا ہے۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَاءُ هُمْ وَ هُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ وَ يَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ اَلَا لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُوْ عَهْدٍ فِيْ عَهْدِهٖ

تمام مسلمانوں کے خون مساوی اور برابر ہیں اور اس پر تمام مسلمان متفق ہیں اور ذمیوں سے اچھا سلوک کرنے میں ادنی و اعلیٰ پوری کوشش کرتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیا جائے، اور نہ متعاہد (جس نے معاہدہ کیا ہوا ہے اس) کو جب تک کہ وہ اپنے عہد پر قائم ہے۔ (رواہ احمد وابی داؤد وغیرہما من اہل سنن)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کے خون مساوی اور بلا امتیاز تمام برابر ہیں، عربی کو عجمی پر، قریشی ہاشمی کو غیر قریشی ہاشمی پر اور اصلی حر (جو کبھی غلام نہیں تھا) کو مولیٰ عتیق (آزاد کردہ غلام) پر، عالم کو جاہل پر، امیر کو رعایا پر کوئی فضیلت نہیں دی۔ اور یہ تمام مسلمانوں میں متفق علیہ ہے بخلاف

اہل جاہلیت اور حکام یہود کے کہ انہوں نے غلط راستہ اختیار کیا، اور غلط حکم جاری کیا تو دنیائے عرب باہم لڑ مرے۔

مدینہ طیبہ کے قریب دو قسم کے یہود آباد تھے، نضیر اور قریظہ۔ قریظہ کے مقابلہ میں نضیر کے خون بہت ہوئے تھے اور اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم و منصف اور جج بنایا۔

اور حد زنا میں کچھ ایسا تغیر و تبدل کر دیا کہ رجم کو لوہے کے داغ سے تبدیل کر دیا۔ یہ یہود مسلمانوں کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حکم دے دیں تو ہمارے لیے حجت ہے، ورنہ سمجھا جائے گا کہ تم نے تورات کا حکم چھوڑ دیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ...... الی قولہ ...... فَاِنْ جَآءُ وْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○ الی قولہ ...... فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِيْ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ ○ وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ کفر پر اڑے رہتے ہیں، ان کی وجہ سے آپ غمزدہ نہ ہوں۔ بعض ایسے ہیں جو اپنے منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے ...... تو اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ لوگ فیصلہ کروانے کے لیے تمہارے پاس آئیں تو آپ کو اختیار ہے کہ ان میں فیصلہ کرو یا ان کے معاملہ میں دخل دینے سے کنارہ کش رہو۔ اگر تم ان سے کنارہ کشی کرو گے تو یہ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر فیصلہ کرو تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا، کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ...... تم لوگوں سے نہ ڈرو، ہمارا ہی ڈر رکھو اور ہماری آیتوں میں حق کو چھپا کرنا جائز فائدے مت لو، اور جو (جج) اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے تو یہی لوگ کافر ہیں۔ اور ہم

نے تورات میں یہود کو تحریری حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ویسا ہی زخم۔ (مائدہ:41-45)

ان آیات میں اللہ نے بیان کیا کہ تمام جانیں برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے جیسا کہ یہود کیا کرتے تھے۔

...... الی قولہ...... وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآئَهُمْ عَمَّا جَآئَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ...... الی قولہ ...... اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ O (مائدہ:48-50)

......اور اے پیغمبر ہم نے تمہاری طرف بھی کتاب برحق اتاری کہ جو کتابیں اس کے آنے سے پہلے موجود ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی (سپریم الاء اور) محافظ بھی ہے تو جو کچھ اللہ نے تم پر اتارا ہے تم بھی اسی کے مطابق ان لوگوں کو حکم دو اور جو حق بات تم کو پہنچی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت ٹھہرائی ہے اور طریقہ خاص...... کیا اس وقت میں زمانہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور جو لوگ یقین کرنے والے ہیں ان کے لیے اللہ سے بہتر حکم دینے والا کون ہو سکتا ہے؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کے خون سب کے سب مساوی اور برابر ہیں بخلاف جاہلیت کے، کہ اکثر خواہش نفس کی وجہ سے خون ہوا کرتے تھے اور شہری دیہاتی آبادیاں تمام کی تمام اس سے متاثر ہوتی تھیں۔ اور یہ درحقیقت بغاوت اور ترک عدل و انصاف کی وجہ سے ہوا کرتا تھا۔ ہر گروہ اپنے کو دوسرے گروہ پر غالب رکھنے کی کوشش کرتا تھا، خواہ خون کا معاملہ ہو یا مال کا، ایک دوسرے پر غالب رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور غلبہ پر فخر و ناز کرتا تھا۔ عدل و انصاف کا نام و نشان تک نہ تھا۔ دونوں فریق میں کوئی بھی خاموش نہیں بیٹھتا تھا ہر گروہ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے وہی کرتا جو دوسرا گروہ کرتا تھا۔ قرآن مجید نے عدل اور انصاف کا حکم دیا۔ جاہلیت کے احکام کو بالکل باطل ختم کر

دیا، جس میں اکثر لوگ مبتلا تھے۔ جب کبھی اور جس وقت کوئی مصلح اصلاح کے لیے اقدام کرتا تو یہی اصول اور یہی عدل وانصاف لے کر اقدام کرتا۔قرآن مجید نے فیصلہ کر دیا:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ o اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (الحجرات:9-10)

اور اگر مسلمانوں کے دو فرقے آپ میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے ایک فرقہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے اس سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے، پھر جب رجوع کرے تو فریقین میں برابری کے ساتھ صلح کرادو۔ اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں،تو اپنے بھائیوں میں میل جول کرادیا کرو۔

اور اس بارے میں اولی و افضل یہ ہے کہ پہلے اولیاء مقتول سے معافی کی درخواست کی جائے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (مائدہ:45)

اور زخموں کا بدلہ ویسے ہی زخم ہیں۔ پھر جو مظلوم بدلہ معاف کر دے، وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

مَا رُفِعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَمْرًا فِيْهِ الْقِصَاصُ اِلَّا اَمَرَ فِيْهِ بِالْعَفْوِ (رواہ ابوداؤد وغیرہ)

جب کوئی معاملہ پیش آتا جس میں آپ کو قصاص کا حکم فرمانا ہوتا لیکن آپ معاف کرنے کا حکم فرماتے۔

اور صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ

اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ (رواہ مسلم)

صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں ہوتی اور جو کچھ بندہ معاف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے عزت دیتا ہے، اور جو اللہ کے لیے تواضع عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رفعت و بلندی عطا فرماتا ہے۔

اور یہ جو ہم نے لکھا ہے، مساوات کے متعلق لکھا ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کے بارے میں ہے کہ آزاد افراد سب کے سب مساوی ہیں۔ ذمی کفو نہیں، نہ مسلمان کے برابر ہے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے، جیسے کہ کفار اسلامی شہروں میں سفر و تجارت کی غرض سے آتے ہیں کہ یہ بالاتفاق کفو نہیں اور مسلمان کے برابر نہیں۔

بعض علماء کا قول ہے: ذمی کفو ہیں۔ اور مسلمان کے برابر ہیں۔ یہی نزاع غلام اور آزاد کے متعلق ہے کہ غلام کے مقابلہ میں آزاد کو قتل کیا جائے یا نہیں۔

دوسری قسم کا خون قتل خطا ہے جو شبہ عمد (جان بوجھ کر قتل کرنے کا شک) ہو۔ اور اس بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلَا اِنَّ فِیْ قَتْلِ الْخَطَاءِ شِبْهِ الْعَمَدِ مَا کَانَ فِی السَّوْطِ وَالْعَصَاءِ مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ خَلِفَةً فِیْ بُطُوْنِهَا اَوْلَادُهَا

آگاہ رہو کہ قتل خطا شبہ عمد میں جو کہ کوڑے یا لکڑی سے ہو، سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس اونٹ ایسے ہوں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔

اور اسے شبہ عمد اس لیے کہا گیا ہے کہ کوڑا یا لکڑی مارنے والے نے زیادتی ضرور کی۔ اس نے مارنے میں اعتدال کو ملحوظ نہیں رکھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کی مار سے اکثر اوقات موت واقع نہیں ہوتی

تیسری قسم، خون کی قتل خطا ہے، مثلاً یہ کہ شکار پر تیر چلایا، اور وہ انسان کو لگ گیا (یا گولی چلائی اور بے گناہ انسان کو لگ گئی)۔ اور اس کے علم و ارادہ کے خلاف واقعہ پیش آیا۔ تو اس میں حد نہیں ہے۔ بلکہ اس میں کفارہ اور دیت، خون بہا ہوگا۔

اور اس بارے میں بیشمار مسائل ہیں جو اہل علم کی کتابوں میں درج ہیں۔

باب 22 (Chapter) کے مضامین

جرح وزخم (ایکسیڈنٹ) کا قصاص، ہاتھ پاؤں کاٹنے سے ہاتھ پاؤں کاٹا جائے گا۔ دانت توڑنے سے دانت توڑا جائے گا۔ کسی کا سر پھوڑا تو اس کا سر پھوڑا جائے گا۔

جرح و زخم میں قصاص واجب ہے، اور یہ کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، بشرطیکہ مساوات ممکن ہو، اگر کسی نے کسی کا ہاتھ جوڑ سے توڑ دیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کا ہاتھ جوڑ سے توڑ دے۔ اگر کسی کا دانت توڑ دیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس کا دانت توڑ دے۔ سر اور منہ زخمی کر دیا ہے ایسا کہ ہڈی نظر آنے لگ گئی تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس کا سر اور منہ اسی طرح زخمی کر دے جس طرح اس نے زخمی کیا ہے۔

اگر ایسا اور اس طرح توڑ دیا یا زخمی کیا ہے کہ مساوات ممکن نہیں مثلاً اندر کی ہڈی توڑ دی ہے یا یہ کہ اس طرح زخمی کیا ہے کہ ہڈی نظر نہیں آتی تو اس میں قصاص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تاوان اسے دینا پڑے گا۔

قصاص کی صورت یہ ہے کہ ہاتھ سے پیٹا جائے، یا لاٹھی یا کوڑے سے مارا جائے۔ مثلاً طمانچہ یا گھونسا لگائے، یا لاٹھی وغیرہ سے مارا جائے، علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہے، بلکہ اس میں تعزیر ہے، کیونکہ اس میں مساوات اور برابری ممکن نہیں ہے۔ لیکن خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے کہ اس میں قصاص مشروع ہے۔ اور یہی امام احمد وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی ہے۔ سیدنا ابوفراس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، اس میں حدیث پیش کی، اس حدیث میں کہا:

اَلَا اِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا اُرْسِلُ عُمَّالِیْ اِلَیْکُمْ لِیَضْرِبُوْا اَبْشَارَکُمْ وَلَا یَاْخُذُوْا اَمْوَالَکُمْ وَلٰکِنْ اُرْسِلُهُمْ اِلَیْکُمْ لِیُعَلِّمُوْکُمْ دِیْنَکُمْ وَ سُنَنَکُمْ فَمَنْ فَعَلَ بِهٖ سِوٰی ذٰالِكَ

فَلْيَرْفَعْهُ اِلَيَّ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِذًا لَّاُ قْصِنَّهٗ

آ گاہ رہو۔ قسم اللہ کی میں اپنے عمال (گورنر، وزیراورافسر وغیرہ) تمہارے پاس اس لیے نہیں بھیجا کرتا کہ وہ تمہیں مار ماریں، نہ تمہارا مال لینے کو بھیجتا ہوں، بلکہ اس لیے بھیجتا ہوں کہ تم کو تمہارا دین اور سنتیں سکھائیں، پس جو اس کے سوا دوسرا کرے میرے پاس اس کی شکایت لائے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں ان سے قصاص لوں گا۔

اس پر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: امیر المؤمنین! اگر کوئی امیر مسلمانوں کی نگرانی کررہا ہے، اور وہ اپنی رعایا کو ادب سکھاتا ہے، آپ اس سے بھی قصاص لیں گے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں قسم اللہ کی میں اس سے بھی قصاص لوں گا۔ اور صرف میں ہی قصاص نہیں لیتا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان سے بھی قصاص لیتے تھے۔ خبردار تم مسلمانوں کو مت مارا کرو، ان کو ذلیل نہ کیا کرو، ان کے حقوق نہ روکا کرو، اس سے وہ لوگ کفر اختیار کر لیتے ہیں، یہ روایت مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے۔

اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ والی، حاکم ناجائز مار نہ مارا کریں، اگر مشروع مار ہو تو اجماع ہے، اس میں قصاص نہیں ہے، کیونکہ مشروع مار یا تو واجب ہوگی یا مستحب ہوگی، یا جائز ہوگی، اوران تینوں میں قصاص نہیں ہے۔

باب 23 (Chapter) کے مضامین

عزت وآبرو کا قصاص بھی مشروع ہے۔گالی دینا جرم ہے اس کا بھی قصاص ہے، اگر کوئی کسی کے باپ دادا یا قبیلے کو برا کہے تو جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے باپ دادا اور قبیلہ کو برا کہے، کیونکہ انہوں نے اس پر ظلم نہیں کیا۔

عزت وآبرو کا بھی قصاص مشروع ہے، اور وہ یہ کہ مثلاً کوئی شخص کسی پر لعنت بھیجے یا بددعا کرے، تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بھی ایسا ہی کرے۔ اگر کوئی یہی گالی دے جس میں جھوٹ قطعاً نہیں ہے تو یہ بھی گالی دے سکتا ہے، لیکن معاف کر دینا افضل و بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ

اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، اس پر جو معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے، بیشک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور ہاں کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اس کے بعد بدلہ لے، تو یہ لوگ ہیں جن پر کوئی الزام نہیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْتَبَانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِيْ مِنْهُمَا مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ

آمنے سامنے بولنے والے پر وہی ہوگا لیکن شروع کرنے والے پر کچھ زیادہ ہوگا جب تک کہ اس نے مظلوم پر زیادتی نہیں کی۔

اور اسی کو انتصار بھی کیا جائے گا۔ اور گالی گلوچ ایسی کہ اس میں جھوٹ نہ ہو مثلاً یہ کہ جو برائیاں اس میں ہیں وہ ظاہر کرنی، یا یہ کہ کتا، یا گدھا، وغیرہ کہنا، تو اس میں قصاص ہے لیکن اگر کسی نے افتراء و بہتان لگایا تو جائز نہیں ہے کہ افتراء و بہتان کے بدلہ میں افتراء و بہتان لگا۔ اگر کوئی کسی کو بلا استحقاق کافر یا فاسق کہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ بھی ... اگر کوئی کسی کے ... اور قبیلہ اہل شہر پر لعنت

بھیجے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ جواب میں یہ بھی ایسا ہی کہے کہ یہ تعدی اور زیادتی ہے کیونکہ ان لوگوں نے اس پر کچھ نہیں لیا، بلکہ جو کچھ کیا ہے اس آدمی نے کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائدہ:8)

مسلمانو! اللہ واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو آمادہ رہو، اور لوگوں کی عداوت تمہارے اس جرم کا باعث نہ ہو کہ تم معاملات میں انصاف نہ کرو، ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔

اس آیت میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ کفار سے بغض وعناد کی وجہ سے اعتداء اور زیادتی نہ کیا کرو۔ صاف صاف کہہ دیا:

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائدہ:8)

ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری کے قریب تر ہے۔

پس عزت وآبرو کے بارے میں بھی عدوان اور زیادتی حرام ہے، حالانکہ اس کا حق ہے، پس اگر ایذاء اور تکلیف ایسی پہنچائے جس میں قصاص و بدلہ لیا جا سکتا ہے، مثلاً کسی نے کسی پر بددعا کی تو مظلوم بلا عدوان اور زیادتی کے بددعا کر سکتا ہے، لیکن اگر حق اللہ اس کے متعلق ہوتا ہے مثلاً جھوٹ بولا تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ یہ بھی جھوٹ بولے۔

اسی طرح فقہاء کہتے ہیں کہ کسی نے کسی کو جلا کر مار ڈالا، یا غرق کر دیا، یا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، یا اس کے مثل کسی اور طریقے سے قتل کر دیا تو اس کے لیے وہی کیا جائے جو اس نے کیا ہے لیکن ملحوظ رہے کہ وہ سزا فی نفسہٖ حرام نہ ہو، مثلاً شراب پلائی تو اس کے بدلہ اور قصاص میں شراب پلائی جائے۔ یا لواطت کی تو اس کے ساتھ لواطت کی جائے۔

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ جلا کر مار دینے، یا غرق کر دینے، یا گلا گھونٹ کر مار دینے کی عقوبت وسزا قود بالسیف ہے یعنی تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے۔ لیکن ہم جو پہلے کہہ چکے ہیں وہی کتاب اللہ اور کتاب الرسول ﷺ سے زیادہ مشابہ ہے۔

باب24(Chapter)کے مضامین

افتراء میں قصاص نہیں ہے، اس میں عقوبت و سزا ہے، حد قذف بھی اس میں ہے، جبکہ مقذوف (جس پر جھوٹی تہمت لگائی گئی ہے) شادی شدہ، مسلم، آزاد اور عفیف ہو، جو شخص فسق و فجور میں مشہور ہو، اس کے قاذف پر حد نہیں لگے گی۔

افتراء و بہتان وغیرہ میں قصاص نہیں ہے، بلکہ عقوبت و سزا ہے، اسی افتراء و بہتان میں حد قذف بھی ہے جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰالِكَ وَاَصْلِحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورہ نور:4)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں تو ان کو اسی (80) کوڑے مارو۔ اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ اور یہ لوگ خود بدکار ہیں مگر جنہوں نے ایسا لگانے کے بعد توبہ کی اور اپنی حالت درست کر لی تو اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

جب کسی آزاد، شادی شدہ پر زنا یا لواطت کی تہمت لگائی جائے تو اس پر حد قذف جاری کرنا واجب ہے، اور یہ حد اسی (80) کوڑے ہیں، اگر اس کے علاوہ کسی دوسری بات کی تہمت لگائی تو اسے تعزیری سزا دی جائے گی۔

اس حد کا حق مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی اُس) کو پہنچتا ہے، اور اس لیے حد اسی وقت جاری ہوگی جبکہ وہ اس کا مطالبہ کرے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، اگر مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی) معاف کر دے تو حد ساقط ہو جائے گی، جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے، کیونکہ اس میں زیادہ تر حق آدمی کا ہے، جیسا کہ قصاص مال وغیرہ آدمی کا حق ہے۔ بعض کہتے ہیں نہیں حد ساقط نہیں ہوگی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی حق ہے، اور جس طرح دوسری حدود معاف نہیں ہو سکتیں، یہ بھی معاف نہیں ہوگی۔

حد قذف اس وقت جاری ہوگی جبکہ مقذوف شادی شدہ ہو، اور مسلمان، آزاد، عفیف و پاکدامن ہو۔

جو شخص فسق و فجور کے معاملہ میں مجروح اور بدنام ہو، اس پر تہمت لگانے سے حد جاری نہیں ہوگی۔

اسی طرح کافر، اور غلام پر تہمت لگانے سے حد جاری نہیں ہوگی، البتہ ان پر تعزیر ہوگی۔

شوہر کے لیے جائز ہے کہ اپنی بیوی پر تہمت لگائے جبکہ وہ زنا کی مرتکب ہو اور زنا سے حاملہ نہیں ہوئی ہے۔ اگر زنا سے حاملہ ہوگئی، اور بچہ پیدا ہوگیا ہے تو شوہر پر فرض ہے کہ اسے متہم کرے (الزام لگائے) اور بچہ کا انکار کردے کہ اس کا نہیں ہے تاکہ جو اس کا نہیں ہے وہ اس کی طرف منسوب نہ ہو۔

جب شوہر نے بیوی پر قذف اور تہمت لگائی تو بیوی یا تو زنا کا اقرار کرلے یا لعان کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں اور رسول اللہ ﷺ نے سنت میں ذکر کیا ہے۔

اگر قاذف یعنی تہمت لگانے والا غلام ہے تو اس پر نصف حد جاری ہوگی اور یہی حکم زنا اور شراب نوشی میں بھی ہے، کہ نصف سزا اسے ہوگی، چنانچہ غلام اور باندی وغیرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (نساء:25)

پھر اگر قید میں آنے کے بعد بے حیائی کا کوئی کام کریں تو جو سزا آزاد پاکدامن کی ہے اس کی آدھی لونڈی کی ہے۔

لیکن جس حد میں قتل واجب ہے، یا ہاتھ کاٹنا واجب ہے تو سزا نصف نہیں ہوگی بلکہ پوری پوری عقوبت و سزا ہوگی۔

باب 25 (Chapter) کے مضامین

حقوق ابضاع (جنسی حق)، زن وشوہر کے تعلقات اور حق مہر، نفقہ، اور معاشرہ کے حقوق۔

میاں بیوی کے باہمی تعلقات اور حقوق، میاں اور بیوی دونوں پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَصْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ (بقرہ:289)

دو طلاقوں کے بعد یا تو دستور کے مطابق زوجیت میں رکھنا ہے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا۔

میاں اور بیوی دونوں پر فرض ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق خوشدلی اور انشراح صدر کے ساتھ پورے کریں، بیوی کا شوہر کے مال میں حق ہے، اور وہ مہر اور نفقہ ہے، جسم پر حق ہے وہ عورت سے صحیح مباشرت رکھے اور اس سے استفادہ کرے، اور اس لیے اگر اس نے ایلاء کیا اور نہ ملنے کی قسم کھالی تو عورت جدائی کی حقدار ہے۔ سب مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ اگر شوہر نامرد ہے، جماع اور ہمبستری نہیں کر سکتا کہ اس پر جماع کرنا واجب ہے، بعض نے کہا ہے کہ اگر اس کا باعث طبعی ہے تو واجب نہیں ہے، لیکن صحیح مسلک یہی ہے کہ جماع وہمبستری واجب ہے جیسا کہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول ﷺ اور اصول شریعت دلالت کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ روزے بہت رکھتے ہیں اور نماز میں اکثر وقت گذارتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ

تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔

پس جماع وہمبستری واجب ہے، لیکن کتنے عرصہ میں جماع کرنا چاہیے اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں چار ماہ میں ایک مرتبہ جماع واجب ہے، بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ اس کی طاقت اور بیوی کی

حاجت کے مطابق واجب ہے۔ جس طرح کہ نان ونفقہ واجب ہے، اور یہی مناسب فیصلہ ہے۔ اور بیوی پر شوہر کا حق ہے جب چاہے بیوی سے فائدہ اٹھائے لیکن شرط یہ ہے کہ بیوی کو نقصان نہ پہنچے یا کسی واجب حق سے قاصر نہ ہو جائے، بیوی پر واجب ہے کہ شوہر کو قدرت دے، اس کے گھر سے اس کی اجازت یا شارع (شریعت) کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔

گھر کی خدمت کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، مثلاً فرش بچھا دینا، جھاڑو وغیرہ لگا دینا، روٹی وغیرہ پکا دینا وغیرہ، تو بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ بیوی پر واجب ہے بعض واجب نہیں کہتے، بعض کہتے ہیں درمیانی خدمات واجب ہیں۔

باب 26 (Chapter) کے مضامین

اموال کا فیصلہ عدل وانصاف سے کیا جائے، معاملات میں عدل وانصاف ہی دنیا کے امن و چین کا کفیل ہے، دنیا و آخرت اسی سے درست ہوتی ہے۔

اموال کا فیصلہ عدل وانصاف سے کیا جائے، جیسا کہ اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ہے، مثلاً ترکہ، وارثوں پر کتاب وسنت کے مطابق تقسیم کیا جائے، گواس کے بعض مسائل میں اختلاف ہے، اسی طرح معاملات میں لین دین، مزدوری وٹھیکہ، وکالات، مشارکات، تحفے اوقاف وصیتوں وغیرہ میں عدل وانصاف واجب ہے، اوران معاملات میں جن میں عقود اور قبضہ شرط ہے، عدل وانصاف واجب ہے، اس لیے کہ عدل وانصاف ہی سے دنیا و جہان کا (قیام و) قوام ہے، اس کے بغیر دنیا و آخرت درست ہی نہیں ہوسکی، ان چیزوں میں عدل وانصاف ہر عقلمند سمجھتا ہے، اور مثلاً خریدار پر واجب ہے کہ وہ چیز کی قیمت فوراً ادا کردے اور بیچنے والے پر واجب ہے کہ مال خریدار کے حوالہ کردے، اور مثلاً ناپ وتول میں کمی بیشی کرنا قطعاً حرام ہے، قرض ادا کرنا، جس سے قرض لیا اس کا شکر وار تعریف کرنی واجب ہے، عام معاملات جن کی کتاب وسنت نے ممانعت کی ہے وہ ہیں جن میں عدل وانصاف نہیں ہوسکتا، اور چھوٹا بڑا، کم زیادہ ظلم ہوتا ہو، مثلاً باطل کے ذریعہ مال لینا جیسے سود اور جوا۔ سود کی تمام صورتیں جوئے کی تمام اقسام جن سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، حرام ہیں مثلاً بیع غرر (دھوکہ سے مال بیچنا)۔ بیع الطیر (پرندہ اڑ رہا ہو، اس کو بیچنا)، مچھلی پانی کے اندر ہو، اُسے بیچنا، میعاد مقرر نہ کرنا اور بیچنا، بیع المصراط، بیع الملامسہ، بیع منابذہ، بیع مزابنہ، بیع محاقلہ، اور خراب اشیاء کا بیچنا، کچے پھل، ان کو بیچنا، فاسد شرکت کرنی، اور وہ تمام معاملات جن سے مسلمانوں کے اندر نزاع ممکن ہے اور جن میں کچھ نہ کچھ خرابی ہو، یا شبہ ہو، یا وہ عقد جو کچھ لوگ صحیح اور عدل سمجھتے ہوں۔ اور کچھ لوگ ظلم و جور سمجھتے ہوں۔ ان کا فاسد ہونا واجب وضروری ہے۔ ان سے بچنا ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰه وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذَالِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (النساء)

مسلمانو! اللہ کا حکم مانو، اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانو۔ اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو کہ یہ بہتر ہے، اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔

اور اس بارے میں اصل اصول اور ضابطہ کلیہ یہ ہے کہ معاملات وہی حرام ہیں جن کو کتاب وسنت نے حرام قرار دیا ہو، اور عبادات وہی مشروع ہیں جس کی مشروعیت کتاب وسنت سے ثابت ہو، جن لوگوں کی اللہ نے مذمت کی ہے وہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے وہ چیزیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کی تھیں۔ اور ایسی چیزیں جائز کر لی تھیں جن کے جواز پر کوئی شرعی دلیل نہیں تھی۔

اللھم وفقنا لان نجعل الحلال ما حللته والحرام ما حرمته والدین ما شرعته

باب 27 (Chapter) کے مضامین

امیر، ولی الامر، حاکم کے لیے مشورہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمایا: وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ اور جو لوگ مشورہ لیتے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ۔ (شوریٰ:38)

ولی الامر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مشورہ لیا کرے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ○ (آل عمران:159)

آپ ﷺ ان کے قصور معاف کر دو اور اللہ سے بھی ان کے گناہوں کی معافی کی درخواست کرو، اور معاملات صلح و جنگ میں ان کو شریک مشورہ کر لیا کرو۔ پھر مشورے کے بعد تمہارے دل میں ایک فیصلہ پختہ ہو جائے تو بھروسا اللہ تعالیٰ پر ہی رکھنا، جو لوگ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں، اللہ ان کو دوست رکھتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ أَحَدًا أَكْثَرَ مُشَاوَرَةً لِأَصْحَابِهِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کی تالیف قلبی کی غرض سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس غرض سے کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کی اقتداء کی جائے۔ اور جس امر کے متعلق وحی نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، مثلاً حرب و جنگ وغیرہ اور جزئی امور میں لوگوں کی رائے اور مشورہ لیا جائے، جب رسول اللہ ﷺ مشورہ لیا کرتے تھے تو غیر بدرجہ اولیٰ مشورہ کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ فرماتا ہے:

وَمَا عِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ o وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ o وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

اور جو اللہ کے ہاں ہے اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ان ہی لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جب ان کو غصہ آ جاتا ہے تو درگذر کرتے ہیں، اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ان کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں، اور جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (شوری 36 تا 38)۔

ولی الامر جب مشورہ لے، اور کتاب اللہ، کتاب الرسول ﷺ اور اجماع سے حکم اور فیصلہ معلوم ہو جائے تو ولی الامر کا فرض ہے کہ اس کے خلاف کسی کی اتباع نہ کرے اگرچہ وہ دین و دنیا کا کتنا ہی بڑا امر اور معاملہ کیوں نہ ہو، غیر کی اتباع جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (نسا:59)

مسلمانو! اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کا بھی۔

اور اگر معاملہ ایسا ہے کہ اس میں مسلمانوں میں باہم تنازع ہے تو ضروری ہے کہ لوگوں سے رائے اور مشورہ طلب کرے اور جو رائے، جو مشورہ کتاب اللہ اور کتاب الرسول ﷺ کے قریب اور مشابہ ہو اس پر عمل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا o (النساء:59)

پھر اگر کسی امر میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس امر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے۔

اولی الامر کی دو قسمیں ہیں، ایک امراء اور دوسرے علماء۔ یہ لوگ جب صالح اور نیک ہوں گے تو عوام بھی صالح اور نیک بن جائیں گے۔ ان ہر دو فریق کا فرض ہے کہ ہر قول و فعل کی جانچ کریں، جب کتاب اللہ اور کتاب الرسول ﷺ کا حکم واضح ہو جائے تو اس پر عمل واجب ہوگا، مشکل اور دشوار معاملہ کی اچھی طرح جانچ کرے کہ اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت کس طریقہ سے ممکن ہے، کتاب و سنت کس چیز پر دلالت کرتی ہے، خوب جانچ لیں اور جانچ کے بعد فیصلہ کریں، اگر تنگی وقت یا طالب کی کوتاہی، یا دلائل باہم متعارض ہیں یا کسی اور وجہ سے فوری فیصلہ ممکن نہیں ہے، تو ولی الامر کا فرض ہے کہ اس کی پیروی کرے جس کا علم و دین مُسَلَّم ہے، اور یہی قوی ترین قول ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے، کہ پیروی جائز نہیں ہے اور تینوں قول مذہب امام احمد وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور جو شرط جج اور والیان امر کے متعلق ہے اس پر حسب امکان عمل کیا جائے، بلکہ ہمہ قسم کی عبادتیں نماز، جہاد وغیرہ میں یہی حکم ہے، قدرت و طاقت کے مطابق عمل واجب ہے، جب قدرت نہ ہو، عاجزی اور مجبوری ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کو طاقت و قدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اسی کلیہ کے مطابق طہارت و پاکی کا معاملہ ہے، پانی سے پاکی حاصل کرے، اگر پانی معدوم ہو یا اس کے استعمال سے نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو، مثلاً سخت ترین سردی ہے، یا پانی کے استعمال سے زخم بڑھ رہا ہے تو تیمّم کر لے اور اسی بناء پر نبی کریم ﷺ نے، سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ

نماز کھڑے ہو کر پڑھا کرو، اگر کھڑ ہونے کی طاقت نہیں ہے تو بیٹھ کر، اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہیں تو لیٹے لیٹے پڑھا کرو۔

غرض یہ کہ اللہ نے نماز وقت پر ادا کرنے کا حکم فرمایا: جس طرح اور جس حال میں ممکن ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ○ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ:238-239)

مسلمانو! تمام نمازوں کی عموماً اور درمیانی نماز (عصر) کی خصوصاً محافظت کرو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہو۔ اور پھر اگر تم کو دشمن کا ڈر ہو تو پیدل یا سوار جس حالت میں جیسے بن پڑے نماز ادا کرلو، پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو پھر جس طرح اللہ نے تم کو سکھایا ہے کہ تم پہلے نہیں جانتے تھے، اسی طریقے سے اللہ کو یاد کرو۔

نماز اللہ تعالیٰ نے پر امن، دشمن سے خوفزدہ، صحیح وتندرست، مریض، غنی، فقیر، مقیم و مسافر تمام پر فرض کر دی جیسا کہ کتاب اللہ، کتاب الرسول میں وارد ہے، اسی طرح نماز کے لیے طہارت، ستر پوشی، استقبال قبلہ بھی فرض کر دیا اور جو اس سے قاصر ہو اس سے ساقط کر دیا، اگر کسی کی کشتی ٹوٹ گئی اور ڈاکوؤں اور چوروں نے انہیں لوٹ لیا۔ کپڑے وغیرہ اتروا لئے، تو اس وقت ننگے حسب حال نماز ادا کریں اور جو امام ہو وہ درمیان میں کھڑا رہے، تاکہ ستر کوئی نہ دیکھ پائے، اگر قبلہ ان پر مشتبہ ہو جائے تو حسب طاقت کوشش کریں اور کوشش کے بعد نماز ادا کرلیں۔ اگر کسی جانب ترجیح کی دلیل نہیں ہے تو جس طرح جس جہت امکان ہو نماز ادا کریں، جیسا کہ عہد نبوی ﷺ میں نماز گذاری گئی تھی۔

یہی حال جاد و ولایات اور تمام دینی امور کا ہے، اور ان امور کے متعلق قرآن حکم کا یہ قاعدہ وکلیہ ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (تغابن:16)

تو مسلمانو! جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ

جب میں کسی چیز کا تمہیں حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق اس پر عمل کرو۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے خبیث اشیاء کے کھانے پینے کو حرام قرار دیا۔ تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرة:173)

تو جو بھوک سے بے قرار ہو جائے اور عدول حکمی کرنے والا اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر کسی بھی چیز کے کھالینے کا گناہ نہیں ہے۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج:78)

دین کے بارے میں تم پر کسی قسم کی سختی نہیں ہے۔

اور فرمادیا:

مَا يُرِيْدُ اللهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ (مائدہ:6)

اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی کرنا نہیں چاہتا۔

پس اللہ تعالیٰ نے وہی فرض فرمایا جو انسانی طاقت میں ہو، اور جو طاقت و قدرت سے خارج ہے وہ واجب نہیں ہے، حالت اضطراری میں ضرورت کے وقت جس کے بغیر چارہ نہیں ہے، حرام نہیں کیا، اضطرار کی حالت میں بندے نے حرام چیز پر بلا معصیت عمل کرلیا تو جائز ہے، کوئی گناہ نہیں۔

باب 28 (Chapter) کے مضامین

ولایت امر، امارت وحکومت دین کا عظیم الشان رکن اور اہم ترین واجبات سے ہے، بلکہ دین کا قیام و بقاء اسی سے وابستہ ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِيْ سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ (ابوداؤد)

جاننا چاہیے کہ ولایت امر اور امارت ملیہ دین کے اہم ترین اور عظیم ترین واجبات میں سے ہے، بلکہ دین کا قیام وبقاء اسی سے وابستہ ہے، کیونکہ بنی آدم کی اجتماعی مصلحتیں اجتماع کے بغیر ناممکن ہیں۔ بعض بعض کی ضروریات اور حاجتیں اجتماع کے بغیر ممکن ہی نہیں ہیں۔ اور جب اجتماع واجب و لازم ہے، اجتماع کے لیے امیر و سردار کا ہونا بھی واجب اور ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِيْ سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ (رواہ ابوداؤد من حدیث ابی سعید وابی ہریرہ رضی اللہ عنہما)

جب تم تین آدمی سفر میں نکلو تو ایک کو ان میں سے اپنا امیر بنا لو۔

امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةٍ يَكُوْنُوْنَ بِفَلَاةٍ مِنَ الْاَرْضِ اِلَّا اَمَّرُوْا عَلَيْهِمْ اَحَدَهُمْ (مسند احمد)

تین آدمی صحراء میں سفر کریں تو ضروری ہے کہ ایک کو ان میں سے اپنا امیر بنا لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قلیل سے قلیل اجتماع میں جو بالکل عارضی اور بحالت سفر ہو، واجب اور ضروری قرار دیا ہے کہ ایک کو ان میں سے اپنا امر بنا لیں۔ اور امیر بنا لینا واجب قرار دیا۔ اور یہ اس لیے کہ دیگر ہمہ قسم کے اجتماعات کے لیے تاکید وتنبیہ ہو جائے کہ جب سفر میں تین آدمی مجتمع ہو جائیں تو ایک کو اپنا امیر بنا لینا واجب ہے تو پھر دوسرے اجتماعات میں بدرجہ اولیٰ یہ حکم نافذ ہوگا۔ اور اس لیے نافذ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو واجب گردانا ہے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قوت امارت کے بغیر ناممکن ہے، اسی طرح تمام فرائض و واجبات مثلاً جہاد، قیام عدل و انصاف، اقامت حج، اقامت جمعہ وعیدین، نصرت مظلوم، اقامت حدود بغیر قوت، بغیر امارت ناممکن ہے، اور اسی لیے

روایت کی گئی ہے:

اِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ

سلطان وحکمران زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ساٹھ برس جابر وظالم سلطان کا ہونا زیادہ مناسب اور اصلح ہے، ایک رات بغیر سلطان کے گذارنے سے، اور تجربہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ بلا سلطان گذارنے سے ظالم بادشاہ، جابر سلطان کا وجود زیادہ مناسب ہے، اور اسی بناء پر سلف صالح کہا کرتے تھے، مثلاً فضل بن عیاض اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ وغیر:

لَوْ كَانَ لَنَا دَعْوَةٌ مُّجَابَةٌ لَّدَعَوْنَا بِهَا لِلسُّلْطَانِ

اگر ہماری دعا قبول و مستجاب ہوتی تو ہم سلطان کے لیے دعا کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاَنْ تَنَاصَحُوْا مَنْ وَّلَاهُ اللّٰهُ اَمْرَكُمْ (رواہ مسلم)

تین چیزوں سے اللہ تعالیٰ تم سے بہت خوش ہے، ایک یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ دوسری یہ کہ حبل اللہ کو سب مل کر مضبوط تھامے رہو، فرقے فرقے مت بن جاؤ۔ تیسری یہ کہ جس شخص کو اللہ نے تمہارا والی بنایا اس کو نصیحت کیا کرو۔

اور فرمایا:

ثَلَاثٌ لَّا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَمُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْاَمْرِ وَ لُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ مِنْ وَّرَائِهِمْ

تین چیزوں میں مسلمان کا دل خیانت نہیں کرسکتا، اللہ کے لیے اخلاص عمل میں، والیان امر والیان ملک کو نصیحت کرنے میں اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے میں، کیونکہ ان لوگوں کی دعوت ودعا پیچھے سے گھیر لیتی ہے۔ (رواہ اہل سنن)۔

صحیح البخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ بخاری

دین نصیحت کا نام ہے، دین نصیحت کا نام ہے، دین نصیحت کا نام ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نصیحت کس کو کی جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کیلئے، اور اس کی کتاب کے لیے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے، ائمہ مسلمین اور عام مسلمانوں کو۔

پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ دین اور تقرب الی اللہ کو مدنظر رکھ کر امارت اسلامیہ بنائیں، اور اس سے تقرب الٰہی حاصل کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت افضل ترین عبادت ہے، امارت قائم کرنا، امارت کو مضبوط بنانا یہی زبردست عبادت ہے، لیکن اس میں فساد و خرابی بھی پیدا ہو جاتی ہے، اکثر لوگ اس امارت اور ریاست کے ذریعہ مال و دولت کی خواہش رکھتے ہیں، اور اس کو ذریعہء دنیا بنالیتے ہیں جس سے اپنا دین اپنی آخرت دونوں برباد کر لیتے ہیں۔ اور خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ کا مصداق بن جاتے ہیں، جیسا کہ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِیْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَی الْمَالِ اَوِ الشَّرْفِ لِدِیْنِهٖ (ترمذی حدیث حسن صحیح)

دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں بھیجے گئے ہیں جو بکریوں کو خراب کر رہے ہیں، ایک مال و دولت کیلئے آدمی کی حرص، دوسرا دین کے بارے میں شرف و بزرگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ اور خبردار کر دیا کہ حرص علی المال، اور حرص ریاست دونوں چیزیں ایسی ہیں جو دین کو برباد کر دیتی ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ اکثر فساد اور خرابی انہی دو بھوکے بھیڑیوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہی دو بھوکے بھیڑیئے انسانی ریوڑ کو تاراج و برباد کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے بارے میں خبر دی ہے جس کا نامہء اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اور وہ بائیں ہاتھ میں نامہء اعمال دیکھ کر کہے گا:

مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطَانِیَهْ (الحاقہ:28-29)

میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، مجھ سے میری بادشاہت چھن گئی۔

ریاست وامارت اور سرداری کے طالب کی انتہا فرعون جیسی ہوتی ہے، اور مال جمع کرنیوالے کی حالت قارون کی سی ہوتی ہے، اللہ نے قرآن حکیم میں فرعون اور قارون کا حال بیان کیا ہے، فرماتا ہے:

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ (مومن:21)

اور کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا؟ وہ لوگ کیا بل بوتے کے اعتبار سے اور کیا ان شانوں کے اعتبار سے جو زمین پر چھوڑ گئے ان سے کہیں بڑھ کر تھے تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑا اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوا۔

اللہ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ○ (قصص:83)

یہ آخرت کا گھر ہے جس کو ہم نے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو دنیا میں کسی طرح کی شیخی نہیں کرنی جانتے، اور نہ فساد۔ اور اچھا انجام پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

کیونکہ لوگ چار قسم کے ہیں، ایک وہ لوگ جو علو و سربلندی، سرداری کے طالب اور خواہاں ہیں، اور اللہ کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔ اپنی سربلندی و سروری کے لیے ہر مکر و فریب کو جائز کر لیتے ہیں، یہ سخت ترین معصیت اور بہت بڑا گناہ ہے۔ ایسے سلاطین، شاہان ملک، رؤساء مفسدین، فرعون اور فرعون کی قوم، فرعون کے گروہ میں سے ہیں، اور اللہ کی مخلوق میں شریر ترین لوگ یہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآئَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآئَهُمْ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (قصص:4)

فرعون ملک میں بہت سرکشی کر رہا تھا، اور اس نے وہاں کے لوگوں کے الگ الگ گروہ کر دیئے تھے، ان میں سے ایک گروہ کو کمزور سمجھ رکھا تھا کہ ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا، اس

میں کوئی شک نہیں کہ وہ فسادیوں میں سے تھا۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ (مسلم)

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر کبر وغرور ہوگا اور وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔

کسی نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مجھے بہت پسند ہے کہ میرا کپڑا، میرا جوتا اچھا نظر آئے تو کیا یہ بھی کبر و غرور ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ

نہیں یہ کبر وغرور ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے، جمال کو پسند فرماتا ہے۔ کبر وغرور یہ ہے کہ حق کو ٹھکرایا جائے اور لوگوں کو حقیر وذلیل سمجھا جائے۔

یہ حال ان لوگوں کا ہے جو علو و سربلندی، سرداری و برتری کے خواہاں ہیں، اور فساد فی الارض چاہتے ہیں۔ دوسری قسم کے وہ ہیں جو فساد فی الارض چاہتے ہیں۔ علو، سربلندی اور سرداری سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہے، جیسے چور، ڈاکو، راہزن اور اس قسم کے جرائم پیشہ مفسد اور کمینے لوگ ہیں۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علو و سربلندی چاہتے ہیں، فساد فی الارض نہیں چاہتے اور یہ دین والوں کا طبقہ ہے، جن کے پاس دین ہے، اور دین کے ذریعہ لوگوں پر علو و سربلندی کے خواہاں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران:139)

اور ہمت نہ ہارو اور پریشان نہ ہو اور اگر تم سچے مسلمان ہو تو آخر کار تمہارا ہی بول بالا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْآ اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (محمد:35)

تو مسلمانو! بزدل نہ بنو، اور خود پیغام دے کر دشمنوں کو صلح کی طرف نہ بلاؤ اور یاد رکھو کہ آخر کار تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کے ثواب میں کسی طرح کی کمی نہیں کرے گا۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔(منافقون:8)

عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہے۔

پس بہت سے علو و سر بلندی کے طالب ایسے ہیں جو سب سے زیادہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں ذلت کی انتہا میں گرے ہوئے رہتے ہیں اور کتنے ہیں جو علو و سر بلندی اور فساد فی الارض سے گریز کرتے ہیں ، پھر بھی وہ علو و سر بلندی کے مناروں پر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ اس لیے ہوتا کہ مخلوق خدا پر علو و سر بلندی کی نیت مخلوق پر سخت ترین ظلم ہے کیونکہ تمام انسان ایک ہی جنس ہیں ایک ہی نوع ہیں اور ایک انسان یہ ارادہ اور نیت رکھتا ہے کہ اپنے ابناء جنس پر علو و سر بلندی حاصل کرے اور اسی کے مثل دوسرے ہیں وہ اس کے ماتحت رہیں یہ سخت ترین ظلم ہے اور ایسے لوگوں سے بغض وعناد، حسد و کینہ لازمی ہے او رجو عادل اور منصف ہوتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ اپنے بھائیوں سے سر بلند رہے اور اپنے بھائی جو اسکے جیسے ہی ہیں وہ مقہور ذلیل و خوار ہوکر رہیں غیر عادل انسان یہی چاہتا ہے کہ وہ قاہر و غالب اور سر بلند ہوکر رہے ان کے پاس بھی دین عقل موجود ہے وہ دیکھتے ہیں کہ بعض کو بعض پر خدا نے فضیلت دی ہے، فضلنا بعضکم علی بعض جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ انسان کا جسم ہے اور اس جسم کی اصلاح بغیر سر کے ممکن نہیں جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:۔

وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ (الانعام:165)

اور وہی ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر قدر و منزلت میں فوقیت دی ہے تاکہ جو نعمتیں تم کو دی ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرے۔

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (الزخرف:32)

سواس زندگی میں تو ان کی روزی ان میں ہم تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے درجوں کے اعتبار سے ان میں ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے تا کہ ان میں ایک کو ایک اپنا محکوم بنائے رہے۔

شریعت اسلام نے یہ لازم اور ضروری گردانا کہ سلطنت، ریاست اور مال و دولت اللہ کی راہ میں خرچ ہو، سلطنت و ریاست کا اصل مقصود یہی ہے تقرب الٰہی حاصل کیا جائے اللہ کا دین قائم اور مضبوط ہو اور جب اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کی جائے گی، تو لازمی طور پر دین و دنیا کی اصلاح ہوگی، اور فلاح و بہبود نصیب ہوگی، اگر امیر و سلطان دین سے علیحدہ رہے گا تو لوگوں کے حالات خراب ہو جائیں گے۔

طاعت الٰہی اور اہل معصیت کا امتیاز نیت و ارادہ اور عمل صالح سے ہوتا ہے، جیسا کہ صحیحین کے اندر نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا:۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الی اموالکم و انما ینظر الی قلوبکم و الی اعمالکم (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارا مال نہیں دیکھا کرتا، بلکہ وہ تمہارے قلوب اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

اکثر والیان ملک ولاۃ، امراء، روساء ایسے ہیں جن پر دنیا مسلط ہو چکی ہے۔ مال و شرافت، دولت و بزرگی سے دنیا ہی کے کام لیتے ہیں۔ حقیقت ایمان۔ اور کمال دین سے سراسر محروم ہیں بعض ان میں ایسے ہیں جن پر دین غالب ہے لیکن تکمیل جن امور سے ہوتی ہے ان سے سراسر ناواقف ہیں اور اس لیے وہ ان امور کو چھوڑے بیٹھے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، لیکن پھر بھی دین سے اعراض کئے بیٹھے ہیں اور یہ اس لیے کہ سلطنت و ریاست و ولایت و امارت کو وہ دین کے خلاف سمجھتے ہیں ان کا اعتقاد یہ ہے یہ دین کے منافی ہے دین ان کے نزدیک ذلت و خواری کا نام ہے علو و سربلندی عزت و بزرگی سے قطعاً محروم ہے۔

اور یہی حال ان دو مذہبوں کا ہوا یہود و نصاریٰ نے دیکھا کہ ان کا دین مکمل نہیں ہے تکمیل دین سے

اپنے کو عاجز پایا۔ اور اقامت دین اقامت مذہب میں بلا اور مصائب دیکھے تو گھبرا گئے اور طریقہ دین کمزور ہو گیا دین کو ذلیل سمجھ کر چھوڑ بیٹھے انہوں نے دیکھا کہ اس دین اس مذہب سے نہ تو اپنی مصلحت پوری ہوتی ہے نہ دوسروں کی اسلیے اصل دین کو ہی چھوڑ بیٹھے یہ دو دین اور دو راستے تھے ایک نے دیکھا کہ تکمیل دین کے لیے جس سلطنت اور حزر و جنگ اور مال و دولت کی ضرورت ہے اور جس کی ان کو احتیاج ہے ان کا دین اس ضرورت و احتیاج کو پورا نہیں کرتا اس لیے وہ اصل دین ہی سے نفرت کرنے لگے اور دین کو چھوڑ بیٹھے۔

دوسرا گروہ سلطنت مال و دولت حرب و جنگ کا سامان اپنے دین اپنے مذہب میں پاتا ہے لیکن اقامت دین ان کے مقصد سے خارج ہے اس لیے یہ بھی دین و مذہب کو چھوڑ بیٹھے۔

یہ دو گروہ مغضوب علیھم یہود اور ضالین نصاری ہیں یہود نے سلطنت و سیاست اور امارۃ سیاست کو چھوڑ دیا اور نصاری عیسائیوں نے دین کو چھوڑ دیا۔

صراط مستقیم انہی لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ تعالی کا خاص انعام ہوا ہے۔

فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ

اور یہ راہ ان لوگوں کی ہے جن پر اللہ کا خاص انعام ہوا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء و صالحین ہیں۔

ہمارے پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ رہا آپ کے بعد آپ کے خلفاء رضی اللہ عنہم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ رہا خلفاء رضی اللہ عنہم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد ان کی راہ پر چلنے والوں کا بھی یہی طریقہ رہا

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (توبہ:100)

اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے اسلام لانے میں سبقت کی سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور نیز وہ لوگ جو انکے بعد خلوص دل سے ایمان لائے خدا ان سے خوش اور وہ

خدا سے خوش اور خدا نے ان کے لیے باغ تیار کر رکھے ہیں جنکے تلے نہریں بہہ رہی ہونگی اور یہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

پس ہر مسلمان کا فرض عین ہے کہ حسب استطاعت کوشش کرے اور جو شخص ولایت وحکومت پر مامور ہے اس سے وہ طاعت خدا اور اقامت دین اور مصالح مسلمین کی خدمات لے اور ولایت وحکومت کو حتی الامکان مقصد حیات سمجھ کر اس کو مضبوط کرے اور تا امکان محرمات سے بچے اور بچائے جس سے وہ عاجز اور قاصر ہے اس کا مؤاخذہ نہیں ہے، ابرار نیکوکار کو ولی امر بنانا امت محمدی ﷺ کے لیے بڑی خیر و برکت ہے بمقابلہ فجار و فاسق کو ولی الامر بنانے کے اور جو سلطنت وریاست امارت وسیاست ولایت کے ذریعہ اقامت دین جہاد فی سبیل اللہ سے عاجز و قاصر ہے وہ اسی قدر خدمات انجام دے جس پر وہ قادر ہو خلوص قلب سے قوم کو نصیحت کرے اور امت محمدیہ ﷺ کے لیے محبت اور خیر و بھلائی کی دعا کرے اور جو خیر و بھلائی اسکے امکان میں ہے کرتا رہے کیونکہ خدا اس چیز کا مکلّف نہیں گردانتا جس سے وہ عاجز و قاصر ہے دین کا قیام کتاب اللہ سے ہے جو ہادی ہے اور حدیث سے ہے جو ناصر و مددگار ہے ان دو کو راہ نما، راہبر بنا کر نصرت الٰہی حاصل کر سکتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن حکیم، اور حدیث خیر الانام کو سب پر مقدم سمجھے اور اللہ تعالیٰ ہی سے اعانت و امداد چاہے اور خیر طلب کرتا رہے اور پھر دنیا تو اسی لیے ہے کہ اس کے ذریعہ دین کی خدمت کرے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

يَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْتَ مُحْتَاجٌ اِلٰى نَصِيْبِكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَنْتَ اِلٰى نَصِيْبِكَ مِنَ الْاٰخِرَةِ مِنَ الْاٰخِرَةِ اَحْوَجُ فَاِنْ بَدَاْتَ بِنَصِيْبِكَ مِنَ الْاٰخِرَةِ وَ بِنَصِيْبِكَ مِنَ الدُّنْيَا فَاَنْتَظِمُهَا اِنْتَظَامًا وَ اِنْ بَدَاْتَ بِنَصِيْبِكَ مِنَ الدُّنْيَا فَاتَكَ نَصِيْبُكَ مِنَ الْاٰخِرَةِ وَ اَنْتَ مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى خَطَرٍ

اے آدم رحمہ اللہ کے بیٹے تو اپنی دنیا، اور اپنی آخرت میں اپنے حصے کا محتاج ہے اور آخرت کے نصیبے کا زیادہ محتاج ہے تو تو اپنی آخرت کے حصے سے شروع کر اور دنیا کے حصے کا انتظام کر لے اور اگر تو نے اپنی دنیا کے حصے سے شروع کیا تو آخرت کے حصے کو فوت کر دے گا اور دنیا

تیرے لیے خطرہ بن جائے گی۔

اور اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو امام ترمذی رحمہ اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا:

مَنْ اَصْبَحَ وَالْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ هَمِّهٖ جَمَعَ اللّٰهُ لَهٗ شَمْلَهٗ وَ جَعَلَ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَ اَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَّ مَنْ اَصْبَحَ وَالدُّنْيَا اَكْبَرُ هَمِّهٖ فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهٗ وَ جَعَلَ فَقْرَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَاْتِهٖ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهٗ

جس نے اس حالت میں صبح کی کہ آخرت اس کا اہم مقصد ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حالات کو درست کردے اور اس کے دل میں غنا پیدا کردے گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی اور جس نے اس حالت میں صبح کی کہ اس کا اہم مقصد دنیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے سامان کو بکھیر دے گا اور فقر اس کی آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور دنیا تو اسی قدر اس کو ملے گی جو خدا نے اسکے حق میں لکھ رکھی ہے۔

اور اس کی اصل قرآن حکیم کے اندر ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ٥ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (الذاریات:56-57)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں ہم ان سے کچھ روزی کے تو خواہاں ہیں نہیں اور نہ اس کے خواہاں ہیں کہ ہم کو کھلائیں پلائیں اللہ تو خود بڑا روزی دینے والا قوت والا زبردست ہے۔

خاتمہ ودعاء

ہم بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمارے بھائیوں اور تمام مسلمانوں کو اس چیز کی توفیق بخشے جسے وہ محبوب رکھتا ہے اور جس سے وہ راضی ہے۔

فَاِنَّهٗ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا دَائِمًا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ



إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ (خلافت و امارت اور اختیار پر مبنی) امانتیں اہل لوگوں کے حوالے کیا کرو۔